کیا آپ کو معلوم ہے
عوام الناس میں مشہور غلط مسائل
نیز صحیح مسائل کی نشاندہی کرنے والی بہترین کتاب
مفتی محمد اکمل
Qtv
مکتبہ اعلیٰ حضرت

کیا آپ کو معلوم ہے؟

حصہ دوم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فہرست

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اِنتساب

راقم اپنی اس تالیف کو سب سے پہلے بارگاہِ رسالت (ﷺ) میں امیدِ قبولیت کے ساتھ، پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد ان تمام فقہاءِ اسلام کے ایصال ثواب کے لئے مخصوص کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنی پوری زندگی، دین اسلام کی ترویج و ترقی میں صرف فرما کرامتِ رسول (ﷺ) پر ایسا احسانِ عظیم فرمایا کہ تا قیامت، اس کا بدلہ ادا کرنا، ہم جیسے انسانوں کی جانب سے ممکن نہیں۔

چاہے ان کا تعلق کسی بھی فقہ سے ہو یعنی وہ احناف ہوں یا شوافع، مالکی ہوں یا حنبلی۔ اللہ عزوجل سب پر اپنی خاص رحمتیں برکتیں نازل فرمائے۔ آمین

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عرضِ راقم

الحمدللہ ﷻ! راقم ایک طویل عرصے سے بعطائے الٰہی، دینی مسائل کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے۔ عام فہم انداز میں، علم عام کرنا، میری زندگی کے عظیم مقاصد میں سے ایک ہے۔ جس کے لئے میں تحریر وتقریر دونوں سے کام لیتا ہوں۔ زیر نظر تالیف بھی اسی مقصد کی تکمیل کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس کتاب میں تقریباً تمام مسائل، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق تالیف ''فتاویٰ رضویہ'' سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کا انتخاب ان کے علمی کمال سے متاثر ہونے کی بناء پر کیا گیا ہے۔

علمی موتیوں سے مالامال تحریر کا سمجھنا، ہر انسان کے بس کی بات نہیں، چنانچہ جہاں جہاں محسوس ہوا کہ عوام نفس مسئلہ نہ سمجھ پائے گی، اسے آسان تر اور جہاں جہاں تحریر، قدیم الفاظ سے مزین محسوس ہوئی، اسے موجودہ مستعمل الفاظ کے ذریعے تبدیل کر کے، طبیعتوں کے موافق کر دیا گیا ہے۔

حوالہ جات کے سلسلے میں رضا فاؤنڈیشن کی تخریج پر ہی اعتماد کیا ہے۔ اور اس کے بعد پرامید ہوں کہ یہ تحریر عوام وخواص دونوں کے لئے ایک عظیم علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔

اللہ ﷻ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور میرے اور میرے والدین کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شوہر کا ایسا حکم ماننا حرام ہے کہ جس سے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہونا پڑے۔

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

شوہر کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور وقتِ نماز اتنا ہے کہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے، تو پھر وقت باقی نہ رہے گا، اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا شوہر کا حکم بجالائے؟

آپ نے ارشاد فرمایا: "نماز پڑھے، ایسا حکم ماننا حرام ہے۔"

ایک اور مقام پر دریافت کیا گیا:

اگر عورت حج کو جانا چاہے، لیکن کسی عذر کی وجہ سے شوہر اسے منع کرے، تو بغیر شوہر کی اجازت کے جاسکتی ہے یا نہیں؟

فرمایا: اگر محرم اس کے ساتھ ہے اور حج اس پر فرض ہو چکا ہے، تو جائے گی، ورنہ نہیں۔ [1]

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 23، صفحہ: 103-107

(نوٹ: اس سلسلے میں یہ حدیث قابل حفظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لا طاعة لبشر في معصية الله)) "یعنی اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی بشر کی اطاعت جائز نہیں۔" مسند امام احمد بن حنبل، مسند علی، جزء 3، صفحہ: 19)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

عصر کا روزہ حدیث یا فقہ سے ثابت نہیں، معمولاتِ مشائخ میں سے ہے۔

دریافت کیا گیا:

بعض لوگ اس ملک میں عصر کی نماز سے مغرب تک کچھ نہیں کھاتے پیتے۔ اس کو عصر کا روزہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک فائدہ یہ ہے کہ جب بوقتِ موت، شیطان پانی لے کر دھوکہ دینے آئے گا، اس وقت اس روزہ رکھنے والے کو عصر کا وقت معلوم ہوگا اور روزے کا خیال رہے گا، چنانچہ کہہ دے گا میں روزے سے ہوں، تیرا پانی ہرگز نہ پیوں گا۔ چنانچہ شیطان لاچار ہو کر چلا جائے گا، یوں روزہ رکھنے والا گمراہی سے بچ جائے گا۔ اب کیا یہ روزہ اور اس کے فوائد صحیح ہیں یا نہیں؟ کسی معتبر کتاب میں اس کی اصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس پر ثواب سمجھ کر عمل کرنا کیسا ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

حدیث وفقہ میں اس کی اصل نہیں۔ ہاں بعض مشائخ کے معمولات سے ہے۔ اور اس عمل میں حرج نہیں، انسان جتنی دیر خواہشاتِ نفسی سے بچے بہتر ہے۔ (1)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

تین اوقات (یعنی طلوعِ آفتاب، زوال اور غروبِ آفتاب) میں نماز کے حرام کر دینے میں ایک حکمت، نماز کے شوق میں اضافہ کروانا بھی ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

شرع مطہر نے قابلِ تعریف کاموں میں بھی اس حکمت پر لحاظ فرمایا ہے۔ ولھذا ادن

---

(1) فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 23، صفحہ: 105

kutubistan.blogspot.com

میں تین وقت نماز حرام فرمائی، تا کہ شوق مشتاقان تازہ ہوتا رہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رقص کرنا کبھی مکروہ اور کبھی حرام ہوتا ہے، چاہے کسی دینی محفل میں ہی کیوں نہ کیا جائے۔

اولاً یاد رکھیں کہ:

* رقص، کسی مخصوص نغمے پر کی جانے والی موزوں حرکت کا نام ہے۔
* اضطراب، غیر موزوں حرکت کو کہتے ہیں۔

اب اس میں تفصیل یہ ہے کہ رقص دو حال سے خالی نہ ہوگا:

① طوائفوں یا اسٹیج فنکاروں کی مثل ہے۔
② اس طرح نہیں بلکہ کچھ حرکاتِ مضطربہ یعنی بے موزوں حرکات ہیں۔

پہلی صورت میں ناجائز وحرام ہے۔

دوسری صورت میں دیکھا جائے گا کہ:

① رقص کرنے والے بے ریش ہیں کہ باعثِ فتنہ ہوں گے یا باوقار لوگ ہیں یا اس کی بناء پر کسی اور برائی کا دروازہ کھلنے کا امکان ہے۔ ② یا ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

پہلی صورت میں ناجائز وحرام اور دوسری صورت میں مکروہ ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، بعض صورتوں میں لازم ہے، نیز بعض صورتوں میں

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 124

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 151

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس کے ترک میں حرج نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ان الامر بالمعروف علی وجوہ ان یعلم باکبر رایہ انہ لو امر بالمعروف یقبلون ذلک منہ ویمتنعون عن المنکر فالامر واجب علیہ ولا یسعہ ترکہ ولو علم باکبر رایہ انہ لو امرھم بذالک قذفوہ وشتموہ فترکہ افضل وکذلک لو علم انھم یضربونہ ولا یصبر علی ذلک ویقع بینھم عداوۃ ویھیج منہ القتال فترکہ افضل ولو علم انھم لو ضربوہ وصبر علی ذلک ولا یشکو الی احد فلا بأس بان ینھی عن ذلک وھو مجاھد ولو علم انھم لا یقبلون منہ ولا یخاف منہ ضربا ول اشتما فھو بالخیار والامر افضل.

نیکی کا حکم کرنے کی متعدد صورتیں ہیں:

① اگر کوئی غالب گمان کی بناء پر سمجھتا ہے کہ اگر اس نے نیکی کا حکم کیا، تو لوگ اس کی بات تسلیم کریں گے اور گناہ سے بعض آجائیں گے، تو ایسی صورت میں اس پر نیکی کا حکم کرنا واجب ہوتا ہے یعنی اسے ترک کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

② اور اگر غالب گمان ہو کہ نیکی کا حکم کرنے کی بناء پر لوگ، الزام تراشیوں اور گالی گلوچ سے کام لیں گے، تو ایسی صورت میں نیکی کا حکم نہ کرنا افضل ہے۔

اسی طرح اگر سمجھتا ہے کہ اس کے باعث لوگ اسے زدوکوب کریں گے اور یہ اسے برداشت نہ کر سکے گا اور آپس میں دشمنی اور خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں بھی اس کا ترک افضل ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر سمجھتا ہے کہ لوگ مشتعل ہو کر اسے اذیت پہنچائیں گے، مگر یہ صبر کر لے گا اور سختی برداشت کر لے گا اور کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرے گا، تو پھر نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس صورت میں اس کا یہ عمل ایک مجاہد کے عمل کی مثل متصور ہوگا۔

اور اگر وہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی بات تو نہ مانیں گے، البتہ کسی سخت ردِ عمل کا اظہار بھی نہ کریں گے، تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ نیکی کا حکم دے یا نہ دے، البتہ یہاں نیکی کا حکم دینا افضل ہے۔[1]

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، قرآن کی نصوص قطعیہ کی وجہ سے ضرور فرائضِ دینیہ سے ہے اور جس وقت کسی شخص کے لئے اس کا وجوب ثابت ہو جائے، تو اس کا ترک گناہ ہے اور ان نافرمانوں کی طرح یہ خود بھی دنیوی واخروی عذاب کا مستحق ہوگا۔ احادیثِ کریمہ میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں اور قرآن کریم میں اسی قسم کا واقعہ مذکور ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ﴾

"بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر داود اور عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کروائی گئی ہے، یہ ان کی نافرمانی کے سبب ہے اور وہ حد سے بڑھتے تھے۔ وہ اس برائی سے نہ روکتے تھے، جس کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ کیا

---

[1] کتاب الکراھۃ۔ الباب السابع عشر

ہی برا تھا، جسے وہ کیا کرتے تھے۔" (المائدہ ، 78، 79)

اصحاب سبت پر داؤد علیہ السلام نے دعا کی، الٰہی! انہیں لعنت کر اور لوگوں کے لئے نشانی بنا دے۔ اس دعاء کی بناء پر وہ تمام بندر ہو گئے۔ اہل مائدہ پر عیسیٰ علیہ السلام نے یہی دعاء کی تو وہ سور ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((کلا واللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لیلعننکم کما لعنھم))

"خبردار، خدا کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم کرو گے اور برائی سے روکو گے، ورنہ ضرور اللہ عزوجل تم میں سے بعض کے دل، بعض پر مارے گا (یعنی سب کے دل ایک جیسے کر دے گا کہ کوئی بھی برائی کو برائی نہ سمجھے گا)، پھر تم سب پر اپنی لعنت اتارے گا، جیسی ان بنی اسرائیل پر اتاری تھی۔"[1]

مگر یہ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہر شخص پر واجب نہیں نہ ہر حال میں لازم۔ چنانچہ اگر کسی مقام پر یہ واجب نہ ہو، تو اس پر یہ احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ بعض صورتوں میں تو شریعت، اسے ترک کرنے کی ہی ترغیب دیتی ہے، مثلاً:

جب اس کے باعث کوئی شدید فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

یونہی اگر غالب گمان ہے کہ نیکی کا حکم کرنا بے سود ہے، کارگر ثابت نہ ہو گا، تو خواہ مخواہ چھیڑنا مناسب نہیں۔

جب کہ کوئی اہم معاملہ پورا ہونے کی امید ہو۔ مثلاً کچھ لوگ ریشم پہننے کے عادی نماز

[1] ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی۔ 412۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور درست عقائد سیکھنے کی غرض سے آئے۔ اب غالب گمان ہے کہ اگر انہیں ریشم پہننے سے منع کریں گے، تو ہرگز نہ مانیں گے، بلکہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ آنا ہی ترک کر دیں گے، جس کے باعث نماز وعقائدِ صحیحہ کی تعلیم بھی ختم ہو جائے گی، تو ایسی حالت میں انہیں مناسب وقت کی تلاش میں اسی حالت میں چھوڑ دینا، دراصل نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا ترک کرنا نہیں، بلکہ یہ عمل، دراصل اسی کے لئے تدبیر وکوشش اختیار کرنا ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شوہر زوجہ کو چھوڑ کر سفر پر جا سکتا ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔

دریافت کیا گیا:

بیوی کو چھوڑ کر سفر پر جانے والے کے لئے کتنی مدت تک سفر میں رہنا جائز ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

سفر اگر ضرورت کی وجہ سے ہو، تو بقدرِ ضرورت ہوگا، اس کی کوئی حد شریعت نے مقرر نہیں کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت پوری ہونے پر جلدی واپسی کا حکم دیا ہے اور (فرمایا کہ) سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، جو تم کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت پوری کر لے، تو جلدی گھر لوٹے۔ [2]

لیکن اگر سفر بلا ضرورت ہو اور بیوی کو ساتھ نہ لے کر جائے، تو چار ماہ سے زائد سفر پر نہ ٹھہرے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم ٹھہرایا ہے۔ [3]

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 160

② بخاری، کتاب الاطعمہ۔

③ ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 268

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ازواج کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور دو بیویاں ہوں، تو باہم عدل وانصاف کرنا اور دونوں کو الگ رہائش فراہم کرنا، واجب ہے۔

دریافت کیا گیا:

زوجہ کو بلا وجہ شرعی اذیت دینا اور دو بیویوں میں برابری نہ کرنا اور ایک ہی مکان میں جبراً رکھنا کیسا ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگرچہ اللہ عزوجل نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط﴾

''یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں، اس لئے کہ اللہ عزوجل نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے ہیں۔'' (النساء : 34)

یہاں تک کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

لیکن عورتوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر تکلیف پہنچانا ہر گز جائز نہیں، بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرنا، ان کی جانب سے خلاف مزاج باتوں پر صبر کرنا، ان کی دل جوئی اور جن کاموں میں شریعت کی مخالفت لازم نہ آتی ہو، اس میں ان کی مرضی کو مقدم رکھنا، شارع علیہ السلام کو محبوب ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کی دل جوئی کرتے اور فرماتے:

((ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله))

''یعنی بے شک مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے، جو ان میں سے زیادہ حسن اخلاق والا اور اپنی زوجہ کے ساتھ زیادہ مہربانی کرنے والا ہے۔''[1]

اور فرماتے:

((خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم لاهلی))

''یعنی تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنی زوجہ کے ساتھ زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والا ہے اور میں اپنی اہل کے ساتھ حسن سلوک میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔''[2]

اور اللہ ﷻ فرماتا ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''یعنی اور ان (بیویوں) کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''(نساء : 19)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

(واعلم انه لیس من حسن الخلق معهاکف الاذی عنها بل احتمال الاذی منهاوالحلم عند طیشها وغضبها اقتداء برسول الله ﷺ)

---

① شعب الایمان، حدیث 8719 .

② شعب الایمان، حدیث 8719 .

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی اور تم جان لو کہ عورت کے ساتھ حسن خلق یہی نہیں ہے کہ اس کو ایذاء نہ دو، بلکہ اس کی جانب سے تکالیف برداشت کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے، اس کے غضب کے وقت تحمل اختیار کرنا بھی اس میں شامل ہے۔''(الباب الثالث فی آداب المعاشرة)

اور جس طرح اللہ عزوجل نے ان عورتوں پر مردوں کے کچھ حقوق مقرر فرمائے، اسی طرح ان کے کچھ حقوق مردوں پر لازم کئے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ صلے﴾

''یعنی عورتوں کے لئے بھی ایسے ہی حقوق ہیں، جیسے (شرع کے موافق) مرد کے ان عورتوں پر ہیں۔''(البقرہ : 228)

خلاصہ یہ کہ کھلانے پلانے وغیرھما اختیاری امور میں انہیں برابر رکھنا واجب ہے۔

درمختار میں ہے:

(یجب وظاھر الآیة انه فرض النھران یعدل ای ان لایجوزفیه ای فی القسم بالتسویة فی البیتوتة وفی الملبوس والماکول والصحبة)

''یعنی حسن سلوک واجب ہے اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر)۔ یعنی ان کی باری مقرر کرنے میں ظلم نہ کرے، اس صورت کے ساتھ کہ رات گزارنے، لباس، کھانے پینے اور صحبت میں برابری قائم رکھے۔''[1]

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا، تو قیامت میں ایک جانب جھکا ہوا اٹھے گا۔

---

[1] باب القسم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((من كان له امرأتان فمال الى احدهما دون الاخرى جاء يوم القيامة واحد شقيه مائل))

"یعنی جس کی دو عورتیں ہوں، پھر وہ ان میں سے کسی کی جانب (اختیاری طور پر) مائل ہو اور دوسری کو نظر انداز کرے، تو قیامت کے روز اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوئی ہوگی۔"[1]

اور انہیں ایک ہی مکان میں جبراً رکھنا جائز نہیں، بلکہ ہر ایک کو حق ہے کہ وہ شوہر سے الگ مکان کا مطالبہ کرے۔

درمختار کتاب النکاح باب النفقہ میں ہے:

(فلكل من زوجتيه مطالبته ببيت من دار عليحدة)

"یعنی دونوں بیویوں میں سے ہر ایک اپنے شوہر سے گھر میں علیحدہ کمرے کا مطالبہ کرسکتی ہے۔"[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

دو بیویوں میں کھانے پینے میں عدل، صرف ان کی مالی حیثیت کی برابری کی صورت میں لازم ہوگا۔

---

① ابن ماجه، باب القسمة بين النساء

② (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 273) (نوٹ: یہاں علیحدہ مکان سے مراد کم از کم علیحدہ ذاتی کمرہ ہے۔ لہٰذا اگر شوہر نے ایک ہی گھر میں دو ازواج کو علیحدہ علیحدہ کمرہ فراہم کردیا کہ جس میں وہ اندر سے کنڈی لگا کر اپنے مال اور دیگر پوشیدہ امور کی حفاظت کرسکتی ہوں، تو ان کا حق ادا ہوگیا۔ جیسا کہ درمختار کی عبارت سے ظاہر ہے۔ کیونکہ دار مکمل گھر کو، جبکہ بیت اس کے ایک کمرے کا نام ہے)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دریافت کیا گیا:

دو بیویوں میں کھانے پینے کے سلسلے میں عدل کی کیا صورت ہے، آیا جو ایک بیوی کو کھلایا، وہی دوسری کو بھی کھلانا واجب ہو گا، چاہے اس غذا کا تعلق ضرورت سے ہو یا ضرورت سے زائد سے؟ اگر دوسری کو بھی دینا واجب ہے، تو درج ذیل صورت میں کچھ فرق ہو گا یا نہیں کہ ایک زوجہ نے شوہر سے کسی چیز کے کھانے کی فرمائش کی، شوہر نے دوسری سے چھپا کر اس کی خواہش کو پورا کر دیا، تو کیا دوسری کو بھی وہی لا کر دینا ہو گا؟ اور اگر شوہر اپنی مرضی سے کبھی ایک شے، ایک زوجہ کو اور دوسری، دوسری کھلاتا ہے، مگر برابری نہیں کرتا، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں، جب کہ دونوں چیزوں کی قیمتیں مختلف ہوں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

کھانا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اصل نفقہ، جو شوہر پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا اس سے زائد، جیسے پان، چھالیہ اور دیگر تحائف وغیرہ۔

قسم اول میں برابری صرف اس صورت میں واجب ہوتی ہے، جب دونوں عورتیں مالی حالت یعنی فقر وغناء میں برابر ہوں۔ ورنہ شوہر کی مالی حیثیت کا لحاظ رکھتے ہوئے، مالدار عورت کے لئے اس کے مطابق اور غریب کے لئے اس کی حیثیت کے موافق واجب ہو گا۔ مثلاً شوہر اور ایک زوجہ، دونوں امیر ہیں۔ جب کہ دوسری بیوی غریب خاندان کی ہے۔ ان دونوں کے نفقات میں برابری واجب نہیں ہو سکتی۔ پہلی کو اس کی حیثیت کے مطابق اعلیٰ کھانا دینا ہو گا، جب کہ دوسری کو ادنیٰ قسم کا بھی دے، تو کافی ہے۔ پہلی کے لئے نوکر ضروری، جب کہ دوسری اپنی خدمت خود کرے گی۔ پہلی کو لباس بھی اعلیٰ دینا ہو گا، جب کہ دوسری کو اوسط درجے کا بھی دے، تو بری الذمہ ہے۔ پہلی کے لئے مکان بھی شاندار ہونا چاہیے، جب کہ دوسری کے لئے متوسط۔

اور قسم دوم میں مطلقاً برابری لازم ہے۔ جو چیز جتنی اور جیسی ایک کو دے، اتنی اور ویسی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہی دوسری کو بھی دے۔ دودھ، چائے، میوے، پان، چھالیہ، الائچی، قلفی، سرمہ و مہندی وغیرھا تمام ضرورت سے زائد اشیاء میں مساوات رکھے۔

کیونکہ پہلی قسم میں فرق دراصل اصل وجوب میں تھا، جب کہ یہاں یہ اشیاء واجب نہیں۔ ان میں کسی ایک کو ترجیح دینا، اس کی جانب مائل ہونے کی دلیل ہے اور کسی ایک کی جانب اختیاری میلان ممنوع ہے۔

فرمائشوں کا حال بھی یہیں سے واضح ہوگیا۔ چنانچہ اگر ان میں سے ایک زوجہ نے اپنے نفقے کے بارے میں ہی فرمائش کی ہے، تو چونکہ وہ منِ جانب شریعت اس کی مستحق ہے، لہٰذا اگر دوسری اس کا حق نہیں رکھتی، تو اب شوہر پر لازم نہیں کہ اسے بھی ویسی ہی چیز لا کر دے۔

اور اگر نفقے سے زائد کی فرمائش کی ہے، تو اس میں برابری کا حکم ہوگا، جیسا کہ بیان کیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کو اپنے بیٹے کو تحفہ دیتے ہوئے دیکھا، تو دریافت فرمایا، کیا تو نے اپنے ہر بیٹے کو اس کی مثل تحفہ دیا؟

انہوں نے عرض کی، جی نہیں۔ فرمایا: تو پھر مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ [1]

جب تحائف میں کمی بیشی بیٹوں کے اندر ظلم اور میلان قرار دی گئی، تو بیویوں میں بدرجۂ اولیٰ ظلم و میلان ہوگی۔ اور چھپا کر دینے کی صورت میں دونوں کو راضی سمجھنا غلط ہے، کیونکہ جسے چھپا کر دے گا، وہ ضرور یہ خیال کرے گی کہ اس کے قلب میں میرے لئے زیادہ مقام ہے، چنانچہ وہ دوسری کو دبانے کی کوشش کرے گی اور یہ گویا فساد کا بیج بونا ہوگا۔ [2]

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نعمان بن بشیر، نسائی، کتاب النحل

[2] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 276

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بیٹے کی زندگی میں باپ اس کے مال کا مالک نہیں، ہاں محتاج ہو، تو بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔

دریافت کیا گیا:

زید جو ایک غنی شخص ہے، نے اپنے جوان بیٹے کی آمدنی یہ کہہ کر جمع کرنی شروع کی کہ تمہاری شادی کر دیں گے، لیکن بعد میں وہ مال اپنے ذاتی خرچ میں استعمال کر لیا، کیا اس صورت میں زید پر کسی قسم کا تاوان لازم آئے گا یا اسے بیٹے کے مال کا مالک تصور کیا جائے گا؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

بے شک تاوان دے گا اور بیٹا اس خرچ پر راضی نہ تھا، تو گناہ گار بھی ہو گا۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾

"یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ۔" (بقرہ: 188)

باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہرگز مالک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

((انت ومالك لابيك))

"یعنی تو اور تیرا مال، تیرے باپ کا ہے۔"[1]

بطورِ قانون نہیں، بلکہ یہ فقط احسان و بھلائی کی ترغیب کے لئے ہے۔

---

[1] ابن ماجه، ابواب التجارات، باب ماللرجل من مال ولده

فتح القدیر میں ہے:

(لم تكن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه)

"یعنی باپ کو کوئی ایسا اختیار حاصل نہیں، جو اسے اس کے بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا مالک بنادے۔"

(كتاب الحدود، باب الوطى الذى يوجب الحد)

نہ باپ کو بیٹے کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے ایک روپیہ بھی لینے کا اختیار ہے۔
اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

"یعنی اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال، ناحق نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ باہم رضامندی کے ساتھ تجارت کی ہو۔"

(النساء: 29)

ہاں اگر باپ فقیر ومحتاج ہو اور بیٹا مالدار، تو صرف نفقے کی مقدار بلا اجازتِ اولاد لے سکتا ہے، چاہے بیٹا اس سے راضی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل ارشاد کا یہی مطلب ہے۔

(ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه)

"یعنی آدمی کا اپنے کسب سے کھانا نہایت پسندیدہ ہے اور بیٹا اس کا کسب ہے۔"

صاحبِ فتح القدیر کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کے مضمون کا تقاضا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہے کہ باپ کو بیٹے کے مال پر قطعی ملکیت حاصل ہونی چاہیے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہاں بظاہر ایسا ہی ہے، لیکن یہ اس وقت ہوتا کہ جب سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی حدیث نے کہ جسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا، اسے مقید نہ کیا ہوتا۔ وہ حدیث یہ ہے:

((ان اولادکم هبة لکم یهب لمن یشاء اناثاویهب لمن یشاء الذکوروامو الهم لکم اذااحتجتم الیها))

''یعنی تمہاری اولاد تمہارے لئے تحفہ ہے۔ اللہ عزوجل جسے چاہتا ہے، لڑکیاں عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے، لڑکے دیتا ہے اور جب تمہیں حاجت ہو، تو اولاد کا مال تمہارا مال ہے۔''

اور پہلی حدیث کے ظاہر مفہوم سے عدول کرنے کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے باپ کو بیٹے کے مال میں، اس کی اولاد کی موجودگی میں چھٹے حصے کا وارث بنایا ہے۔ اگر بیٹے کا کل مال باپ کا ہی ہوتا، تو اس کی موجودگی میں غیر کو کچھ بھی نہ ملتا۔ ①

درمختار کتاب الطلاق میں ہے:

(فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنه الموسر مایکفیه ان ابی ولاقاضی ثمه والاائم)

یعنی مبتغی میں ہے کہ اگر بیٹا مال دینے سے انکار کرے اور وہاں کوئی قاضی بھی نہ ہو، تو فقیر باپ کو مالدار بیٹے کے مال سے بقدرِ کفایت چرا لینے کا حق ہے، اگر ایسا نہ ہو (یعنی بیٹا انکار نہیں کر رہا یا قاضی موجود ہے کہ جس سے فیصلہ کروایا جا سکے) تو (اب پوشیدہ طور پر مال لینے کی بناء پر) باپ گناہ گار ہوگا۔ ②

---

① فتح القدیر، باب النفقة، فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویه
② فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 643

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

سود و چوری و غصب و جوئے وغیرہ کا پیسہ حرام ہے۔ لیکن اس مال سے خریدی ہوئی ہر چیز حرام نہیں۔ نیز ہر حرام مال، ثواب کی نیت سے خرچ کرنا اور حرام روپے سے خریدے گئے کھانے کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا، کفر نہیں۔ نیز وعدہ سود پر لئے گئے مال سے تجارت اور اس کا نفع جائز ہے۔

دریافت کیا گیا:

زید کا کہنا ہے کہ سود، چوری، جوے، غصب، سودی روپے سے کی گئی تجارت کا نفع، وکالت ومختارکاری کا پیشہ، جج اور انگریز فوج کی نوکری کی تنخواہ، یہ سب حرام ہے۔ اگر اس روپے سے کھانا تیار کیا گیا یا کپڑا بنایا گیا، ایسا کھانا، کھانا حرام ہے اور اس کھانے پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔

لیکن عمرو کہتا ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں، بلکہ اگر صاحبِ مال، مال کے چوری ہونے کے بعد چور کو وہ مال بخش دے، وہ مال چور کی ملک ہو گیا، لہٰذا اب حرام نہیں، چاہے چور کو اس کے بخشے جانے کی خبر ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت وسود کا بھی یہی حکم ہے۔

امید ہے کہ مال حرام کی نشاندہی کی جائے گی تا کہ مسلمانوں کے لئے اس سے بچنا موجبِ برکات ہو اور مال حرام سے صدقہ وخیرات کر کے امیدِ ثواب رکھنا درست ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

سود، چوری، غصب اور جوئے کا پیسہ قطعی حرام ہے۔ اسی طرح وکالت ومختارکاری، جس طرح اس زمانے میں رائج ہے (کہ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ، بے گناہ کو قصوروار اور قصوروار کو بے گناہ قرار دیا جاتا ہے، نیز ناحق کسی کی زمین دوسرے کے نام کر دی جاتی ہے،

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وغیرہ) قطعاً حرام ہے۔

اسی طرح ہر وہ نوکری جس میں اللہ عزوجل یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف فیصلہ یا حکم کرنا پڑے، خواہ اسلامی ریاست کی ہو یا غیر کی، قطعاً حرام ہے۔ اس کی اجرت بھی قطعاً حرام ہے۔ یونہی ہر گناہ کے کام کی اجرت حرام ہے۔ یہ تمام امور قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہیں اور اہل علم اور ان کی صحبت میں رہنے والے حضرات کے ہاں معروف ہیں۔

اور بلا ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے، لیکن وہ روپیہ جو کسی نے (وعدۂ سود پر) قرض لیا، اس کے ذریعے کی گئی (حلال) تجارت کا نفع حلال ہے۔ کیونکہ خباثت اس مال میں ہوگی، جو بطورِ سود دیا جائے گا، اس میں نہیں، جو بطورِ قرض لیا اور یہ بالکل واضح بات ہے۔

اور حرام مال، جیسے غصب و رشوت و چوری اور گناہ کی اجرت وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے، اس کی چند صورتیں ہیں:

① غلہ فروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے یا کپڑے والے کو حرام پیسہ پہلے دے دیا کہ اس کا کپڑا دے دے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے۔

② روپیہ پہلے تو نہ دیا، مگر عقد و نقد دونوں اس روپے پر جمع کئے یعنی خاص اس حرام روپے کی تعیین کرتے ہوئے، اس کے بدلے میں خریدا اور یہی روپیہ قیمت میں ادا بھی کیا۔ اس صورت میں بھی یہ غلہ حرام ہوگا۔

③ نہ روپیہ پہلے سے دیا، نہ اس پر عقد و نقد جمع کئے۔ اس کی پھر تین شکلیں ہوں گی:

* غلے والے سے کہا چند روپوں کے گیہوں دے دو اور اس میں کسی روپے کی تخصیص نہ کی کہ اس کے بدلے میں دے دو۔ جب اس نے تول دیا، تو اس نے قیمت کے طور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پر یہی حرام روپیہ دے دیا۔اس صورت میں نقد (یعنی ادائیگی) تو حرام پیسے کی ہوئی، لیکن عقد (یعنی ایجاب وقبول کا معاملہ) کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا۔

❋ پہلے اسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لئے۔جب اس نے دے دیئے، تو اس نے حلال روپیہ اٹھا کر بطورِ قیمت حرام روپیہ دے دیا، اس صورت میں عقد حلال پیسے پر ہوا، اور نقد حرام پر۔

❋ دوسری صورت کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر غلہ طلب کیا، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد حرام پیسے پر ہوا، اور نقد حلال پر۔

ان آخری تین صورتوں میں عقد ونقد دونوں حرام پیسے پر جمع نہ ہوئے، نہ پہلے سے زرحرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی عقد ونقد کے اجتماع کی ایک صورت تھی۔

ان تین صورتوں میں بھی ہمارے ائمہ کا قوی مذہب یہی ہے کہ خریدی ہوئی چیز حرام ہوگی، لیکن حال زمانہ دیکھ کر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہوگی اور اس کا کھانا، کھلانا، پہننا پہنانا اور دیگر تصرفات میں لانا جائز ہوگا۔

اس آسان فتوے کی بناء پر ان حرام روپے والوں کے یہاں کا کھانا یا پان وغیرہ دیگر مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔کیونکہ ان حرام کمانے والوں تک حرام صورت سے فقط یہ روپیہ پہنچا تھا، کھانا وغیرہ نہیں۔ یہ اس روپے کے عوض اشیاء خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام رائج طریقے کے مطابق عقد ونقد کا اجتماع نہیں ہوتا، بلکہ اکثر بیوع، تیسری صورت کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

(فی التتارخانیة رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اولاثم اشترى منه بهااواشترى قبل الدفع بها ودفعها او اشترى قبل الدفع بهاودفع غيرهااواشترى مطلقاودفع تلك الدراهم اواشترى بدراهم اخرودفع تلك الدراهم قال ابونصريطيب له ولايجب عليه ان يتصدق الافى الوجه الاول واليه ذهب الفقيه ابوالليث لكن هذاخلاف ظاهر الرواية فانه نص فى الجامع الصغيراذاغصب الفافا شترى بهاجارية وباعهابالفين تصدق بالربح وقال الكرخى فى الوجه الاول والثانى لايطيب وفى الثلاث الاخيرة يطيب وقال ابوبكر لايطيب فى الكل لكن الفتوى الآن على قول الكرخى دفعاللحرج عن الناس اه وفى الولوالجية وقال بعضهم لايطيب فى الوجوه كلها وهو المختار ولكن الفتوى اليوم على قول الكرخى دفعا للحرج لكثرة الحرام اه وعلى هذامشى المصنف فى كتاب الغصب تبعاللدر وغيره)

''یعنی تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے حرام مال حاصل کیا اور اس سے کچھ خریدا، تو یہ خریداری پانچ صورتوں میں ہوسکتی ہے: ① یہ کہ یہ حرام دراہم بائع کو دے کر پھر اس کے بدلے میں خریدا۔ ② دوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور اسے بطورِ عوض دیا۔ ③ یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض میں اور مال دیا۔ ④ یہ کہ مطلق خریداری کی اور ادائیگی میں یہ مال دیا۔ ⑤ یہ کہ دوسرے دراہم سے خریدا اور ادائیگی میں یہ دراہم دیئے۔

ابو نصر کہتے ہیں کہ پہلی صورت کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں خریدا گیا مال طیب ہے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہیں۔اور اسی کو فقیہ ابو اللیث نے بھی اختیار کیا ہے۔لیکن یہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے کیونکہ جامع صغیر میں نص ہے کہ اگر کسی نے ہزار غصب کیا ہو اور اس کے عوض لونڈی خریدی اور دو ہزار میں فروخت کی، تو نفع کو صدقہ کرے۔اور امام کرخی نے فرمایا کہ اول اور ثانی صورت میں طیب نہ ہوگا اور آخری تین صورتوں میں طیب ہے، لیکن آج کل فتویٰ امام کرخی کے قول پر ہے تا کہ لوگوں سے حرج کا ازالہ ہو سکے۔اور ولوالجیہ میں ہے کہ بعض نے فرمایا، سب صورتوں میں حلال نہیں اور یہی پسندیدہ قول ہے۔لیکن فتویٰ آج کل امام کرخی (رحمۃ اللہ علیہ) کے قول پر ہے، تا کہ حرام کی کثرت کی بناء پر حرج کو ختم کیا جا سکے۔اور مصنف نے درر وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے۔"

(ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات)

پھر جن صورتوں میں وہ کھانا ان دونوں مذاہب پر حرام ہے یعنی پہلی والی دو صورتیں، ان میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا برا کیا، مگر کافر ہرگز نہ کہا جائے گا، کیونکہ اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے ہونا درکنار، اس پر تمام علماء کا اتفاق بھی ثابت نہیں۔

کیونکہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ غیر متعین طور پر اس مال کا بدلنا حلال ہے، کیونکہ عقدِ حرام متعین پر نہ ہوا، بلکہ عقد کا تعلق ذمہ داری سے ہے، لہٰذا خبث دوسرے مال میں سرایت نہ کرے گا، یہی قیاس ہے اور اسی پر علامہ طوری کے فتوے کی بنیاد ہے۔محیط سے منقول ہے کہ غصب کردہ دراہم کے عوض طعام خریدا، تو کھانا حلال ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے:

(فی التتمۃ من قال عند ابتداء شرب الخمر والزناء واکل

الحرام ببسم الله كفر وفيه انه ينبغي ان يكون محمولا على الحرام المحض المتفق عليه وان يكون عالما بنسبة التحريم اليه بان تكون حرمته مما علم من الدين بالضرورة كشرب الخمر)

"یعنی تتمہ میں ہے کہ جس نے شراب پینے، زنا اور حرام کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی، تو وہ کافر ہو گیا۔ اس قول کو ان حرام امور پر محمول کرنا چاہیے، جن کے حرام ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اور اس پر بھی کہ وہ شخص جانتا ہو کہ بسم اللہ سے حرام کی ابتداء کر رہا ہے اور وہ حرمت بھی ایسی ہو جس کا علم ضروریاتِ دین میں سے ہو، جیسے شراب پینے کی حرمت۔"

(فصل فی الصلوۃ والقراءۃ)

اور حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں۔ کیونکہ اگر وہ چیز بذاتِ خود حرام نہ ہو، بلکہ حرام مال کے بدلے میں خریدی، تو اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ اس کی حرمت پر سب کا اتفاق نہیں۔

اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا، چاہے اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہیں رہا یا یہ سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں، مثلاً اس طرح کہ اس کے مورث نے کسی کا مال غصب کیا، اب یہ مال کے بارے میں تو جانتا ہے، لیکن مالک کا کچھ پتا نہیں یا یوں کہ مالک مر گیا اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شریعتِ مطہرہ اسے اس مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیتی ہے۔ جب اس نے صدقہ کیا، حکم بجا لایا اور شریعت کے حکم کی تعمیل پر ثواب کی امید رکھنا ممنوع نہیں۔[1]

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 645

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

طوائف اور سود خور کا پیسہ مسجد میں صرف کیا جا سکتا ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔

دریافت کیا گیا:

اگر طوائف یا سود خور وغیرہ مسجد میں کوئی شے جیسے لوٹا، چٹائی یا دری وغیرھا ڈلوا دیں، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں ان کے مال کی حرمت آڑے آتی ہے یا نہیں؟ ان چیزوں کی خرید بھی دست بدست نہیں ہوئی، بلکہ چیز خرید کر قیمت بعد میں ادا کرتے ہیں۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر طوائف نے کسی سے کچھ روپیہ قرض لیا تھا یا کسی اور صورت سے حلال مال حاصل کیا اور ذکر کردہ چیزوں کی خریداری میں یہی حلال مال دیا (یا حرام مال سے خریدا، لیکن) خریدتے وقت حرام کی جانب اشارہ نہ کیا تھا یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھا اس کے عوض دے دے، جب تو یہ چیزیں باتفاق علماء اس طوائف کی پاکیزہ ملک وحلال ہیں، جن میں حرام کا کوئی شبہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیاء کی خریداری سے اصلاً کوئی تعلق نہ ہوا۔

اور اگر مال حرام دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا یا حلال دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا، صرف مطلقاً خریداری کرلی مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، جب اس نے دے دی، تو اس کی قیمت مال حرام سے ادا کر دی، تو ان تین صورتوں میں اگر چہ علماء کا اختلاف ہے، لیکن فتویٰ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ ان صورتوں میں بھی یہ چیزیں طوائف کے لئے حلال ہوں گی۔ ان تمام صورتوں میں طوائف یہ چیزیں خرید کر مسجد میں رکھے، تو جواز کا حکم دیا جائے گا، اگر چہ طوائف پر اس کے حرام افعال کا وبال ہوگا، نیز ان افعال پر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اجرت لینے کا عذاب جدا، نیز اس حرام مال کو خرچ کرنے کا مؤاخذہ اس کے علاوہ ہے۔

ہاں اگر عقد ونقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں یعنی حرام روپیہ ہی دکھا کر کہے کہ اس کے بدلے فلاں چیز دے دے اور پھر قیمت ادا کرتے وقت یہ حرام روپیہ ہی دے، تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی وہ شے حرام رہے گی اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا۔ مگر آج کل غالباً خرید وفروخت میں یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔

تنویر الابصار کتاب الغصب میں ہے:

(تصدق اذا متعينا اوشرى بدراهم الوديعة او الغصب ونقدها وان اشار اليها ونقد غيرها او اطلق ونقدها لا وبه يفتى)

"یعنی جب حرام مال متعین ہو یا امانت یا غصب کے مال سے کوئی چیز خریدی اور وہی نقد دیا ہو، تو صدقہ کرے۔ اور اگر سودے کے وقت حرام دکھایا اور ادائیگی میں دوسرا دیا یا مطلق سودا کیا اور ادائیگی حرام سے کی، تو صدقہ لازم نہ ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مال حرام واپس کرنا یا صاحب مال سے معاف کروانا یا صدقہ کرنا واجب ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جوئے کے مال سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جس قدر مال جوئے میں کمایا گیا، محض حرام ہے۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 650

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

درمختار کتاب الحظر والاباحۃ۔فصل فی البیع میں ہے:

(من السحت مایأخذ مقامر)

"جوئے میں حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔"

اس سے برأت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا جتنا مال جیتا ہے، اسے واپس دے یا جس طرح ممکن ہو، اسے راضی کر کے معاف کروالے۔

وہ نہ ہو، تو اس کے وارثوں کو واپس دے یا ان میں سے جو عاقل بالغ ہوں، ان سے ان کا حصہ ان کی رضامندی کے ساتھ معاف کروالے۔باقی نابالغوں کا حصہ، انہیں دینا ہی ہوگا، کیونکہ اس کی معافی ممکن نہیں۔

اور جن لوگوں کا کسی طرح پتہ نہ چلے، نہ ہی ان کے ورثاء معلوم ہوں، ان کا تمام مال ان کی جانب سے صدقہ کردے۔اس صورت میں چاہے تو محتاج بہن بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے۔اس کے بعد اس کے پاس جو بچے گا، حلال وطیب ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

(کان الاخذ معصیة والسبیل فی المعاصی ردها وذلك ههنا برد الماخوذ ان تمکن من رده بان عرف صاحبه وبالتصدق به ان لم یعرفه)

"یعنی (حرام مال کا) لینا گناہ ہے اور اس گناہ کے ازالے کی یہ صورت ہے کہ اسے واپس کرے اور اس مقام پر واپس کرنا اس وقت واجب ہوگا کہ جب اس کے مالک کو جانتا ہو اور اگر نہ جانتا ہو، تو اب صدقہ کرنا ہوگا۔"

(کتاب الکراهیة۔الباب الخامس عشر)

ردالمحتار میں ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(ان علمت اصحابه او ورثتهم وجب رده عليهم والا وجب التصدق به)

''یعنی اگر اس حرام مال کے مالک یا مالک کے ورثاء کو جانتا ہے، تو واپس کرنا واجب ہوگا، ورنہ صدقہ لازم ہے۔'' (كتاب الزكوة۔باب زكوة الغنم)

غرض جہاں جہاں، جس قدر یاد ہو سکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ ہوا تھا، اتنا تو انہیں یا ان کے ورثاء کو دے، یہ نہ ہوں تو ان کی نیت سے تصدق کرے۔

ہار جیت میں زیادہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا۔ کبھی یہ جیتا، کبھی یہ۔ حساب کیا تو اس شخص کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے تک پہنچی اور یہ خود تمام کا حساب کرنے پر سوا سو جیتا، تو سو سو تو برابر ہو گئے، چنانچہ اب اسے پچیس روپے دینے ہوں گے۔ وعلى هذا القياس.

اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ کا اندازہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے حاصل کیا ہوگا، اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کر دے۔ عاقبت یوں ہی پاک ہوگی۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بلیک میلنگ یا زور و قوت سے زبردستی کسی کا مال کھانا اور مخلوق خدا کو ناحق تنگ کرنا، حرام ہے۔

دریافت کیا گیا:

ایسے شخص کا کیا حکم ہے کہ جو اپنے دوست کو ڈرا دھمکا کر اس سے مال وصول کرتا ہے

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 651

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور کہتا ہے کہ نہ دے گا تو فلاں پریشانی میں مبتلاء کروں گا؟ یا وہ شخص اللہ عزوجل کی مخلوق کو تنگ کرتا ہے اور غلبہ ثابت کرنے کے لئے کسی معزز اور بڑے آدمی سے تعلق ظاہر کرتا ہے تا کہ لوگ مرعوب رہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

مکر وفریب اور کسی کو ڈرا دھمکا کر مال لینا، قطعی حرام ہے۔ پھر اگر طاقت کے زور پر لیتا ہے، تو غصب ہے اور اگر اپنے شر سے ڈرا کر لیتا ہے، تو رشوت ہوگی اور یہ دونوں طریقے حرام، جہنم اور غضب الٰہی کو واجب ٹھہرانے کا سبب ہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾

"یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ" (بقرہ : 188)

اور اللہ کی مخلوق کو تکلیف دینا، ڈرانا اور ان پر اپنا جبر وتکبر ظاہر کرنا، قطعی حرام کردہ امور میں سے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

((وشر الناس منزلة يوم القيامة من يخاف لسانه اويخاف شره))

"یعنی بروزِ قیامت، مرتبے کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہوگا کہ جس کی زبان یا شر سے خوف محسوس کیا جائے۔"[1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا:

((لاينبغى على الناس الاولدبغى والا من فيه عرق منه))

---

[1] موسوعة رسائل ابن ابى الدنيا، ذم الغيبة والنميمة.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی لوگوں پر ظلم و زیادتی فقط وہی کرے گا، جو ناجائز اولاد ہوگی یا اس میں زناء کا دخل ہوگا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

دوسرے کی چیز بغیر اجازت استعمال کرنا جائز نہیں۔

دریافت کیا گیا:

ایک کپڑا دھوبی کو دیا گیا۔ دھوبی کے پاس سے وہ کپڑا گم ہو گیا، اس کپڑے کے بجائے ایک دوسرا کپڑا مالک تک پہنچا، جو اس کے کپڑے کا عوض قرار دیا گیا ہے، تو یہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ گم شدہ کپڑا نہ ملے، تو اس اجنبی کپڑے کو دھوبی کو لوٹا دیا جائے یا کسی محتاج کو دے دیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر لینے سے پہلے ہی معلوم ہو کہ یہ غیر کا کپڑا ہے، تو سرے سے لینا ہی جائز نہ تھا۔ اور اگر مغالطے میں لے لیا بعد میں معلوم ہوا کہ غیر کا ہے، تو استعمال میں لانا جائز نہیں۔ جیسا کہ فقہاء نے کپڑے اور جوتے کے تبدیل ہو جانے کے مسئلے کے بارے میں واضح طور پر فرمایا۔ جیسا کہ خانیہ اور ہندیہ میں ہے۔

اور بے شک اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قف﴾

---

[1] مجمع الزوائد بحواله المعجم الكبير، كتاب الخلافة، باب في عمال السوء، (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 653)

''یعنی اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ باہم رضامندی کے ساتھ تجارت کی ہو۔'' (نساء۔29)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لایحل لمسلم ان یأخذ عصا اخیه بغیر طیب نفس منه))

''یعنی کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کی چھڑی، اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔''①

اور خانیہ، ہندیہ اور بزازیہ میں ہے:

(اذاقال القصار هذاثوبك وقال المالك ليس هذاثوبى فاخذه رب الثوب عوضاعن ثوابه لايحل لبسه ولا بيعه)

''یعنی جب دھوبی نے کہا کہ یہ تیرا کپڑا ہے اور مالک کہے، میرا نہیں۔ پھر مالک اپنے کپڑے کے بدلے اس کپڑے کو لے لے، تو اس کا استعمال اور فروخت کرنا جائز نہیں۔''②

لیکن یاد رہے کہ اس کے بعد جو فقہاء اسلام نے فرمایا کہ اگر مالک کپڑا لیتے وقت دھوبی سے پوچھے کہ یہ کپڑا میرے کپڑے کا بدلہ ہے اور وہ جواب میں ہاں کہے، تو اب یہ اس کے لئے جائز ہوگا۔

تو میں اس کے بارے میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مالک کو یقین ہو یا دھوبی یقین دلادے کہ یہ دھوبی کا ہی کپڑا ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔ یعنی انہوں نے دھوبی اور کسی دوسرے گاہک کے کپڑے میں فرق کیا ہے۔

---

① موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، کتاب البیوع

② فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ، کتاب الاجارات، الفصل الحادی عشر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور جب کہ واضح ہے کہ اس نے دھوبی سے لیا اور دھوبی کپڑے پر مالک کی اجازت سے ہی قبضہ کرتا ہے، تو اب اس کپڑے کے لئے گری پڑی اشیاء کا حکم نہ ہوگا کہ کسی محتاج کو دینا جائز قرار دیا جائے، بلکہ اسے دھوبی کو ہی لوٹانا ہوگا۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

جس بارات میں گانے باجے وغیرہ ہوں، اس میں شرکت کبھی بالکل ممنوع اور بعض صورتوں میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں شرکت دو حال سے خالی نہ ہوگی:

① بارات کے ساتھ جانا ہوگا۔

② اس مکان میں جانا ہوگا، جہاں بارات ٹھہری ہے۔

پھر اس میں شریک ہونے والوں کی بھی دو قسمیں ہو سکتی ہیں:

① شریک ہونے والا عالم و دینی پیشوا ہے۔

② عام مسلمان ہے۔

پھر شرکت مزید دو حال سے خالی نہ ہوگی:

① ان امورِ غیر شرعیہ کو قابل نفرت و کراہیت سمجھ کر شرکت کی ہے۔

② انہیں اچھا سمجھ کر اور پسندیدگی کے ساتھ شریک ہوا ہے۔

اس طرح کل آٹھ صورتیں متوقع ہوئیں۔ ان سب کی تفصیل اور شرعی حکم درج ذیل ہے۔

① بارات کے ساتھ جانا ہوگا، جانے والا دینی پیشوا ہے اور ان امور کو ناپسند کرتا ہے۔

---

① فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 654

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شرکت کا شرعی حکم

ایسی صورت میں اس دینی پیشوا کے لئے شرکت ممنوع ہے۔کیونکہ اگر چہ یہ ان امور کو ناپسند رکھتا ہے، لیکن اس کا کم ازکم یہ نقصان ضرور ہوگا کہ اس قسم کی محافل میں دینی پیشوا کی شرکت، عوام کے قلوب سے اس کی عزت وحرمت ختم کروادے گی، نیز حرام کاموں سے نفرت وکراہیت میں یقیناً کمی واقع ہوگی ، نیز فساق وفجار اس شخص کی شرکت کو دلیل بنا کر گناہوں پر مزید دلیر ہو جائیں گے۔

② بارات کے ساتھ جانا ہوگا، جانے والا دینی پیشوا ہے اور ان امور کو پسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

اس صورت میں ماقبل وجوہات ، نیز امورِ ممنوعہ کو پسند کرنے کی بناء پر شرکت حرام ہے۔

③ بارات کے ساتھ جانا ہوگا اور جانے والا عام مسلمان ہے اور ان امور کو ناپسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

ایسی صورت میں اگر کوئی مجبوری نہ ہو، تو ایسے شخص کو بھی شرکت ممنوع ہے۔لیکن اگر رشتہ داروں یا دوستوں یا افسر وغیرہ کی ناراضگی کا خوف ہے اور ساتھ جاتے ہوئے ان ممنوعات سے بچ کر چل سکتا ہے، مثلاً جیسے سب سے پیچھے پیچھے چلنا کہ عموماً ڈھول باجے بارات کے آگے آگے ہوتے ہیں، تو اب شرکت میں حرج نہیں۔

فقہاءِ اسلام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ:

اگر جنازے کے ساتھ رونے پیٹنے والی عورتیں ہوں، تو یہ جنازے کے ساتھ ضرور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جائے، بلکہ حکم یہ ہے کہ اہل قبور کی زیارت بھی ترک نہ کرے، باوجودیکہ وہاں گناہ اور غیر شرعی کام ہو رہے ہوں۔

④ بارات کے ساتھ جانا ہوگا اور جانے والا عام مسلمان ہے اور ان امور کو پسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

امورِ غیر شرعیہ کو پسند کرنے کی بناء پر اس کے لئے بھی شرکت حرام ہے۔
بلکہ اگر یہ شریک نہ ہوتا اور دور رہ کر بھی ان امور کو محبوب رکھتا، تو بھی گناہ میں مکمل شریک تھا۔

⑤ اس گھر میں جانا ہوگا، جہاں بارات ٹھہری ہے اور شرکت کرنے والا دینی پیشوا ہے اور ان امور کو ناپسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

اس میں تین صورتیں ہیں۔ مثلاً:

① اگر ایسا شخص سمجھتا ہے کہ میرے جانے سے ادب واحترام کے تقاضے کے تحت یہ امورِ غیر شرعیہ بند ہو جائیں گے، تو ضرور جائے تاکہ برائیوں کا کم از کم وقتی طور پر خاتمہ تو ہو سکے۔

② اور اگر سمجھتا ہے کہ ان امور کو بنیاد بنا کر انکار کروں، تو میری خاطر داری اتنی مطلوب ہے کہ مجھے لے جانے کے لئے ان امور کو بند کر دیں گے، تو اب انکار کرنا لازم ہے۔ پھر اگر وہ لوگ اس کے انکار کی بناء پر برائیاں بند کرنے پر راضی ہو جائیں، تو جانا ضروری ہے، ورنہ وہ برائیوں میں ضرور ملوث ہو جائیں گے۔ اور اگر نہ مانیں، تو نہ جائے۔

③ اور اگر پہلے سے معلوم نہ تھا، بلکہ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہ منکراتِ شرعیہ موجود ہیں، تو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فوراً اُٹھ آنا واجب ہے۔

④ اس گھر میں جانا ہوگا، جہاں بارات ٹھہری ہے اور شرکت کرنے والا دینی پیشوا ہے اور ان امور کو پسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

ناجائز و حرام ہے۔

⑦ اس گھر میں جانا ہوگا، جہاں بارات ٹھہری ہے اور شرکت کرنے والا عام مسلمان ہے اور ان امور کو ناپسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ اگر منکراتِ شرعیہ گھر کے کسی دوسرے حصے یا کسی دوسرے مکان میں ہیں، تو اب شرکت میں حرج نہیں۔

⑧ اس گھر میں جانا ہوگا، جہاں بارات ٹھہری ہے اور شرکت کرنے والا عام مسلمان ہے اور ان امور کو پسند کرتا ہے۔

شرکت کا شرعی حکم

ناجائز و حرام ہے۔

نیز یہ امر ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مقام پر شرکت کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہاں کسی کی مروت و خاطر داری کا لحاظ ضرور کرنا چاہیے، لیکن جہاں ممانعتِ شرعیہ موجود ہے، وہاں خاطر داری ملحوظ رکھنے اور مروت سے کام لینے کی ہرگز اجازت نہیں۔ [1]

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) بتغیر ما، جلد 24، صفحہ: 135

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شادی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت ہے۔لیکن اس کے لئے تین شرائط ہیں:

① رعایتِ قواعدِ موسیقی پر نہ بجائی جائے۔

② بجانے والے مرد نہ ہوں۔اس میں فاسق وغیر فاسق سب کا حکم یکساں ہے۔

③ بجانے والی عزت دار عورتیں نہ ہوں۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی شرعی مجرم کو پناہ دینا حرام ہے۔

امام مسلم نقل فرماتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا))

''اس پر اللہ کی لعنت ہے کہ جو کسی شرعی مجرم کو پناہ دے۔'' ②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بیوی بچوں کو حرام تماشے دیکھنے کی اجازت دینا گناہ ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

تخت، علم، تعزیے وغیرھا سب ناجائز ہیں اور ناجائز کام کو بطورِ تماشہ دیکھنا بھی حرام۔ اور بچوں کو دکھانے کا گناہ بھی باپ پر ہے اور عورتوں کو ایسے جلسوں میں جانے کی اجازت دینا حرام ہونے کے علاوہ سخت بے حرمتی اور نہات بے حیائی بھی ہے۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 141

② صحیح مسلم، کتاب الاضاحی بتحریم الذبح لغیر اللہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خلاصہ اور درر میں ہے کہ اگر مرد نے اپنی اہلیہ کو ناجائز کام کی اجازت دی، تو میاں بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے۔(خلاصة الفتاویٰ، کتاب النکاح)

اور پھر اس فعل کو باعثِ ثواب سمجھنا گناہ کے علاوہ، فسادِ عقیدہ بھی ہے۔ اللہ ﷻ اس سے محفوظ فرمائے۔ امین [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر مریض علاج نہ کرائے اور اسی بیماری میں مرجائے، تو علاج نہ کروانے کے باعث گناہ گار نہ ہوگا، ہاں اگر کوئی کھانا چھوڑ دے اور مرجائے، تو قابل گرفت ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(یاثم بترك الاكل مع القدرة علیه حتی یموت بخلاف التداوی ولو بغیر محرم فانه لو ترکه حتی مات لا یاثم کما نصوا علیه لانه مظنون)

"یعنی انسان قدرت کے باوجود کھانا ترک کرنے کی وجہ سے مرجائے، تو گناہ گار ہوگا، برخلاف دوائی استعمال کرنے کے، کیونکہ اگر اسے ترک کیا، چاہے حلال ہی کیوں نہ ہو اور مرگیا، تو گناہ گار نہ ہوگا، جیسا کہ اکابرین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، کیونکہ (دوا سے شفاء کا حصول یا اس کے ترک پر موت کا آنا) ایک ظنی شے ہے۔"(کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

طوائف کا علاج کرنا کبھی جائز اور کبھی ممنوع ہوتا ہے۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 173

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس میں اولاً ڈاکٹر کی نیت دیکھی جائے گی۔ اگر اس نے اس نیت سے علاج کیا ہے کہ یہ زناء کے لیئے تیار ہو سکے، تو گناہ گار ہوگا، کیونکہ یہ گناہ پر اعانت و مدد کا ارادہ ہے اور حدیثِ پاک میں ہے، انما الاعمال بالنیات۔ یعنی اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ [1]

اور اگر اس کی نیت یہ نہیں، بلکہ عام طور پر لوگوں کا علاج جس نیتِ محمودہ کے ساتھ کرتا ہے، وہی یہاں بھی کارفرما ہے، تو اس صورت میں اب مرض کی نوعیت دیکھی جائے گی۔

اگر وہ مرض ایسا ہے کہ طوائف کے لیئے سخت تکلیف کا باعث ہے، تو ایسی صورت میں علاج میں قطعاً کوئی حرج نہیں، بلکہ ایک مسلمان کو نفع پہنچانے اور اس سے ایذاء دینے والی شے کو دور کرنے کی بناء پر ثواب کا مستحق ہوگا۔

سید الکونین ﷺ کا فرمان ہے:

((فی کل کبد حراء اجر))

''یعنی ہر جاندار کی نفع رسانی میں ثواب ہے۔'' [2]

اور اگر مرض سے بظاہر کوئی تکلیف نہیں، ہاں اس کی وجہ سے طوائف کا زناء کا کاروبار متاثر ہو رہا ہے، جیسے مقام زناء کا وسیع ہو جانا کہ لذت کی کمی کی بناء پر کاروبار کے سرد ہونے کا سبب واقع ہوگا اور طبیب اس تمام معاملے کو جانتا بھی ہے، تو اب اگرچہ صاحبین (یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے قول کے مطابق یہ گناہ پر مدد کے زمرے میں آئے گا، لیکن امام اعظم کے قول کے مطابق اس صورت میں بھی کوئی گناہ نہیں، جب کہ فقط علاج کی نیت سے علاج کرے، گناہ میں تعاون کا ارادہ نہ ہو، کیونکہ اس کا کام فقط علاج کرنا ہے، گناہ کرنا نہ کرنا، طوائف کا کام ہے اور وہ اپنے افعال و اعمال کی خود ذمہ دار ہے۔ یہ بالکل

---

① بخاری، کتاب کیف بدؤ الوحی

② بخاری، کتاب المساقات

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایسا ہے جیسے کسی مسلمان مزدور کا گرجا تعمیر کرنا یا کسی طوائف کو اپنا مکان کرائے پر دینا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

(لو آجر نفسه يعمل فى الكنيسه اويعمرها الاباس به لانه لامعصية فى عين العمل)

"یعنی اگر کوئی مزدور گرجے کی تعمیر اور آبادی کے لئے کام کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نفس عمل میں کوئی گناہ نہیں۔" (كتاب الحظر والاباحة)

اور ہدایہ، كتاب الكراهية۔ فصل فى الاستبراء میں ہے:

(من آجر بيتاليتخذ فيه بيت نارا وكنيسة او بيعة او يباع فيه الخمر بالسواد فلاباس به وهذاعندابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ)

"یعنی اگر کوئی شخص کرائے پر مکان دے اور وہاں آتش کدہ، گرجا یا کلیسہ بنایا جائے یا وہاں سے عام لوگوں کے لئے شراب فروخت ہونے لگے، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس میں کرائے پر مکان دینے والے کے لئے کوئی حرج نہیں۔"①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی مرض ووباء کو دور کرنے کے لئے اذان دینا، نوافل ادا کرنا، شیرینی پکا کر تقسیم کرنا اور بکرے کے کان میں سورۂ یٰسین وغیرہ پڑھ کر اسے مکان کے چاروں کونوں میں گھمانا اور پھر ذبح کر کے کھا جانا جائز ہے۔

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 178

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

اگر کسی گاؤں میں مرض ہیضہ جاری ہو، تو برائے دفع مرض ہیضہ آج اس میدان، کل اس میدان میں سات بار اذان دے کر بہت سے لوگوں کا جمع ہو کر نماز پڑھنا اور شیرینی یا کھیر پکا کر اللہ کے واسطے، میدان میں لے جا کر کھانا اور بکری کے کان میں سورۃ یٰسین اور سورہ تبارک الذی پڑھ کر دم کر کے مکان کے چاروں طرف چکر دلا کر ذبح کرنا اور سب کو اس کا گوشت کھلانا، کیا یہ باتیں جائز ہیں یا نہیں؟

آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ:

یہ سب امور جائز، قرآن وحدیث سے ثابت، باعثِ برکت وفضیلت اور دافع بلاء ومصیبت ہیں۔ فقط بکری والے مسئلے میں دیکھا جائے گا کہ اگر یہ عمل کسی بزرگ سے ثابت ہے، تو ٹھیک، ورنہ ایک لغو کام ہے، لیکن ناجائز وحرام اب بھی نہیں۔ نیز پڑھی جانے والی نماز اگر جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور نفل ہو، تو مکروہ ہے۔ (اب ان تمام امور پر تفصیلی کلام یہ ہے کہ)

اذان، ذکرِ الٰہی ہے اور اللہ عزوجل کے غضب، اس کے عذاب اور بلاء وغم سے نجات دلوانے والی ذکرِ الٰہی کے برابر کوئی شے نہیں۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾

''سن لو! اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ (رعد: 28)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

((ماعمل آدمی عملاانجیٰ له من عذاب الله من ذکرالله قیل ولاالجهادفی سبیل الله قال ولاالجهادفی سبیل الله الا ان یضرب بسیفه حتی ینقطع))

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی کسی شخص کا کوئی عمل ایسا نہیں، جو اللہ عزوجل کے ذکر سے زیادہ نجات دلوانے والا ہو۔ عرض کی گئی کیا خدا کی راہ میں جہاد بھی نہیں؟ فرمایا: اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد بھی بمقابلہ ذکر کے، زیادہ مفید اور نجات کا باعث نہیں، مگر یہ کہ اپنی تلوار سے (خدا کے دشمنوں پر) اس قدر وار کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔''[1]

اور نظر بد دور کرنے اور بلا کو دفع کرنے کی غرض سے ذکرِ الٰہی کی خاطر جنگل میں جانے کی اصل، نماز استسقاء ہے۔

اور سات کے عدد کو دفع ضرر و آفت میں ایک خاص تاثیر حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال شریف میں فرمایا، مجھ پر سات مشکوں کا سر بستہ پانی ڈالو۔

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

((انه صلى الله عليه وسلم لما دخل بيتى واشتد وجعه قال اهريقوا على من سبع قرب لم تحلل اوكيتهن لعلى اعهد الى الناس))

''یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے، تو آپ کے مرض میں شدت پیدا ہوگئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، مجھ پر سات ایسے مشکیزوں کا پانی بہاؤ کہ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں (یعنی سربستہ مشکیزے ہوں) شاید میں لوگوں سے کوئی عہد لوں۔''[2]

اور مواہب شریف میں ہے:

(وقد قيل فى الحكمة فى هذا العددان له خاصية فى دفع

---

① المعجم الاوسط، حدیث: 2317.

② کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ضرر السم والسحر)

''کہا گیا کہ اس سات کے عدد میں حکمت اور راز یہ ہے کہ اس کو زہر اور جادو کا نقصان زائل کرنے میں خاص تاثیر حاصل ہے۔'' (المقصد العاشر۔الفصل الاول)

شرح زرقانی میں فتح الباری سے ہے:

(وقدثبت حديث من تصبح بسبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سم ولا سحر وللنسائی فی قراء ة الفاتحة على المصاب سبع مرات وسنده صحيح ولمسلم القول لمن به وجع اعوذبعزة الله وقدرته من شر مااجدواحاذر سبع مرات وفی النسائی من قال عندمريض لم يحضراجله اسال الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك سبع مرات)

''یعنی حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھالے، تو اسے اس دن زہر اور جادو سے نقصان نہ پہنچے گا۔ نسائی شریف میں ہے کہ مصیبت زدہ پر سات مرتبہ فاتحہ پڑھی جائے۔ اس کی سند صحیح ہے۔''

مسلم شریف میں ہے کہ:

جس کو درد لاحق ہوا، اس پر یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے جائیں، اللہ عزوجل کی عزت اور اس کی قدرت سے پناہ لیتا ہوں، اس کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں۔

سنن نسائی میں ہے کہ:

''جو کسی ایسے مریض کے پاس کہ جس کے لئے موت مقدر نہ ہو چکی ہو، ان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الفاظ سے سات مرتبہ دعا کرے، تو وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ (وہ الفاظ یہ ہیں) میں اللہ عظمت والے سے سوال کرتا ہوں، جو بڑے عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفاء عطا فرمائے۔"[1]

اور جماعت میں برکت ہے اور مسلمانوں کا جمع ہو کر دعا کرنا، قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جہاں چالیس نیک مسلمان جمع ہوں، ان میں ایک ولی ضرور ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

((اذا شهدت امة من الامم وهم اربعون فصاعدا اجاز الله تعالیٰ شهادتهم))

"یعنی جب کوئی جماعت حاضر ہو اور وہ چالیس افراد ہوں یا اس سے زیادہ ہوں، تو اللہ عزوجل ان کی شہادت کو جائز (یعنی درست) قرار دیتا ہے۔"[2]

تیسیر جامع صغیر میں فرمایا:

(قيل وحكمة الاربعين انه لم يجتمع هذا العدد الا وفيهم ولي)

"کہا گیا ہے کہ چالیس کے عدد میں حکمت یہ ہے کہ یہ تعداد جب بھی پوری ہوگی، تو ان میں کوئی نہ کوئی ولی ضرور ہوتا ہے۔" (تیسیر جامع صغیر، حرف الھمزہ)

جو نماز ادا کی جاتی ہے، اگر باجماعت ہے، تو فرض ہونی چاہیے، کیونکہ نفل نماز جمع ہو کر باجماعت، جماعتِ کثیرہ کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں،

---

① شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه، المقصد العاشر، الفصل الاول

② المعجم الکبیر، حدیث: 503.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

توبالاتفاق اور اگر چار سے کم ہوں، تو مرجوح قول کے مطابق اس میں کراہت ہے۔ [1]

درمختار میں ہے:

(التطوع بجماعة يكره لوعلى سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحدكمافى الدرر)

''نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہیں، بشرطیکہ تداعی کے ساتھ ہوں، یعنی اس طریقے سے کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں۔'' (کتاب الصلوة، باب الوتروالنوافل)

ردالمحتار میں ہے:

(اما اقتداء واحدبواحداواثنين بواحد فلايكره وثلثة بواحد فيه خلاف)

''بہر حال ایک کا ایک کی اقتداء کرنا یا دو کا ایک کی اقتداء کرنا، مکروہ نہیں اور تین کا ایک کی اقتداء کرنے میں اختلاف ہے۔'' (کتاب الصلوة، باب الوتروالنوافل)

طحاوی علی مراقی الفلاح میں، ردالمحتار کے اسی قول کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا، والاصح عدم الکراہۃ۔ یعنی زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس میں بھی کراہت نہیں۔ (فصل فی بیان النوافل)

شیرینی یا کھانا، فقراء کو کھلائیں تو صدقہ ہے، رشتہ داروں کو تو صلہ رحمی اور اگر دوست

---

[1] یہاں کراہت سے مراد، کراہت تنزیہی ہے، اور کسی مکروہ تنزیہی کا ارتکاب گناہ نہیں۔ اس جماعت کی جوازی صورت اور مکمل تفصیل کے لئے امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا بہترین فتویٰ بنام ''نفل کی جماعت'' کرنا کیسا؟ مفتی محمد اکمل مدظلہ العالی کی تشریح وتسہیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں)۔ ادارہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

احباب کو، تو ضیافت ہے اور یہ تینوں باتیں رحمت کے نزول کا سبب اور مصیبت و بلاء کو دور کرنے والی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

((ان الصدقة وصلة الرحم يزيدالله بهمافى العمرويدفع بهماميتةالسوء ويدفع بهماالمكروه والمحذور))

"یعنی بے شک اللہ عزوجل صدقہ اور صلہ رحمی کے ذریعے عمر بڑھاتا اور بری موت، ناپسندیدہ چیزوں اور اندیشوں کو دور کرتا ہے۔"[1]

ابوالشیخ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الضيف ياتي برزقه ويرتحل بذنوب القوم يمحص عنهم ذنوبهم))

"مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور کھلانے والے کے گناہ لے کر جاتا ہے اور ان کے گناہ مٹا دیتا ہے۔"[2]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

(لان اجمع نفرامن اخوانی علی صاع او صاعين من طعام احب الی من ادخل سوقكم فاشتری رقبة فاعتقها)

"ضرور مجھے اپنے بھائیوں میں سے ایک گروہ کو جمع کر کے ایک یا دو صاع کھانا کھلانا، اس سے زیادہ پسند ہے کہ تمہارے بازار میں جاؤں اور ایک غلام خرید کر آزاد کر دوں۔" (الادب المفرد۔ باب 255۔ حدیث 566)

---

① مسند ابی یعلیٰ، حدیث: 4090۔

② کشف الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ، حدیث: 1641۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یہی معاملہ بکری ذبح کر کے کھلانے کا ہے، مگر تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ جان کا صدقہ دینا، زیادہ نفع رکھتا ہے۔

اور قرآن کا شفاء و برکت کا سبب ہونا اور بلاء و مصیبت کو دور کرنے والا ہونا، خود قرآن سے ثابت ہے۔ خصوصاً یٰسین شریف کہ حاجات کی تکمیل اور دعاؤں کی مقبولیت کے لئے اس کا پڑھنا بارہا کا تجربہ شدہ ہے۔

رہا بکری کے کان میں پھونکنا اور اسے مکان کے گرد پھرانا، اگر کسی قابل اعتماد نیک بندے کے قول سے ثابت ہو، تو مشائخ عظام کے اعمال کے قبیلے سے شمار کیا جائے گا (لہٰذا حرج نہیں)، ورنہ ایک بے کار کام ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مرتد کے علاوہ، دیگر کفار سے موالات منع اور معاملات چند شرائط کے ساتھ جائز ہیں۔

اولاً یاد رکھئے کہ:

موالات کا مطلب دوستی و محبت کا رشتہ قائم کرنا ہے۔ مثلاً کفار کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور دیگر میل جول رکھنا وغیرھا۔ جب کہ معاملات سے، خرید و فروخت، کوئی چیز کرائے پر لینا دینا، ان کی نوکری کرنا یا انہیں نوکر رکھنا وغیرھا مراد ہیں۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

موالات اور محض معاملہ کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیوی معاملت جس سے دین کو ضرر نہ پہنچے، سوائے مرتدین کے، کسی سے ممنوع نہیں۔

---

[1] ماخوذ از فتاوی رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 181

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جو کفار، مملکتِ اسلامیہ میں رہنے کا جزیہ (ٹیکس) دیتے ہیں اور جس کے بدلے میں حاکم اسلام انہیں امن فراہم کرتا ہے، وہ ذمی کہلاتے ہیں۔ ان سے تو تمام وہ معاملات کرنے جائز ہیں، جو ایک مسلمان سے کئے جاسکتے ہیں۔

اور غیر ذمی سے بھی خرید و فروخت، کرائے پر کسی شے کے لینے دینے، انہیں نوکر رکھنے یا ان کی نوکری کرنے، انہیں تحفہ دینے اور ان سے تحائف قبول کرنے بھی جائز ہیں، لیکن اس میں چند امور کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

① ان سے جو مال خریدیں، ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے نزدیک ''مُتَقَوِّم'' ہو۔[1]

② ان کو بیچی جانے والی چیز میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

* بیچی جانے والی چیز جنگی آلات اور جنگی آلات بنانے میں مددگار مواد، نہ ہو۔
* اس چیز کو بیچنے میں اسلام کی توہین کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔

③ انہیں کسی خلافِ شرع کام پر نوکر نہ رکھیں۔

④ ان کی نوکری کریں، تو فقط وہی کہ جس میں کام جائز ہو اور مسلمان کی ذلت کا باعث نہ بنے۔

⑤ یونہی ان سے اجرت پر کوئی کام لیں یا ان کا کوئی کام کریں، تو کام کا جائز ہونا ضروری ہے۔

⑥ انہیں تحفہ دیں، تو کوئی مصلحتِ شرعیہ ملحوظ ہونی چاہیے، نیز اس سے ان کی کفریہ رسم کے

---

[1] مال متقوم کی تعریف یوں کی جاتی ہے، (المال الذی یمکن الانتفاع به) یعنی وہ مال جس سے نفع اٹھانا جائز و ممکن ہو (معجم لغة الفقهاء۔ص 397)۔ بعض مال ایسے ہوتے ہیں، جو مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں کے نزدیک متقوم ہیں۔ جیسے کپڑے و برتن وغیرھا۔ اور بعض مسلمانوں کے نزدیک مال غیر متقوم، لیکن کفار کے نزدیک متقوم ہیں، جیسے شراب اور خنزیر۔ جب کہ بعض دونوں کے نزدیک غیر متقوم ہیں، جیسے نجاستیں۔ ۱۲ منہ

لئے تعظیم کا پہلو نہ نکلتا ہو۔

⑦ ان سے تحفہ قبول کریں، تو خیال رکھنا کہ دین پر اعتراض کا سبب نہ بنے۔

⑧ وہ صلح کی جانب جھکیں، تو مصالحت کی جائے، لیکن اس میں خیال رکھیں کہ کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا لازم نہ آئے۔

⑨ ان سے جو بھی معاہدہ کریں، اسے پورا کرنا فرض اور انہیں دھوکہ دینا حرام ہے۔[1]

محیط میں ہے:

(اذا اراد الخروج للتجارة الی ارض العدو بامان فان کان امیرا لایخاف علیه منه وکانوا قوماًیوفون بالعهد یعرفون بذلك وله فی ذلك منفعة فلاباس بان یعصیها)

"جب (کوئی مسلمان) دشمن کے ملک میں اجازت نامہ لے کر پرامن طور پر کاروبار کے لئے جائے۔ پھر اگر اس ملک کا امیر ایسا ہو کہ اس سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ لوگ وعدہ بھی پورا کرتے ہوں، بلکہ ایفائے عہد میں مشہور و معروف ہوں اور اس جانے اور سفر میں اس کا ذاتی فائدہ بھی ہو، تو جانے میں کوئی مضائقہ و حرج نہیں۔"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارة لم یمنع ذلك منه وكذلك اذا اراد حمل الامتعة الیهم فی البحر فی السفینة)

---

[1] فتاویٰ عالمگیری۔ کتاب السیر۔ الباب الاول

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"جب کوئی مسلمان دارِ حرب[1] میں امان لے کر تجارت کی غرض سے داخل ہو، تو اسے اس سفر سے نہ روکا جائے اور یہی حکم اس شخص کا ہے، جو کسی بحری بیڑے میں سامان لاد کر ان کی جانب جانا چاہے۔[2]

اسی میں ہے:

(قال محمد لاباس بان یحمل المسلم الی اھل الحرب ماشاء الاالکراع والسلاح فان کان خمرامن ابریسم اوثیابارقاقامن القزفلاباس بادخالھاالیھم ولاباس بادخال الصفروالشبہ الیھم لان ھذالایستعمل للسلاح)

"امام محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا: مسلمان اہل حرب کی طرف جو کچھ اٹھا کر لے جانا چاہے، لے جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر یہ کہ گھوڑے اور ہتھیار نہ لے جائے (کیونکہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد دینے والی اشیاء ہیں) پھر اگر خالص ریشم یا سنہری باریک کپڑے ہوں، تو انہیں وہاں لے جانے میں حرج نہیں۔ نیز سونا، پیتل اور ان جیسی اشیاء کے وہاں لے جانے میں بھی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ اشیاء (غالباً) ہتھیاروں کے لئے استعمال نہیں کی جاتی ہیں۔" (کتاب السیر، الباب السادس)

اسی میں ہے:

(لا یمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر)

---

① دارِ حرب، اس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کو اپنی کوئی بھی عبادت اعلانیہ طور پر کرنے کی قطعی آزادی نہ ہو۔ نہ ہی آزادانہ مذہبی شعار قائم کر سکتے ہوں۔ ۱۲ منہ

② فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، الباب السادس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''خچر، گدھے، بیل اور اونٹ لے جانے سے مسلمان کو نہ روکا جائے گا۔''
(کتاب السیر۔الباب السادس)

فتاویٰ امام طاہر بخاری میں ہے:

(مسلم آجر نفسه من مجوسی لاباس به)

''اگر کوئی مسلمان، کسی مجوسی کی نوکری کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''
(خلاصة الفتاویٰ۔کتاب الاجارات۔الفصل العاشر)

ہدایہ میں ہے:

(من ارسل اجیراله مجوسیااوخادمافاشتری لحمافقال اشتریته من یهودی اونصرانی اومسلم اکله)

''اگر کسی مسلمان نے اپنا آتش پرست مزدور یا خادم بھیجا، پھر اس نے گوشت خریدا (پوچھنے پر بتایا کہ) میں نے یہ یہودی یا عیسائی یا مسلمان سے خریدا ہے (تو اس کے قول کو سچا سمجھ کر) وہ گوشت کھایا جائے گا۔''
(کتاب الکراهیة۔فصل فی الاکل والشرب)

درمختار میں ہے:

(الکافریجوزتقلیده القضاء لیحکم بین اهل الذمة)

''اہل ذمہ پر حکم دینے میں کافر کے فیصلے کی تقلید اور اتباع جائز ہے۔''
(کتاب القضاء)

محیط میں ہے:

(قال محمدمایبعثه ملك العدومن الهدیة الی امیرجیش المسلمین اوالی الامام الاکبروهومع الجیش فانه لاباس بقبولهایصیرفیئاللمسلمین وکذلك اذااهدی ملکهم الی

قائد من قوادالمسلمین له منعة ولوكان اهدی الی واحدمن كبارالمسلمين ليس له منعة يختص هوبها)

"امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: دشمن کا بادشاہ، اسلامی لشکر کے امیر یا امیر اکبر کو، جب کہ وہ لشکر کے ساتھ ہی ہو، کوئی تحفہ وہدیہ بھیجے، تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں اور وہ مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوگا۔ یونہی ان کا بادشاہ مسلمانوں کے کسی ایسے قائد کو تحفہ بھیجے کہ جس میں قوت وزور ہو (تو اسے بھی لے لینے میں کوئی حرج نہیں) اور اگر وہ مسلمانوں کے کسی بڑے فرد کو کوئی ہدیہ بھیجے کہ جس میں قوتِ دفاع نہ ہو، تو وہ اسی فرد کے ساتھ خاص ہوگا۔"[1]

اسی میں ہے:

(لوان عسكرامن المسلمين دخلوادارالحرب فاهدی اميرهم الی ملك العدوهدية فلاباس به وكذلك لوان امير الثغور اهدی الی ملك العدوهدية واهدی ملك العدواليه هدية)

اگر اسلامی لشکر، دارالحرب میں داخل ہو، پھر ان کا امیر، دشمن کے حکمران کو کوئی ہدیہ پیش کرے، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور اگر اسی طرح اسلامی سرحد کا امیر، دشمن کے بادشاہ کو کوئی ہدیہ پیش کرے (تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں)۔

(کتاب السیر، الباب السادس)

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

---

① فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، الباب السادس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾

''یعنی اور اگر وہ صلح کی جانب مائل ہوں، تو تم بھی اس جانب مائل ہو۔''

(انفال: 61)

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○﴾

''یعنی سوائے ان مشرکوں کے کہ جن سے تمہارا کوئی معاہدہ تھا، پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ کی، نہ ہی تمہارے مقابل کسی کی کوئی مدد کی، تو ان کا عہد مقررہ مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ، متقین کو محبوب رکھتا ہے۔''(توبہ: 4)

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○﴾

''یعنی اور وعدہ پورا کرو، بے شک وعدے کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

(بنی اسرائیل: 34)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے:

((الصلح جائز بين المسلمين الاصلحا احل حراما او حرم حلالا))

''مسلمانوں کے درمیان، صلح جائز ہے۔ مگر وہ صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو

حرام ٹھہرائے (جائز نہیں)۔"[1]

اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لا تغدروا)) "(لوگو!) دھوکے بازی نہ کرو۔"[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حرام مال سے کیا ہوا حج، کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔

سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جو شخص مال حرام سے حج کو جائے، تو جب لبیک کہتا ہے، تو ایک فرشتہ اسے جواب دیتا ہے کہ:

لالبيك ولاسعديك وحجك مردود عليك حتى تردمافى يديك.

نہ تیری لبیک قبول، نہ ہی خدمت اور تیرا حج تیری طرف لوٹا دیا گیا، یہاں تک کہ تو اپنے قبضے میں موجود مال حرام واپس کر دے۔"[3]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی صاحب وقعت وعزت کے لئے توہین کے الفاظ ادا کرنا، کبھی جائز اور کبھی حرام ہوتے ہیں۔

---

① المعجم الکبیر، حدیث: 30.

② مسند امام احمد، عن بریدہ اسلمیص (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 329)

③ کنز العمال، حدیث: 11891.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پوچھا گیا: ایک شخص معزز و باوقعت ہے اور علم بھی رکھتا ہے اور نماز و روزے کا پابند بھی ہے۔ اس کے بارے میں چند معزز اشخاص نے حکامِ اعلیٰ کے روبرو کہ جو اس شخص کو باوقعت سمجھتے تھے، کہا کہ وہ تو قوم کا جولاہا ہے۔ یہ کہنا کیسا ہے اور ایسا کہنے والا گناہ گار ہے یا نہیں؟ اگر ہے، تو کس درجے کا گناہ ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب ارشاد فرمایا:

اگر وہ شخص حقیقت میں قوم کا جولاہا نہیں، تو ان لوگوں کا یہ کہنا، جھوٹ و الزام تراشی ہوئی، نیز مسلمان کو ناحق تکلیف پہنچانا بھی لازم آیا، چنانچہ ایسا کہنے والا متعدد کبائر کا مرتکب، حق العبد میں گرفتار ہوا، مستحق عذابِ نار ہوا۔ اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اس شخص سے اپنی غلطی کی معافی مانگے۔ ورنہ طینۃ الخبال میں روکا جائے گا، یہاں تک کہ جو بات کہی اس کا ثبوت لائے اور جب یہ بات خلاف واقع ہو، تو ثبوت کہاں سے لائے گا؟ طینۃ الخبال، اس آگ سے زیادہ گرم اور کھولتے ہوئے پیپ اور خون کی نہر کا نام ہے، جو دوزخیوں کے زخموں سے لے کر جمع ہو گی۔

اور اگر وہ شخص واقعی میں جولاہا تھا، مگر اس بات کو ظاہر کرنے کی اس وقت کوئی شرعی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف مسلمان بھائی کو تکلیف دینا اور اس کو ذلت میں مبتلاء کرنا، پیش نظر تھا، جب بھی یہ شخص گناہ گار ہوا، توبہ کرنا اور اس سے معافی طلب کرنا اب بھی فرض رہے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((من اذی مسلما فقد اذانی و من اذانی فقد اذی اللہ))

''جس نے کسی مسلمان کو بلا وجہِ شرعی ایذاء دی، اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی، اس نے اللہ عزوجل کو ایذاء دی۔''[1]

---

[1] کنز العمال، حدیث: 43703.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر اس کے اظہار میں کوئی مصلحتِ شرعی تھی اور بات بھی حقیقت پر مشتمل تھی، تو اب کہنے والے پر کوئی الزام نہیں۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی سید زادے کی سید ہونے کی وجہ سے توہین وتحقیر کرنا، کفر، ورنہ حرام ہے۔

پوچھا گیا:

کسی سید کو صحیح النسب سید نہ کہنا، بلکہ اس کو ناجائز پیشہ وروں (میراثی وغیرہ) سے مثال دینا کیسا ہے؟ اور اس مثال دینے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور سید کی بے توقیری کرنے والا گمراہ بدمذہب ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

((ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبى مستجاب الزائد فى كتاب الله والمكذب بقدرالله والمستحل من عترتى ماحرم الله))

"یعنی چھ شخص ہیں، جس پر میں نے لعنت کی اور اللہ عزوجل نے لعنت کی اور ہر اس نبی نے جس کی دعا قبول کی جاتی ہے (ان میں سے ایک) اللہ عزوجل کی کتاب میں (اپنی طرف سے) زیادتی کرنے والا (دوسرا) اللہ عزوجل کی تقدیر کا انکار کرنے والا (اور تیسرا) وہ شخص جو میری اولاد کے لئے اس چیز کو حلال رکھے، جسے اللہ عزوجل نے حرام فرمایا ہے۔"[2]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 329

[2] ترمذی، کتاب القدر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

((من لم یعرف حق عترتی فلاحدی ثلث امامنافق واما ولد زانية واماحملته امه على غير طهر)) ۔

"جو میری اولاد کا حق نہ پہچانے، وہ تین باتوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو منافق ہوگا یا حرامی ہوگا یا اس کی ماں نے اس کا حمل حالتِ حیض میں ٹھہرایا ہوگا۔ (یعنی حالتِ حیض میں حرام وطی سے اس شخص کا حمل ٹھہرا ہوگا)۔"[1]

مجمع الانہر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر انواع میں ہے:

(من قال لعالم عويلم اولعلوى عليوى استخفافا فقد كفر)

"جو کسی عالم کو مولویا یا سید کو میروا، اس کی تحقیر کے لئے کہے، وہ کافر ہے۔"

اور اس میں شک نہیں کہ جو سید کی توہین وتحقیر، اس کے سید ہونے کی وجہ سے کرے، وہ مطلقاً کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے، ورنہ مکروہ (یعنی اگر سید ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ کوئی اور وجہ پیش نظر ہے، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی)۔

اور جو سید مشہور ہو، اگر چہ اس کا واقعی سید ہونا معلوم نہ ہو، اسے بلا دلیل شرعی کہہ دینا کہ یہ صحیح النسب نہیں، صاف گناہِ کبیرہ ہے، بشرطیکہ وہ سید شرائطِ قذف۔[2] رکھتا ہو اور ایسا کہنے والا اَسی (80) کوڑوں کا سزاوار اور اس کے بعد اس کی گواہی ہمیشہ کے لئے مردود ہوگی۔

---

① کنز العمال، حدیث: 34199۔

② تہمت لگانے والا سزا کا مستحق اس وقت ہوگا کہ جس پر تہمت لگائی، اس میں چند شرائط پائی جائیں۔ ① مسلمان ہو ② عاقل ہو ③ بالغ ہو ④ آزاد ہو ⑤ نیک و پارسا ہو ⑥ یہ شخص، تہمت لگانے والے کا نہ بیٹا ہو، نہ ہی پوتا ⑦ گونگا نہ ہو ⑧ خصی نہ ہو ⑨ اس کا عضو تناسل جڑ سے کٹا نہ ہو ⑩ اس نے نکاح فاسد کے ساتھ وطی نہ کی ہو)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر شرطِ قذف نہ پائی جائے، تو کم از کم بلاوجہِ شرعی مسلمان کو تکلیف دینا، تو پایا گیا اور یہ بھی حرام ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِيْناً ○﴾

"اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بغیر ان کے کسی قصور کے ستاتے ہیں، تو بے شک انہوں نے بہتان اور واضح گناہ کا وبال اٹھایا۔"

(احزاب: 58)

اور رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

((من اذى مسلما فقد اذانى ومن اذانى فقد اذى الله))

"جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہِ شرعی ایذاء دی، اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی، اس نے اللہ عَزَّوَجَلَّ کو ایذاء دی۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بدن گودوانا حرام ہے۔ نیز اگر گھر والوں کو حرام کام سے روکا اور وہ نہ رکیں، تو وبال انہیں پر ہے اور اگر بالکل نہ روکا، تو سرپرست قابل گرفت ہے۔

سوال ہوا کہ:

ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہے، نماز روزے کا پابند ہے، سنا ہے کہ اس کے گھر کی عورتیں گودنا گودتی ہیں، مگر نو مسلم اس کا انکار کرتا ہے کہ اب کچھ بھی نہیں ہے (یعنی زمانہ کفر

---

[1] کنز العمال، حدیث: 43703 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 341)

KUFIUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں تھا، اب نہیں ہے) ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کچھ لوگ اس کے ساتھ میل جول سے منع کر رہے ہیں، وہ درست ہیں یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

بدن گودوانا، شرعاً حرام ہے اور مسلمان پر بدگمانی اس سے بڑھ کر حرام۔ جب وہ شخص انکار کرتا ہے اور کوئی ثبوتِ شرعی کافی نہ ہو (مثلاً: دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی یا خود اس یا اس کے گھر والوں کا اقرار کرنا)، تو محض بدگمانی کی بناء پر اسے ذلیل سمجھنا اور اس کی توہین کی کوشش کرنا، سخت حرام ہے۔

ہاں اگر ثبوتِ شرعی سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ فعل اس کے ہاں ہوتا ہے، تو اب دو صورتیں ہیں:

① یہ شخص اس فعل پر قطعاً راضی نہیں، انہیں منع کرتا ہے اور اپنی طاقت وقدرت کے مطابق اس کا بندوبست کرتا ہے، لیکن عورتیں نہیں مانتیں، تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی الزام نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ "اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان، دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔" (انعام: 164)

② اور اگر شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے کہ وہ شخص اس فعل قبیح پر راضی ہے، تو بلاشبہ لائق ملامت اور قابل ترک ہے، کیونکہ ایسی صورت میں یہ محض ایک گناہ نہیں، بلکہ اس سے کفر کی بو آتی ہے کہ ابھی تک انہیں زمانہ کفر کی ناپاک عادتوں پر قائم ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

رشتہ داروں سے قطع تعلق کے گناہ سے بچنے کے لئے ظاہراً جھوٹ، لیکن حقیقۃً سچی بات کہنا جائز ہے۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 343

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سوال ہوا کہ:

زید کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں، ایک سگی بہن ہے۔ تایا بھی حیات ہے۔ لیکن اس کی بہن اور تایا میں سخت رنجش پیدا ہو گئی ہے۔ زید کی شادی کا وقت آیا، تو بہن نے اسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ تایا کو ہرگز نہ بلایا جائے۔ اب اگر زید تایا کے رشتے کا احترام کرتے ہوئے اسے بلائے، تو بہن کے قلبی صدمے کا سبب ہے اور نہ بلائے، تو قطع رحمی لازم آتی ہے، زید کو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

بہن اور تایا، دونوں ذی رحم محرم ہیں، کسی سے قطع تعلق کرنا جائز نہیں۔ اسے چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو، اپنی بہن کو راضی رکھے اور تایا کو بھی بلائے۔ اس کا طریقہ یہ کرے کہ کسی خط یا آدمی کے ذریعے تایا کو شادی کی دعوت دے دے۔ اور یہاں بہن سے کہے کہ مجھے تیری ہر طرح خاطر مطلوب ہے، میں تایا کو نہ بلاؤں گا، لیکن اتنا ضرور کرنا کہ اگر وہ خود آجائیں، تو پھر مجھ سے ہرگز ناراض نہ ہونا۔ کیونکہ بہر حال وہ میرے اور تیرے باپ کی جگہ ہیں۔ اگر شادی میں غیر آدمی آجائے، تو اس کو بھی باہر نکال دینا بے تہذیبی ہوتی ہے، نہ کہ باپ کو۔

یہاں "میں تایا کو نہ بلاؤں گا" سے مراد یہ لے کہ "میں انہیں خود بلانے نہ جاؤں گا، اگرچہ خط یا کسی آدمی کے ذریعے بلا لوں۔

اور "وہ خود آجائیں" سے مراد یہ لے کہ "وہ اپنے پاؤں سے چل کر آئیں، میں انہیں اٹھا کر نہ لاؤں گا۔

غرض پہلودار بات کہہ کر دونوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرے۔ پہلودار بات سے مراد ایسی بات ہے کہ جس کا ظاہر جھوٹ اور مراد لیا جانے والا معنی سچ ہو۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((ان فی المعاریض لمندوحة عن الكذب))

"بے شک اشاروں، کنایوں میں گفتگو کرنے میں جھوٹ سے آزادی ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بزرگانِ دین کے عرس میں آتش بازی کرنا، بلاسبب بہت زیادہ روشنی کرنا اور کھانا لٹانا ممنوع ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں امورِ مذکورہ کے بارے میں سوال ہوا، تو ارشاد فرمایا:

آتش بازی اسراف ہے اور اسراف حرام۔ کھانے کا ایسا لٹانا بے ادبی ہے اور بے ادبی محرومی ہے۔ نیز یہ مال کو ضائع کرنا ہے اور مال کا ضائع کرنا بھی حرام۔ روشنی اگر شرعی مصلحتوں سے خالی ہو، تو وہ بھی اسراف ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

جان بوجھ کر کسی ظالم کی مدد کرنا سخت حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من مشى مع ظالم ليعينه وهويعلم انه ظالم فقدخرج

---

① السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الشهادات، باب المعاريض (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 344)

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 112

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

من الاسلام))

''جو جان بوجھ کر کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے کو چلا، بے شک وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔''①

kutubistan.blogspot.com

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مظلوم کی مدد پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرنا، دنیا وآخرت میں ذلت کا سبب بنتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((من اغتیب عنده اخوه المسلم فلم ینصره وهو یستطیع نصره ادرکه الله تعالیٰ فی الدنیا و آلاخرة))

''جس کے سامنے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور یہ اس کی مدد پر قادر ہو (اس طرح کہ غیبت کرنے والے کو اس سے روک دے)، لیکن پھر بھی نہ کرے، تو اللہ ﷻ اسے دنیا وآخرت دونوں میں ذلیل کرے گا۔''②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

نابالغ بچے، غیر شادی شدہ لڑکی اور کمائی پر قدرت نہ رکھنے والے بالغ بیٹے کا نان نفقہ

---

① المعجم الکبیر للطبرانی (نوٹ: یہاں اسلام سے خارج ہونے سے مراد اس کا کافر ہونا نہیں، کیونکہ کفر وشرک کے علاوہ کسی بھی گناہِ کبیرہ سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ فقط اس گناہ کی شدت کا بیان مقصود ہے۔ہاں اگر کوئی اسے حلال وجائز سمجھ کر ایسا کرے، تو اب ظاہری معنی اخذ کرنا درست ہو سکتا ہے)۔

② رسائل ابن ابی الدنیا، حدیث: 108 (نوٹ: بظاہر یہ حدیث، مسئلہ غیبت کے ساتھ خاص نظر آتی ہے، لیکن فقہاءِ اسلام نے اسے ہر مظلوم کے ساتھ عام رکھا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رضویہ، جلد 24، ص 347)۔۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

باپ پر لازم ہے، نہ دے گا، تو گناہ گار ہوگا۔ یونہی ان کے مرجانے پر کفن بھی باپ پر لازم ہے۔ لیکن علاج معالجہ کروانا اس صورت میں بھی باپ پر لازم نہیں۔

سوال کیا گیا:

اگر کوئی شخص اپنی اولاد سے قطع تعلق رکھے، ان کی بیماری میں عیادت کو نہ جائے، نہ ہی علاج معالجے کے لئے خرچہ دے، نہ نان نفقہ کی فکر رکھے، ان کے مرجانے کے بعد جنازے میں شریک نہ ہو، نہ ہی کفن دفن کا انتظام کرے، جب کہ یہ شخص وعظ ونصیحت بھی کرتا ہے، اس کے لئے کیا شرعی حکم ہوگا؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اگر اس اولاد کا نان نفقہ باپ پر لازم تھا، مثلاً نابالغ بچہ یا غیر شادی شدہ لڑکی یا جوان لڑکا کہ کچھ کمانے پر قادر نہیں، ان کو نان نفقہ نہ دیا، تو سخت شدید گناہ میں مبتلاء ہے۔

اور اگر شرعاً باپ پر نفقہ لازم نہ تھا، اس طرح کہ لڑکی شادی شدہ ہے یا بالغ لڑکا، کمائی پر قادر ہے، تو اب نان نفقہ نہ دینے پر کچھ وبال نہیں۔

اور علاج ودوا تو کسی پر واجب نہیں، خود اپنی واجب نہیں، تو دوسرے کی کیا واجب ہوگی؟

نیز اگر اولاد نافرمان ہے اور اس سے باز نہیں آتی یا معاذ اللہ بدمذہب ہوجائے اور ان وجوہات کی بناء پر باپ انہیں چھوڑ دے، تو اب باپ پر کچھ مؤاخذہ نہیں کہ یہ قطع رحم، اولاد کی جانب سے ہے، باپ کی طرف سے نہیں، وبال اولاد پر ہوگا۔

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک قابل اعتراض لفظ نکل جانے پر اپنے ایک صاحبزادے سے عمر بھر کلام نہ فرمایا تھا۔

یونہی حضرت مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادے نے حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کی۔ چنانچہ اس کے مرنے پر آپ، بیٹے کے جنازے میں شریک نہ ہوئے

تھے۔ہاں اگر اولاد قصوروار نہیں،تو باپ پر قطع رحم کا وبال عظیم ہے۔
کفن نہ دینے کی وہی دو صورتیں ہیں، جو نان نفقہ کے سلسلے میں بیان کی گئیں یعنی اگر ان کا نان نفقہ باپ پر تھا اور اس نے کفن نہ دیا،تو گناہ گار ہوا اور نہ تھا،تو کفن نہ دینے کا کچھ الزام نہیں۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی ضرر والی بات کی جانب مجبور کرنے کے لئے خدا اور سول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دینا گناہ ہے۔
امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:
خدا ور سول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دینا ان باتوں میں ہوتا ہے، جن میں ضرر نہ ہو اور دوسرے کی ضرر کی بات پر واسطہ دیا جائے،تو وہ واسطہ دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی دوسرے کی ایذاء رسانی پر صبر ہی بہتر ہے۔بہر حال اگر کوئی بدلہ لینا چاہے،تو فقط اتنا ہی لے سکتا ہے، جتنا سامنے والے نے تکلیف پہنچائی، زیادتی کرے گا،تو گناہ گار ہوگا۔
کسی نے پوچھا:
ایک شخص زید کے مکان پر قبضے کے لئے اس پر تعویذ و جادو ٹونہ کرواتا رہتا ہے، جس سے زید سخت تکلیف محسوس کرتا ہے، لیکن صبر کرتا رہتا ہے۔اب سنا ہے کہ وہ شخص زید کی

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 348
[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 349

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جان لینا چاہتا ہے، چنانچہ زید مزید تکالیف برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا، اب زید بھی یہی چاہتا ہے کہ میں اسے بھی تکلیف میں مبتلاء کروں، شریعت اس کی کہاں تک اجازت دیتی ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

زید کے لئے تکلیف پہنچانے کے ارادے کے ساتھ، تکلیف پہنچانا ممنوع ہے۔ ہاں اپنے بچاؤ کی تدبیر کر سکتا ہے۔

لیکن اگر کسی طرح ثابت ہو جائے کہ اس شخص کو تکلیف پہنچائے بغیر اس کا بچاؤ ممکن نہیں، تو اس وقت صرف اتنا عمل کر سکتا ہے کہ جس سے اپنا بچاؤ ممکن ہو جائے۔

تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ لے سکتا ہے، لیکن فقط اتنا جتنا اس نے تکلیف پہنچائی اگر اس سے زیادہ کرے گا، تو ظالم قرار پائے گا۔ اور اگر صبر کرے، تو بہت بہتر ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کبھی وعدہ پورا کرنا فرض اور کبھی نہ کرنا فرض ہوتا ہے۔ نیز کبھی وعدہ خلافی سے انسان گناہ گار ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ:

جس چیز کا وعدہ کیا، اگر وہ کام شریعت کی جانب سے فرض یا واجب تھا، جیسے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کا وعدہ کرنا، تو اب وعدہ پورا کرنا بھی فرض یا واجب اور اس کا خلاف کرنا حرام یا مکروہِ تحریمی ہوگا۔

اور اگر وہ کام حرام و ناجائز تھا، جیسے شراب پینے یا جوا کھیلنے کا وعدہ کرنا، تو اب وعدہ

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 349

پورا کرنا حرام وناجائز اور اس کا خلاف کرنا فرض وواجب ہوگا۔

اور اگر وہ کام مباح تھا، جیسے کسی سے، کسی مخصوص وقت میں ملاقات کا وعدہ کیا، لیکن اچانک کوئی عذر لاحق ہوگیا، مثلاً عین وقت پر گاڑی خراب ہوگئی، جس کے باعث وہاں وقتِ مقررہ پر پہنچنا ممکن نہ رہا، تو اب خلافِ وعدہ ناجائز ہے اور بلا عذر شریعت کو سخت ناپسند۔

ہاں اگر وعدہ کرتے وقت ہی دل میں تھا کہ پورا نہ کروں گا، تو ایسا وعدہ کرنا بھی حرام ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیته ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیته ان لایفی))

"یعنی یہ بدعہدی نہیں کہ آدمی وعدہ کرے اور نیت اسے پورا کرنے کی ہو (اور پھر پورا نہ کرسکے)، بلکہ بدعہدی یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور اسے پورا کرنے کا سرے سے ہی ارادہ نہ ہو۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اپنا حق حاصل کرنے، دو مسلمانوں کے درمیان صلح کروانے، اپنی ذات کو ظلم ونقصان سے بچانے، بیوی کی رضا جوئی اور حالتِ جنگ میں کامیابی کے لئے تعریض سے کام لینا یعنی ایسے الفاظ کہنے جائز ہیں کہ جن کا ظاہر جھوٹ اور مرادی معنی سچ ہو، نہ کہ صاف جھوٹ۔

---

[1] کنز العمال، حدیث: 6871۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس کے علاوہ اس قسم کے الفاظ جھوٹ میں شمار ہوں گے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اپنا حق مردہ، زندہ کرنے کے لئے پہلودار بات کہنا کہ جس کا ظاہر جھوٹ اور واقعی میں اس کے سچے معنی مراد ہوں، اگرچہ سننے والا کچھ سمجھے بلاشبہ باتفاق علمائے دین جائز اور احادیثِ صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے، جب کہ وہ حق بغیر اس طریقے کے ملنا ممکن نہ ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں۔ [1]

درمختار میں ہے:

(الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام قال هوالحق قال تعالیٰ: ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴾ الکل عن المجتبی وفی الوهبانیة قال وللصلح جاز الکذب اودفع ظالم واهل لترضی والقتال لیظفروا)

''یعنی اپنے حق کو زندہ کرنے اور اپنی ذات سے ظلم کو دور کرنے کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے (یعنی نہ گناہ، نہ ثواب) اور یہاں جھوٹ سے مراد تعریض ہے، کیونکہ خالص جھوٹ تو حرام ہے اور یہی حق و درست ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے، ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴾ دل سے تراشنے والے ہلاک ہو جائیں۔'' (ذاریات: 10) یہ سب ''المجتبی'' سے نقل کیا گیا ہے۔

اور ''وہبانیہ'' میں فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 349

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صلح یا دفع ظلم کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے، نیز بیوی کو راضی کرنے اور جنگ میں کامیابی کے لئے بھی جھوٹ بولنا مباح ہے۔''①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اپنا حق حاصل کرنے کے لئے صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے، لیکن چند شرائط کے ساتھ۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

اب رہی یہ صورت کہ جہاں پہلودار بات سے بھی ظلم دور کرنا ممکن نہ ہو، تو کیا دفع ظلم اور حق کو زندہ کرنے کے لئے صاف جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں کلماتِ علماء مختلف ہیں۔ بہت سی روایات سے اجازت ظاہر ہوتی ہے اور بہت سے اکابر نے بالکل صاف منع فرمایا ہے۔ چنانچہ حتی الوسع احتیاط اس سے اجتناب میں ہے۔

اور شائد فیصلہ کن قول یہ ہو کہ اس ظلم کی شدت اور جھوٹ کے گناہ کو، عقل سلیم اور دین قویم کی ترازو میں تولے، جدھر کا پلہ غالب محسوس ہو، اس سے بچنے کی کوشش کرے۔

مثلاً اس کا ذریعہ رزق تمام وکمال کسی ظالم نے چھین لیا، اب اگر یہ واپس نہ ملے، تو یہ اور اس کے گھر والے سب فاقوں پر مجبور ہو جائیں اور بالفرض وہ مال صاف جھوٹ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، تو اس ناقابل برداشت ظلم اشد کے دفع کے لئے امید ہے کہ شریعت کی جانب سے جھوٹ کہہ دینے کی اجازت دی جائے گی۔

---

① کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی البیع (نوٹ: اس مسئلے سے وہ حضرات خصوصاً توبہ کی توفیق حاصل کریں، جنہوں نے بلا اجازتِ شرعیہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں حیلہ اختیار کرنے کو اپنی عادت بنالیا ہے اور جب انہیں سمجھایا جائے، تو جواب میں سوچے سمجھے بغیر اس عمل کو بزرگانِ دین کی جانب منسوب کرکے جواز ثابت کرنے کی مکروہ کوشش کی جاتی ہے)۔ ۱۲ منہ

اور بالفرض اگر کسی مال دار کے سو دو سو روپے کسی نے دبا لئے، تو اس کے لئے صاف جھوٹ بولنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس مقام پر جھوٹ کا فساد زیادہ ہے اور اتنے ظلم کا برداشت کرنا، اس مال دار پر اتنا گراں نہ گزرے گا۔

حدیث سے ثابت شدہ، فقہ کا قاعدہ مقررہ اور عقل ونقل کا ضابطہ کلیہ ہے کہ (من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما) یعنی جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہو جائے، تو ان میں سے جو آسان ہو، اسے اختیار کرے۔

یہ تمام وہ ہے، جو میرے پاس موجود علم کی روشنی سے واضح ہوا اور حق کا مکمل علم تو اللہ عزوجل ہی کے پاس ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(واعلم ان الکذب قدیباح وقدیجب واالضابطة فیه کما فی تبیین المحارم وغیره عن الاحیاء ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیه بالصدق والکذب فیه حرام وان امکن التوصل الیه بالکذب وحده فمباح ان ابیح تحصیل ذلك المقصود وواجب ان وجب کمالورای معصوما اختفی من ظالم یرید قتله اوایذاء ه فالکذب هنا واجب وکذالوسأله عن ودیعة یریداخذهایجب انکار هاومهماکان لایتم مقصودحرب اواصلاح ذات البین او استمالة قلب المجنی علیه الابالکذب فیباح ولوسأله سلطان عن فاحشة وقعت منه سراکزناء اوشرب فله ان یقول مافعلته لان اظهارها فاحشة اخری وله ایضاًان ینکر

سراخيه وينبغى ان يقابل مفسدة الكذب المفسدة المترتبة على الصدق فان كانت مفسدة الصدق اشدفله الكذب وان بالعكس اوشك حرم وان تعلق بنفسه استحب ان لايكذب وان تعلق بغيره لم تجزالمسامحة بحق غيره والحزم تركه حيث ابيح)

"جان لو کہ جھوٹ کبھی مباح اور کبھی واجب ہوتا ہے۔اس میں ضابطہ، جیسا کہ "تبیین المحارم" وغیرہ میں "احیاء العلوم" کے حوالے سے مذکور ہے، یہ ہے کہ ہر اچھا مطلوب کہ جس کو حاصل کرنا سچ اور جھوٹ دونوں ذرائع سے ممکن ہو، تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔اور اگر اس محمود مطلوب تک رسائی فقط جھوٹ سے ہو سکے، تو جھوٹ بولنا مباح ہے، بشرطیکہ اس مطلوب کو حاصل کرنا مباح ہو اور اگر وہ مطلوب حاصل کرنا واجب ہو، تو پھر جھوٹ بولنا بھی واجب ہوگا۔جیسا کہ کسی بے گناہ کو دیکھے کہ وہ کسی ایسے ظالم سے چھپ رہا ہے، جو اسے مار ڈالنے یا ایذاء پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں (اس مظلوم کو بچانے کے لئے) جھوٹ بولنا (اور یہ کہنا کہ میں نے اسے نہیں دیکھا یا مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں) واجب ہے۔"

اسی طرح اگر ظالم کسی امانت کے بارے میں پوچھے کہ جسے لینے کا ارادہ رکھتا ہو، تو اس امانت کے بارے میں لاعلمی کا اظہار اور انکار کر دینا، واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب کوئی مقصود بغیر جھوٹ کہے، پورا نہ ہو، تو اس صورت میں جھوٹ بولنا مباح ہوتا ہے، چاہے اس کا تعلق جنگ سے ہو یا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے سے یا جس کا نقصان ہوا، اس کی دلجوئی کے لئے ہو۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر بادشاہِ وقت اس سے ایسے گناہ کے بارے میں دریافت کرے، جو اس سے در پردہ سرزد ہوا ہو، جیسے بدکاری وشراب نوشی وغیرہ، تو اس کے لئے جائز ہے کہ کہہ دے کہ میں نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ اس کا ظاہر کردینا دوسرا گناہ ہے۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں دریافت کئے جانے پر اس کا راز ظاہر کرنے سے انکار کردے۔

اور مناسب یہ ہے کہ آدمی جھوٹ کے فساد کا سچائی کے نتیجے سے تقابل کرے۔ اگر سچائی سے فساد کا اندیشہ ہو، تو جھوٹ اختیار کرے اور معاملہ اس کے برعکس ہو یا ترجیح دینے میں شک ہو، تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔

اور اگر اس کا تعلق خود اس کی اپنی ذات سے ہو، تو جھوٹ نہ بولنا مستحب ہے اور اگر کسی دوسرے سے ہو، تو دوسرے کے حق میں چشم پوشی سے کام لینا یا صرفِ نظر کرنا جائز نہیں ہے اور ہوشیاری، چشم پوشی نہ کرنے میں ہے، کیونکہ یہ مباح ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

طوائفوں کے مال کی پانچ قسمیں ہیں۔ جن میں سے پہلی تین کا بطورِ تحفہ یا اجرت لینا حرام، جب کہ آخری دو کا، جائز ہے۔ نیز جب کسی مال کا حرام یا حلال ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو، تو اس کا لینا جائز ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طوائفوں کے مال پانچ قسم کے ہوتے ہیں:

① وہ چیز، جو انہیں کسی فعلِ حرام مثلاً زنا، یا گانے یا رقص کے بدلے یا دوستی و آشنائی میں دی گئی ہو۔ یہ نقد ہو یا جنس مطلقاً حرام ہے اور غصب کی ہوئی شے کے حکم میں ہے کہ وہ خود

---

[1] کتاب الحظر و الاباحۃ، فصل فی البیع (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 353)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس کی مالک نہیں ہوتیں، تو اور کسی کو کیا مالک بنائے گی؟

② وہ چیز، جو انہوں نے اس جنس حرام سے حاصل کی، مثلاً کسی نے اجرت یا رشوتِ مذکورہ میں کچھ کپڑے کے تھان دیئے۔ طوائف نے انہیں بیچ کر روپیہ حاصل کیا یا ان تھانوں سے ناج وغیرہ خریدا، تو یہ بھی مطلقاً حرام ہے۔ کیونکہ حرام کا بدل بھی حرام ہوتا ہے۔

③ وہ چیز، جو انہوں نے اسی نقد حرام کے بدلے یوں حاصل کی کہ سودا کرتے وقت وہی روپیہ دکھایا اور وہی ادا بھی کیا یا حرام روپیہ، بیچنے والے کے سامنے ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز دے دے، اس نے دے دیں اور وہی حرام روپیہ بدلے میں اٹھالیا، اس صورت میں بھی جو کچھ حاصل کیا، مذہبِ صحیح میں سب حرام وغصب ہے۔

④ وہ چیز، جو نقدِ حرام سے خریدی، مگر سودا اور ادا کرنا، دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوئے۔ مثلاً مال حرام کہ رشوت میں ملا یا اسی سلسلے میں حاصل ہونے والی جنس جیسے کپڑے کے تھان وغیرہ بیچ کر حاصل کیا، پھر وہی مال دکھا کر کہا کہ اس کے بدلے میں فلاں چیز دے دے۔ جب دکان دار نے دی، تو حرام روپیہ الگ کر کے اس کے بدلے حلال روپیہ دے دیا۔ اب یہاں عقد (سودا) حرام پر ہوا، لیکن نقد (ادائیگی) اس سے نہ ہوئی یا بغیر روپیہ دکھائے اور اس کی جانب اشارہ کئے بغیر یونہی کہا کہ ایک روپئے کی فلاں شے دے دے۔ اس نے دی، پھر اس نے بدلے میں مال حرام دے دیا۔ اب یہاں ادا تو مال حرام سے ہے، لیکن سودا مال حرام پر نہ ہوا۔ اس صورت میں علمائے اسلام میں اختلاف ہے۔ بہت سے علماء اسے مطلقاً حرام بتاتے ہیں، کیونکہ فساد، جب کسی مال پر ملکیت حاصل نہ ہونے کی بناء پر ہو، تو متعین، غیر متعین، اصل اور بدل سب میں علی الاطلاق عمل کرتا ہے۔

اور بہت سے علماء نے حضرت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا کہ جو چیز اس طریقے سے خریدی جائے، وہ حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک نقدِ حرام کی خباثت، اس کے بدلے میں حاصل کی جانے والی چیز میں اسی وقت آتی ہے کہ جب سودے کا معاملہ اور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ادائیگی دونوں اس مال حرام پر جمع ہو جائیں (اس طرح کہ حرام دکھایا یا اس کی جانب اشارہ کیا اور پھر چیز لیتے ہوئے یہی حرام مال دیا)۔

تنویر الابصار میں ہے:

(بہ یفتی ومثلہ فی الذخیرۃ وغیرھا کما فی جامع الرموز وعلیہ مشت المتون المعتمدۃ النقایۃ والاصلاح والغرر)

''اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا گیا ہے اور اسی کی مثل ''ذخیرہ'' وغیرہ میں ہے، جیسا کہ ''جامع الرموز'' میں ہے، تمام متون معتبرہ کی یہی روش ہے مثلاً: ''النقایۃ، الاصلاح اور الغرر۔''[1]

⑤ وہ مال طوائف نے کسی سے قرض لیا یا اسے گانے، ناچنے اور زناء وغیرھا حرام کاموں کی اجرت اور آشنائی کی رشوت سے جدا کسی نے ویسے ہی تحفہ وانعام دیا (مثلاً: اس کے کسی رشتے دار نے اپنی حلال کمائی میں سے عید وغیرہ پر کوئی تحفہ بھیجا) یا سینے پرونے وغیرھا جائز افعال کی اجرت کے طور پر کچھ حاصل ہوا، تو یہ بالکل جائز وحلال ہے، چنانچہ اس میں سے جو کچھ حاصل کیا جائے، وہ بالکل حلال ہوگا۔

پس اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ طوائف کے پاس موجود مال پہلے ذکر کردہ تین طرح کے مالوں میں سے ہے، تو ڈاکٹر اور غیر ڈاکٹر کسی کو اس کا لینا جائز نہیں۔

اور اگر معلوم ہو جائے کہ پانچویں قسم میں سے ہے، تو ہر ایک کے لئے بالکل حلال۔

اور چوتھی قسم میں سے ہو، تو لے لینے میں حرج نہیں، لینے والا گناہ گار نہ ہوگا۔

---

[1] اس مسئلے پر غور کرنے سے ان لوگوں کو بھی جواب اور اطمنان قلبی حاصل ہو جانا چاہیے کہ جو اپنے والد یا بڑے بھائی وغیرہ کی حرام کمائی کے باعث پریشان اور شدید ذہنی ٹینشن کا شکار رہتے ہیں اور ان کے پاس روزی کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہوتا۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

آخر میں بیان کردہ صورتیں اس وقت ہیں کہ لینے والے کو مال کی حقیقت معلوم ہو جائے کہ یہ کن ذرائع سے حاصل ہوا تھا۔ اور بالفرض اگر معلوم نہیں کہ یہ مال حلال ہے یا حرام، تو اب اگر جانتا ہے کہ اس طوائف کا اکثر مال حرام کا ہوتا ہے اور تھوڑا بہت حلال بھی ہے، تو بہت سے علماء کے نزدیک اب بھی لینا مطلقاً حرام ہے، جب تک کہ دی جانے والی چیز یا مال کے بارے میں خصوصیت سے معلوم نہ ہو جائے کہ حلال کا ہے۔

مگر اصل مذہب، قول صحیح اور اعتماد شدہ بات یہ ہے کہ اگر مال کے بارے میں معلوم نہیں کہ حلال کا ہے یا حرام کا، تو اس کا لینا بالکل جائز ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ واصحابہ رضی اللہ عنھم)

"یعنی جب تک ہم کسی چیز کا بعینہ حرام ہونا نہ جان لیں، تو وہ جائز ہے، ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب (رحمہم اللہ) کا ہے۔"[1]

تاہم یہ بات ضرور پیش نظر رہے کہ اکثر مال حرام اور تھوڑا حلال ہونے کی صورت میں، تحفہ، ہدیہ یا چندہ وغیرہا قبول کر لینا جائز ضرور ہے، لیکن تقویٰ یہی ہے کہ اس صورت میں بھی بچنے کی کوشش کی جائے۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

سوتیلی ماں کے حقوق، سگی ماں کی مثل نہیں۔

---

① فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 365، (نوٹ: مذکورہ مسئلہ بظاہر طوائفوں کے مال کے بارے میں ہے، لیکن اس سے ہر مال حرام کمانے والے کے بارے میں رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے)۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقیقی و سوتیلی ماں کے حقوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حقیقی ماں، خدمت و ادب و تعظیم و اطاعت کی بذاتِ خود مستحق ہے۔ اسے تکلیف دینا معاذ اللہ، اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا ہے۔

اور سوتیلی ماں کا اپنا ذاتی کوئی حق نہیں، جو کچھ ہے، باپ کے ذریعے سے ہے۔ یعنی اولاد کی جانب سے، سوتیلی ماں کے حق میں کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہیے کہ جو باپ کے لئے ایذاء و تکلیف کا سبب بنے، کیونکہ باپ کو ایذاء دینا، اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا ہے۔ ①

دوسرے مقام پر مزید ارشاد فرمایا:

سوتیلی ماں، باپ سے ایک خاص اور عظیم تعلق رکھتی ہے، جس کے باعث اس کی تعظیم و حرمت سوتیلی اولاد پر بھی بلاشبہ لازم ہے۔ اسی احترام کی بناء پر اللہ عزوجل نے اسے حقیقی ماں کی مثل سوتیلی اولاد پر ہمیشہ کے لئے حرام فرما دیا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صلۃُ الرجل اَھلَ وُدِّ اَبِیہِ))

''بے شک سب نیکوکاریوں سے بڑھ کر نیکوکاری یہ ہے کہ مرد اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے۔'' ②

جب باپ کے دوستوں کے بارے میں یہ حکم ہے، تو اس کی منکوحہ عزت و تعظیم و تکریم کی کیوں نہ زیادہ حقدار ہوگی، خصوصاً جب کہ سوتیلی ماں کی ناراضگی میں باپ کی ناراضگی

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 368

② مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہو، کیونکہ باپ کی ناراضگی، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضگی ہے۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

پیر کو اپنے مرید کے بارے میں کم از کم دس (10) اور مرید کو پیر سے متعلق کم از کم سولہ (16) حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ لیکن پیران حقوق کا مستحق اسی وقت ہوگا کہ جب اس میں بیعت کی چاروں شرائط پائی جائیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کا پیر پر یہ حق ہے کہ:

① اسے اپنی اولاد کی مثل جانے۔
② جو بری بات دیکھے، اس سے منع کرے، روکے۔
③ نیکیوں کی ترغیب دے۔
④ اس کی موجودگی وغیر موجودگی میں اس کی بھلائی کا خواہش مند رہے۔
⑤ اپنی دعاؤں میں اسے شریک رکھے۔
⑥ اس کی جانب سے براہِ نادانی جو گستاخی و بے ادبی سرزد ہو، اس سے درگزر کرے۔
⑦ اس پر اپنے ذات کے لئے ناراض نہ ہو۔
⑧ اس کی ہدایت کے لئے غصہ ظاہر کرے، لیکن دل میں اس کی بھلائی کا خواست گار رہے۔
⑨ اس سے مال کی طلب میں نہ رہے۔
⑩ حتی الامکان، اس کی ہر مشکل میں مدد کرتا رہے۔

اور مرید پر، پیر کے حقوق بے شمار ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 368

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

① اس کے ہاتھ میں ایسا رہے، جیسا مردہ، زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔
② اس کی رضا کو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رضا اور اس کی ناراضگی کو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضگی گمان کرے۔
③ اسے اپنے حق میں تمام اولیائے زمانہ سے بہتر سمجھے۔
④ اگر کوئی نعمت بظاہر کسی دوسرے سے ملے، تو اسے بھی پیر کی ہی عطا اور اسی کی نظر توجہ کا صدقہ جانے۔
⑤ مال و اولاد و جان، سب اس پر صدقہ کرنے کے لئے تیار رہے۔
⑥ اس کی جو بات اپنی نظر میں خلافِ شرع بلکہ معاذ اللہ گناہِ کبیرہ معلوم ہو، اس پر بھی اعتراض نہ کرے، نہ ہی دل میں بدگمانی کو جگہ دے، بلکہ یقین رکھے کہ میری سمجھ کی غلطی ہے۔
⑦ دوسرے کو اگرچہ ہوا میں اڑتے دیکھے، جب بھی پیر کے سوا، دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو سخت آگ جانے۔
⑧ اس کے سامنے (فضول اور ضرورت سے زیادہ) بات نہ کرے۔
⑨ ہنسنا تو دور کی بات، اس کے سامنے آنکھ، کان، دل، ہمہ تن اسی کی جانب مصروف رکھے۔
⑩ اگر وہ کوئی بات پوچھے، تو نہایت نرم آواز سے بکمال ادب بتا کر جلد خاموش ہو جائے۔
⑪ اس کے کپڑوں، بیٹھنے کی جگہ، اس کی اولاد، مکان، محلہ، حتیٰ کہ شہر کی بھی تعظیم کرے۔
⑫ وہ جو بھی حکم دے، اس کے جواب میں ''کیوں'' نہ کہے، اس کی تعمیل میں دیر نہ کرے اور سب کاموں پر اسے فوقیت دے۔
⑬ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کی جگہ پر نہ بیٹھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

⑭ اس کی موت کے بعد بھی اس کی زوجہ سے نکاح نہ کرے۔

⑮ اگر وہ زندہ ہے، تو روزانہ اس کی سلامتی وعافیت کی بکثرت دعا کرے اور اگر انتقال ہو چکا ہے، تو روزانہ اس کے نام پر فاتحہ ودرود کا ثواب پہنچائے۔

⑯ اس کے دوست کا دوست اور دشمن کا دشمن رہے۔

غرض اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے تعلق کو تمام جہان کے تعلق دل سے ترجیح دے اور اسی پر کاربند رہے۔ جب ایسا کرے گا، تو ہر وقت اللہ عزوجل، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ مشائخ رحمہم اللہ کی مدد، زندگی میں، نزع میں، قبر میں، حشر میں، میزان پر، صراط پر اور حوض پر ہر جگہ شامل حال رہے گی۔

اس کا پیر اگر خود کچھ نہیں، تو اس کے پیر کا پیر تو کچھ ہوگا، یہاں تک کہ صاحبِ سلسلہ حضور پرنور غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور پھر یہ سلسلہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور ان سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان سے اللہ رب العالمین تک مسلسل چلا گیا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ پیر چاروں شرائطِ بیعت کا جامع ہو، (اگر ایسا ہو) تو پھر مرید کا حسن اعتقاد سب کچھ پھل لا سکتا ہے۔[1] ان شاء اللہ عزوجل

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی کے حق میں کی گئی کوتاہی کا قصور معاف کروانا مقصود ہو، لیکن ساتھ ہی یہ بھی خواہش ہو کہ اس کوتاہی کو واضح طور پر بیان نہ کیا جائے، تو کم از کم ایسے الفاظ ادا کرنا ضروری ہیں کہ کی گئی کوتاہی یا گناہ کو شامل ہوں، ورنہ سامنے والے کے معاف کردینے کے باوجود، گناہ معاف نہ ہوگا۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 368

سوال کیا گیا:
ایک شخص نے شادی شدہ عورت سے زناء کرلیا، لیکن شوہر کو معلوم نہ ہوا۔ کچھ عرصے بعد زانی نے شوہر سے اس طرح معافی طلب کی کہ میں نے جو کچھ تمہارا گناہ کیا، اس کو معاف کردو یا جو کچھ کہا سنا ہے، معاف کردو۔
اس نے کہا معاف کیا۔ پھر اس عورت کا انتقال ہوگیا۔ بتایئے کہ اوپر ذکر کی گئی معافی کافی ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اگر یوں کہا کہ جو کہا سنا ہے، معاف کردو، تو اصلاً کافی نہیں کہ زناء کہے سنے میں داخل نہیں۔

اور یوں کہنا کہ میں نے جو تیرا گناہ کیا ہے، معاف کردے۔ اگر اس کے ساتھ مزید کچھ ایسے الفاظ بھی ذکر کیے تھے کہ زناء جیسے گناہ کو بھی شامل ہوگئے تھے، نیز جنہیں سن کر شوہر کا ذہن، زناء کی جانب بھی جاسکتا تھا اور شوہر نے انہیں الفاظ کو پیش نظر رکھ کر معاف کیا، تو اس کے حق میں کی گئی کوتاہی، معاف کردینے سے معاف ہوگئی۔
اور اگر زانی نے اتنے ہی گول مول الفاظ کہے تھے، جو سوال میں ذکر کیے گئے اور جن کی بناء پر شوہر کا ذہن زناء جیسے بڑے گناہ کی جانب نہیں جاسکتا، بلکہ ہلکی باتوں مثلاً برا بھلا کہنے، غیبت کرنے یا کچھ مال دبا لینے کی جانب ذہن جائے، تو یہ معافی انہیں باتوں کے ساتھ خاص رہے گی اور اکابرین اسلام کے اظہر قول کے مطابق زناء کو شامل نہ ہوگی۔ لہٰذا اسے یوں کہنا چاہیے تھا کہ دنیا میں ایک مرد، دوسرے کا جس جس قسم کا گناہ کرسکتا ہے، چاہے اس کا تعلق جسم یا جان یا مال یا عزت و آبرو وغیرہ وغیرہ کسی سے بھی ہو، ان سب گناہوں میں سے چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا، جو کچھ بھی مجھ سے تمہارے حق میں واقع ہوا، سب اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر معاف کردو۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور ان الفاظ کو خوب اچھی طرح اس کے ذہن نشین کر دے۔ اب اگر اس کے بعد، اس نے مکمل طور پر معاف کر دیا، تو قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ عزوجل معاف ہو جائے گا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مسجد کی اراضی دبا لینا، سخت حرام و گناہ کبیرہ ہے۔

دریافت کیا گیا:

ایک شخص نے مسجد کی اراضی، جو اس کے گھر کے پیچھے تھی، اپنے مکان میں ڈال لی ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

ایسا شخص فاسق، فاجر، ظالم، جائر، مرتکبِ کبائر، مستحق عذابِ نار و غضبِ جبار ہے۔ اللہ عزوجل اس سے محفوظ رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((لا یاخذ احد شبرا من الارض بغیر حقه الا طوقه الله الی سبع ارضین الی یوم القیامة))

"یعنی جو کوئی ناحق بالشت بھر زمین بھی دبائے گا، اللہ عزوجل قیامت تک زمین کے ساتوں طبقات کو طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دے گا۔" [2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من اخذ من الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیامة

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 372

[2] مسلم، کتاب المساقاة، باب تحریم الظلم وغصب الارض

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الی سبع ارضین))

''یعنی جس نے کسی کی تھوڑی سی بھی زمین ناحق دبالی، قیامت کے روز ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔''[1]

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ایمارجل ظلم شبرامن الارض کلفه الله عزوجل ان یحفره حتی یبلغ آخرسبع ارضین ثم یطوقه یوم القیامة حتی یقضی بین الناس))

''یعنی جو بھی شخص ظلم کرتے ہوئے، بالشت بھر زمین بھی دبائے گا، تو اللہ عزوجل اسے آزمائش میں مبتلاء کرے گا کہ وہ زمین کو کھودتے ہوئے اس کے ساتویں طبق تک پہنچے۔ پھر بروزِ قیامت اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے گا، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا (یعنی لوگوں کا حساب و کتاب ختم ہونے تک اسے یہ وزن عظیم اٹھانا پڑے گا)۔''

اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من اخذ شیئامن الارض بغیرحله طوقه الله من سبع ارضین لایقبل الله منه صرف ولاعدل))

''یعنی جو شخص ذرا سی بھی زمین ناحق دبائے گا، اللہ عزوجل ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالے گا اور نہ اس کا فرض قبول کرے گا، نہ نفل۔''[2]

اس بارے میں احادیث، حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی

---

[1] بخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب اثم من ظلم شیئامن الارض
[2] الترغیب والترھیب بحوالہ طبرانی، الترھیب من اخذالارض

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

زمین وعمارت فوراً فوراً خالی کردے اور اس پر کی گئی اپنی ناپاک تعمیر گرا کر دور کر دے۔ اللہ عزوجل کے قہر وغضب سے ڈرے۔ من دو من نہیں، فقط بیس، پچیس سیر مٹی کے ڈھیلے ہی گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی گھوم پھر کر دیکھے۔ اس وقت بخوبی اندازہ ہوگا کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتوں طبقات تک کھود کر، قیامت کے دن، تمام جہان والوں کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسا دیا جانا۔ اللہ عزوجل اپنی امان میں رکھے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

عوام کے لئے کسی قصور پر مالی جرمانہ لینا حرام ہے، ہاں حاکم اسلام کے لئے جواز ہوسکتا ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:
یہ مال حرام تھا، کیونکہ مالی جرمانہ جو فیصلہ کرنے والے لیتے ہیں، ناجائز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مالی جرمانہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے، اگر ہو بھی تو صرف امام تک حکم جواز ہے، عوام کو جائز نہیں۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

بلا اجازت دوسرے کی چیز استعمال کرنا ممنوع اور اس کا نقصان کر دیا، تو تاوان لازم ہے۔

---

① فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 663

② فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 665

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دریافت کیا گیا:

ایک شخص نے دوسرے کی چیز اٹھا کر اس سے کھیلنا شروع کر دیا، وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری اور ٹوٹ گئی، تو اس شخص پر ضمان لازم ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

جب کہ اس نے بلا اجازتِ مالک شے اٹھائی اور وہ چیز کھیل کے دوران ٹوٹ گئی، تو اس پر بلا شبہ ضمان واجب ہے۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

(اذادخل الرجل دار انسان واخذ متاعا وجحد فهو ضامن وان لم يحوله ولم يجحده فلاضمان عليه الا ان يهلك بفعله اويخرجه من الدار)

"یعنی جب کوئی کسی شخص کے گھر میں داخل ہوا اور اس کا سامان لے لیا، حالانکہ اسے منع کیا گیا تھا، تو ضامن ہوگا، اگرچہ سامان کو اس کی جگہ سے تبدیل نہ کیا ہو۔ اور اگر منع نہ کیا گیا تھا، تو اب تاوان لازم نہیں، ہاں اگر اپنے عمل سے ضائع کیا یا اسے گھر سے باہر لے گیا (تو ان صورتوں میں تاوان دینا ہوگا)۔"

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الغصب، فصل فیمایصیربه المرء غاصبا)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(دخل رجل علی صاحب الدكان باذنه فتعلق بثوبه شیء ممافی دكانه فسقط لایضمن لكن تاویله اذالم یكن السقوط بفعله ویده وكذلك اذا اخذ شیئا بغیر اذنه مما فی

دکانه لینظر الیه فسقط لا یضمن ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنه امّا صریحاً او دلالةً)

''یعنی کوئی شخص کسی کی دکان میں، اس کی اجازت سے داخل ہوا، پھر کوئی چیز اس کے کپڑوں سے اٹک کر گر کر ٹوٹ گئی، تو یہ شخص ضامن نہ ہوگا، لیکن اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس چیز کا گرنا اس کے فعل یا ہاتھ سے نہ ہو (یعنی جان بوجھ کر ہلاک نہ کی ہو، غلطی سے ٹوٹی ہو) اور اسی طرح جب مالک کی اجازت کے بغیر دکان کی چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھنے کے لئے اٹھائی ہو (جیسا کہ عموماً گاہک دیکھا کرتے ہیں)، ہاں اگر واضح طور پر یا اشارۃً اجازت کے بغیر کوئی چیز اٹھائی (اور ٹوٹ گئی)، تو ضامن ہوگا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

چُرائے گئے مال کی معافی کا حق کبھی مورث کو ہوتا ہے، کبھی وارث کو۔

دریافت کیا گیا:

کسی نے زید کا مال چرایا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے بکر کا بھی انتقال ہوگیا، اب آخرت میں مال کی معافی کا اختیار زید کو ہوگا یا بکر کو؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبراً چھین لے یا دبا کر بطورِ رشوت لے یا ظلماً ضائع کردے، ان سب صورتوں میں جرم شرعی کے علاوہ ظالم پر مظلوم کے دو مطالبے عائد ہوتے ہیں۔ ایک مطالبۂ ظلم کہ اسے ستایا یا تکلیف پہنچائی اور دوسرا مطالبۂ مال۔

---

[1] بحواله الفتاویٰ الکبریٰ، کتاب الغصب، الباب الرابع عشر) (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد: 19، صفحہ: 666)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ظلم کا مطالبہ تو مطلقاً اسی مظلوم (مثلاً زید) کے لئے ہے، تو اس کی معافی کا اختیار بھی اسی کو ہوگا۔

رہا مطالبۂ مال، تو اس میں دو صورتیں ہیں:

① اگر مظلوم کی زندگی میں ہی وہ مطالبہ مردہ ہوگیا یعنی اس کے وصول کی بالکل امید نہ رہی، مثلاً ظالم مر گیا اور کچھ مال نہ چھوڑا، تو اس صورت میں بھی مطالبہ اسی مظلوم کے لئے ہو گا اور اسی کے معاف کرنے سے معافی مل سکتی ہے، کیونکہ قرض و دین جب مردہ ہو جائے، تو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ مظلوم کے بعد اس کا بیٹا مطالبے کا مالک نہ ہوگا۔

② اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہوا تھا، تو بعدِ انتقالِ مظلوم، اس کے بیٹے کی جانب منتقل ہوگا۔

چنانچہ دریافت شدہ صورت میں مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا اور مطالبہ ظلم سے درگزر کا مجاز زید۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(لومات وترك عيناو ديناو غصبافي ايدى الناس ولم يصل شىء من ذلك الى الورثة فالقياس ان يكون الثواب بذلك فى الآخرة للورثة لانهم ورثوامنه وفى الاستحسان ان توى الدين وتمت التوى قبل الموت فالثواب له لان التاوى لايجرى فيه الارث فان توى بعده فالثواب للوارث لانه لايجرى الارث فيه لقيامه وقت الموت)

”یعنی اگر کسی نے فوت ہونے کے بعد کوئی شے چھوڑی یا لوگوں کے ذمہ قرض

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یا مال غصب چھوڑا اور ان (قرض وغصب) میں سے کوئی شے ورثاء کو موصول نہ ہوئی، تو قیاس یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنے کا ثواب ورثاء کو ملے، کیونکہ یہ میت کے بعد، ان اموال کے مالک بنے۔ جب کہ استحسان یہ ہے کہ اگر ان اموال کا نقصان مرنے والے کی موت سے پہلے مکمل طور پر واضح ہوگیا، تو ثواب میت کو ملے گا، کیونکہ نقصان میں وراثت نہیں ہے۔ اور اگر یہ نقصان موت کے بعد مکمل ہوا، تو اب ثواب، ورثاء کو ملے گا، کیونکہ ان میں وراثت جاری ہوئی ہے، اس لئے کہ موت کے وقت یہ اموال میت کی ملکیت تھے۔" (کتاب الغصب۔الباب الرابع عشر)

اسی میں ہے:

(سرق شیء من ابیه ثم مات ابوه لم یؤاخذ به الآخرة لان الدین وهو ضمان المسروق انتقل الیه واثم بالسرقة لانه جنی علی المسروق منه کذافی الفتاوی العتابیة رجل له علی رجل دین فتقاضاه فمنعه ظلماحتی مات صاحب الدین وانتقل الی الوارث تکلموافیه قال اکثرالمشائخ لایکون حق الخصومة للاول لکن المختاران الدین للوارث والخصومة فی الظلم بالمنع الاول لافی الدین اذاالدین انتقل الی الوارث کذافی الظهیریة)

"یعنی کسی نے اپنے والد کی کوئی چیز چرائی، پھر والد کا انتقال ہوگیا، تو آخرت میں اس پر ضمان کا مطالبہ نہ ہوگا، کیونکہ ضامن شدہ مال مسروقہ بیٹے کی جانب وراثت کے طور پر منتقل ہو چکا ہے، ہاں چوری کے فعل کی بناء پر گناہ گار ہوگا،

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیونکہ اس نے اس مال کے مالک کا جرم کیا ہے۔

''فتاویٰ عتابیہ'' میں اسی طرح ہے۔ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا،اس نے (کسی کے ذریعے) اس سے تقاضا کیا،لیکن مقروض نے منع کر دیا،پھر یہ قرض خواہ انتقال کر گیا اور قرضہ ورثاء کی جانب منتقل ہو گیا،تو اس بارے میں فقہاء نے کلام کیا ہے،چنانچہ اکثر مشائخ نے فرمایا کہ مالک کے مقرر کردہ پہلے شخص کو قرض وصولی میں فریق بننے کا حق نہیں،لیکن مختار یہ ہے کہ قرض وارثوں کا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکار کے ظلم کا دفاع پہلے مقرر کردہ کے ذمے ہوگا،قرض کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی،کیونکہ قرض وارثوں کو منتقل ہو چکا ہے۔''ظہیریہ'' میں یوں ہی ہے۔'' (کتاب الغصب۔الباب الرابع عشر)

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

(رجل مات وله على رجل حق ولم يخلف وارثا قالوا يتصدق المديون بماعليه من الميت ليكون ذلك وديعة عند الله تعالى فيوصله الى خصمه يوم القيامة)

''یعنی ایک شخص فوت ہوا،اس کا کسی دوسرے شخص پر قرض تھا اور اس کا کوئی وارث نہ تھا،تو اس صورت میں فقہاء نے فرمایا کہ مقروض اس میت کی جانب سے مال کو صدقہ کرے،تا کہ یہ اللہ عزوجل کے پاس امانت ہو جائے،پھر بروزِ قیامت صاحبِ حق تک پہنچ جائے۔''

(کتاب الغصب۔فصل فی براءۃ الغاصب والمدیون)

اس سے معلوم ہوا کہ جو وارث چھوڑے بغیر فوت ہو جائے،تو اس کے حق میں مطالبہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ مطالبہ بیت المال کو منتقل نہ ہوگا (یعنی حاکم اسلام کے لئے لازم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہیں کہ اس سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے)۔ اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے کہ بیت المال کو لاوارث کا مال، بطریق وراثت منتقل نہیں ہوتا، بلکہ لاوارث باقی ماندہ اشیاء مسلمانوں کے لئے ترکہ بنتی ہیں۔ جیسا کہ ''درمختار'' میں اسے واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس کی وضاحت ''ردالمحتار'' میں ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ورثاء کا مال دبالینا، غصب اور اس سے دعوت وغیرہ کرنا، حرام اور بعض صورتوں میں کفر ہے۔ جسے مال کی حرمت معلوم ہو، اسے بھی ایسی دعوت کھانا گناہ ہوگا۔

دریافت کیا گیا:

ایک شخص نے اپنی وفات کے بعد منقولہ وغیر منقولہ ترکہ چھوڑا۔ اس کے ایک بیٹے نے زبردستی تمام مال پر قبضہ کر کے بقیہ ورثاء کو محروم کر دیا۔ اس کی یہ کاروائی غصب ہے یا نہیں؟ اور خود کھانا، بلکہ غیر وارثوں کو کھلانا اور مستحق حضرات کی جانب متوجہ نہ ہونا شرعاً کیسا ہے؟ اور یہ شخص اس فعل کو غصب نہ جانے، بلکہ معمول کی کاروائی قرار دے، بلکہ اسے اپنا پیشہ بنالے، تو کیا یہ شرعاً تعزیر کا مستحق ہوگا؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

مذکورہ عمل یقیناً غصب اور حرام ہے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾

''یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ۔'' (بقرہ: 188)

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد: 19، صفحہ: 667

اور غاصب اگر عین مغصوبہ شے، کسی کو دے یا ہدیہ کرے یا اس سے دعوت کرے یا بطورِ اجرت و تنخواہ یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر دے، تو لوگوں کو لینا اور کھانا حرام ہے اور ذکر کردہ آیۂ کریمہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور غصب کا عمل بار بار کرنا، وبالِ آخرت و عذاب و استحقاقِ نار کے علاوہ اور کیا زیادہ کرے گا؟ اور اس کو معمول بنالینا بھی ان ہی چیزوں کا مستحق بنائے گا۔

ہاں اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ اس نے حرام کو حلال جانا ہے، تو اس وقت اس کی جانب کفر متوجہ ہوگا اور تحقیق یہی ہے کہ یہاں بلاشبہ کفر ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس میں تو شک نہیں کہ غصب کی حرمت، ضروریاتِ دین میں سے ہے، بشرطیکہ حیلہ شرعیہ کے بغیر ہو اور کفر کا دارومدار ضروریاتِ دین کے انکار پر ہی ہے (لہٰذا ایسا شخص کافر ہوگا)۔

اگر غصب کسی حیلۂ شرعیہ کے ساتھ ہو تو کفر نہیں، مثلاً کسی سے اپنا حق وصول کرنا ہے اور وہ انکار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اپنے حق کے حصول کے لئے اس کا مال غصب کر سکتے ہیں۔ یونہی اگر کسی پر حالتِ اضطرار طاری ہو (مثلاً چار دن کا فاقہ ہو گیا ہے اور غالب گمان ہے کہ اب نہ کھایا تو موت واقع ہو جائے گی) تو اس وقت بقدرِ ضرورت یعنی اتنا کہ جس سے جان بچ سکے، غصب کر لینا جائز ہوگا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ہر ایک کی معافی کے سلسلے میں دو صورتوں کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ 674 (نوٹ: ضروریاتِ دین سے مراد وہ مسائل ہیں کہ جنہیں علماء اور ان کی اکثر صحبت میں رہنے والی عوام اچھی طرح جانتی ہو، مثلاً نماز و روزے کی فرضیت وغیرہ)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سوال کیا گیا:

ایک شخص نے ایک عورت سے زناء کیا۔ اب وہ شخص معافی چاہتا ہے، تو کیا اس عورت سے ہی معافی مانگے یا اس عورت کے والدین اور بھائیوں سے بھی معافی مانگنی ضروری ہوگی؟

اور اگر حقوق العباد معاف کر دئے جائیں، تو کیا حق اللہ بھی معاف ہو جائے گا یا نہیں یا توبہ واستغفار کرنا ہوگی؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حقوق اللہ عزوجل، معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں:

① توبہ: اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وِيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ﴾

''یعنی اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔'' (شوری: 25)

② عفوِ الٰہی: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط﴾

''یعنی تو جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا، عذاب دے گا۔'' (بقرہ: 284)

اور ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

''یعنی بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (زمر: 53)

اور حقوق العباد، معاف ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

① جو قابل ادا ہے، اسے ادا کرنا، ورنہ صاحبِ مال سے معافی چاہنا۔
صحیح بخاری میں ہے:
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من كانت له مظلمة لاخيه من عرضه اوشيء فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينارولادرهم ان كان له عمل صالح اخذمنه بقدرمظلمة وان لم يكن له حسنات اخذ من سيأت صاحبه فحمل عليه))

''یعنی جس شخص پر اپنے مسلمان بھائی کی عزت وغیرہ سے متعلق کوئی ظلم ہو، تو اسے چاہیے کہ یہیں اس سے معافی طلب کر لے، اس سے پہلے کہ نہ دینار ہوں اور نہ درہم (یعنی قیامت کا دن)۔ اگر اس ظالم کے پاس کوئی نیک عمل ہو گا، تو بقدرِ ظلم کے اس سے لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں، تو مظلوم کی برائیاں، اس پر لاد دی جائیں گی۔''[1]

② دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صاحبِ حق، کسی قسم کا معاوضہ لئے بغیر معاف کر دے۔
اللہ عزوجل کا فرمان ہے:
﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا﴾
''یعنی تو تم چھوڑو اور درگزر کرو۔'' (بقرہ: 109)

اور بعض طریقے ایسے ہیں، جو دونوں قسم کی معافی کو جامع ہیں یعنی ان کے ذریعے، اللہ عزوجل کے اذن سے حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک دریا میں ڈوب کر مرنا ہے اور ایک حج مقبول وغیرہ۔

---

[1] ابواب المظالم والقصاص، باب من كانت له مظلمة ......

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اگر زنا عورت کی مرضی سے ہوا تھا، تو اس میں اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، لہٰذا اس سے معافی مانگنے کی کیا حاجت؟ بلکہ یہ تو خود اوروں کے حق میں گرفتار ہے، بشرطیکہ شوہر یا محارم رکھتی ہو۔

ہاں اگر زنا کی اطلاع، شوہر یا محارم (یعنی باپ، بھائی وغیرہ) کو پہنچ گئی، تو اب بلاشبہ ان سے معافی مانگنا ضروری ہے، بے ان کے معاف کئے، گناہ معاف نہ ہوگا۔

اور اگر انہیں اطلاع نہ پہنچی، تو اب ان کا حق متعلق ہوا یا نہیں؟ غیبت کے بارے میں، تو علماء نے صاف بیان کیا ہے کہ متعلق نہ ہوگا اور ایسی صورت میں ان سے معافی مانگنے کی بھی حاجت نہیں، صرف توبہ واستغفار ہی کافی ہے۔

شرح فقہ اکبر میں ہے:

(قال الفقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالی قدتکلم الناس فی توبۃ المغتابین ھل تجوزمن غیران یستحل من صاحبہ قال بعضھم لایجوزوھوعندناعلی وجھین احدھماان کان ذلك القول قدبلغ الی الذی اغتابہ فتوبتہ ان یستحل منہ وان لم یبلغ الیہ فلیستغفراللہ سبحانہ ویضمران لایعودالی مثلہ)

"فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لوگوں نے غیبت کرنے والوں کی توبہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا جس کی غیبت کی، اس سے معاف کروائے بغیر توبہ کرنی جائز ہے یا نہیں؟ تو بعض نے کہا کہ جائز نہیں اور اس کی ہمارے نزدیک دوصورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی، اس کو غیبت کی اطلاع ہوگئی، تو پھر توبہ کی صورت یہ ہے کہ اس سے معاف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کروائے اور اگر اسے اطلاع نہ ہوئی، تو اس صورت میں صرف اللہ عزوجل سے معافی مانگے اور اپنے دل میں عہد کرے کہ پھر کبھی ایسا نہ کروں گا۔

(منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر۔مطلب یجب معرفۃ المکفرات......)

درمختار میں ہے:

(اذا لم تبلغہ یکفیہ الندم)

"اگر غیبت کی اطلاع (غیبت کیے جانے والے کو) نہ ہو، تو پھر صرف ندامت کافی ہے۔" (کتاب الحظر والاباحۃ۔فصل فی البیع)

اور زناء کے بارے میں کوئی وضاحت نظر سے نہیں گزری۔ لیکن معافی مانگنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس نے معاف کر دیا، تو اطمینان کافی ہے۔

مگر طلبِ معافی میں نہ تو صاف صاف زناء کا ذکر کیا جائے کہ شائد اس کے بعد معافی نہ ہو، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے شدید فتنہ پیدا ہو جائے۔

اور نہ ہی بہت مختصر بات کی جائے، مثلاً یوں کہ مجھے اپنے سب حق معاف کر دے۔ کیونکہ ایسی صورت میں عنداللہ اتنے ہی حقوق معاف ہوں گے، جہاں تک اس کا خیال پہنچے۔ لہٰذا ایسے الفاظ استعمال کرنے ضروری ہیں کہ جو ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہ کو شامل بھی ہو جائیں اور ان کا ذکر باعثِ فتنہ بھی نہ ہو۔ مثلاً یوں کہے:

چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا، جو گناہ ایک مرد، دوسرے کا کر سکتا ہے، چاہے اس کا تعلق جسم یا جان یا مال یا عزت و آبرو وغیرہ وغیرہ کسی سے بھی ہو، ان میں سے جو تیرا گناہ، میں نے کیا ہو، سب مجھے معاف کر دے۔

شرحِ فقہ اکبر میں ہے:

(فی النوازل رجل لہ علی آخردین وھولایعلم بجمیع

ذلك فقال له المديون ابرأ نى ممالك على فقال الدائن ابرأ تك قال نصير لا يبرأ الا عن مقدار مايتوهم اى يظن انه عليه وقال محمدبن سلمة يبرأعن الكل قال الفقيه ابوالليث حكم القضاء ماقاله محمد بن سلمة وحكم الآخرة ما قاله نصير و فى القنية من عليه حقوق فاستحل صاحبها ولم يفصلها فجعله فى حل بعذران علم انه لوفصله يجعله فى حل والا فلا قال بعضهم انه حسن وان روى انه يصير فى حل مطلقاً وفى الخلاصة رجل قال لآخر حللنى من كل حق هولك فأبرأه ان كان صاحب الحق عالمابه برئ حكما بالاجماع واماديانة فعند محمد لايبرأ وعندابى يوسف يبرأ وعليه الفتوى وفيه انه خلاف ما اختاره ابوالليث ولعل قوله مبنى على التقوى)

''یعنی نوازل میں ہے کہ ایک شخص، دوسرے کا مقروض ہو اور وہ اس کی مکمل تفصیل نہ جانتا ہو۔ پھر مقروض نے قرض خواہ سے کہا، جو کچھ بھی تیرا، میرے ذمے ہے، اس سے مجھے بری کردے۔ اس پر قرض خواہ نے کہا میں نے تجھے بری کردیا۔ امام نصیر (رحمۃ اللہ) نے فرمایا: اس کی صرف اتنی ہی مقدار سے برأت ہوگی کہ جتنی مقدار کا قرض خواہ کو وہم ہوا ہو کہ میرا اتنا ہی قرضہ مقروض پر تھا۔ لیکن محمد بن سلمہ (رحمۃ اللہ) نے فرمایا: قرض خواہ کل قرضے سے بری ہوجائے گا۔''

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دنیاوی احکام کے اعتبار سے تو وہی حکم ہے، جو محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، لیکن آخرت کا حکم وہ ہے، جو امام نصیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور ''قنیہ'' میں ہے، اگر کسی پر حقوق ہوں اور اس نے صاحبِ حق سے معاف کردینے کی درخواست کی، لیکن یہ سوچ کر کہ اگر اس کے سامنے کل تفصیل بیان کرتا، تب بھی لامحالہ یہ مجھے معاف کردیتا، ان کی کوئی تفصیل بیان نہ کی اور پھر صاحبِ حق نے انہیں معاف کردیا، تو ایسی صورت میں وہ حقوق معاف ہوجائیں گے، ورنہ بصورتِ دیگر وہ معاف نہ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اچھی تفصیل ہے، اگرچہ یہ بھی منقول ہے کہ وہ حقوق مطلقاً معاف ہوجائیں گے یعنی چاہے تفصیل کو بیان کرے یا نہ کرے، یونہی چاہے تفصیل کے بیان کے بعد بھی سامنے والے کے معاف کردینے کا یقین ہو یا نہ ہو۔

خلاصہ میں ہے کہ:

ایک شخص نے دوسرے سے کہا، تیرا جو بھی میرے ذمے حق ہے، وہ مجھے معاف کردے یعنی اسے میرے لئے حلال کردے۔ سامنے والے نے یہ سن کر اسے معاف کردیا۔ تو ایسی صورت میں اگر صاحبِ حق ان تمام غصب شدہ حقوق کا علم رکھتا تھا، تو پھر معاف کروانے والا بالاتفاق دنیوی حکم کے اعتبار سے بری ہوجائے گا۔ رہا یہ معاملہ کہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی اس کی برأت لکھی جائے گی یا نہیں، تو امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک بری الذمہ نہ ہوگا، لیکن قاضی امام ابو یوسف (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک بری ہوجائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صورت اس کے مخالف ہے، جسے ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) شائد ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کا قول تقویٰ پر مبنی ہو۔ (منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر، مطلب یجب معرفۃ المکفرات ......)

خلاصہ یہ کہ یہ ایک مشکل معاملہ ہے۔ لیکن (اتنا ضرور ہے کہ) جو سچے دل سے اللہ عزوجل کی جانب رجوع کرے، تو اس کا کرم ضرور اسے قبول فرماتا ہے۔[1]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 372

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مصنوعی دانت لگوانا جائز ہے، جس چیز سے بنائے گئے ہوں، اس کا حلال ہونا معلوم ہو یا نہ ہو۔ نیز سونے یا دیگر دھاتوں کا تالو استعمال کرنا بھی ضرورت کے وقت جائز ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ اسی بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بنے ہوئے دانت لگانے میں حرج نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز اصل میں پاک بنائی ہے، جب تک کسی شے میں، کسی نجاست کا ملنا ثابت نہ ہو، پاک ہی مانی جائے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

(لایحکم بنجاستھاقبل العلم بحقیقتھا)

''جب تک کسی شے کی حقیقت معلوم نہ ہو، اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔'' (کتاب الطھارۃ، باب الانجاس)

سونے کا تالو عورتوں کو مطلقاً جائز ہے اور مردوں کو بضرورت یعنی جب کہ سونے میں کوئی ایسی خصوصیت ہو کہ جس کی بناء پر اس کے استعمال کی جانب محتاجی ہو، ورنہ دوسری دھات استعمال کریں، چاندی کی حاجت ہو، تو وہ، ورنہ ایلومینیم یا جو مناسب ہو۔

درمختار میں ہے:

(لایشدالسنۃ المتحرک بذھب بل بفضۃ ویتخذ انفامنہ لان الفضۃ تنتنہ)

''ہلنے والے دانت کو سونے کے تاروں سے مضبوط نہ کیا جائے، بلکہ چاندی استعمال کی جائے، ہاں البتہ سونے کی مصنوعی ناک بنا کر لگائی جاسکتی ہے،

کیونکہ چاندی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔"

(کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس)

ہدایہ میں ہے:

(الاصل فيه التحريم والاباحة للضرورة وقد اندفعت بالفضة وهى الادنى فبقى الذهب على التحريم والضرورة لم تندفع فى الانف دونه حيث انتن)

"سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور اس کا مباح ہونا ضرورت کی بناء پر ہے، کیونکہ چاندی سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال بنسبت سونے کے قریب ہے، لہٰذا سونا اپنی حرمت پر باقی رہے گا اور ناک لگانے میں یہ ضرورت بغیر سونے کے پوری نہیں ہو سکتی (لہٰذا سونے کی مصنوعی ناک لگوانا جائز ہے) کیونکہ سونے کے علاوہ باقی دھاتوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

غیر مسلم سے علاج کروانا جائز ہے، لیکن اگر مسلمان ڈاکٹر موجود ہو، تو بچنا بہتر ہے۔
امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ، ہندو سے علاج کروانے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

طبیب اگر کوئی ناجائز چیز دوا میں بتائے، جب تو جائز نہیں، اگرچہ علاج کرنے والا مسلمان ہی ہو اور جائز چیز میں حرج نہیں، اگرچہ کافر ہو۔ مگر علاج کے لئے ہندو کی طلب،

[1] کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد:24، صفحہ:194)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عقلی اصول کے خلاف اور اکثر نقصان کا باعث ہوتی ہے، لہٰذا بچنا بہتر ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

"تعویذات وعملیات کبھی جائز اور کبھی حرام ہوتے ہیں۔

تعویذات وعملیات جائز ہیں، لیکن اس میں چند چیزوں کا لحاظ رکھنا فرض ہے۔

① اس میں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے کہ جس کا معنیٰ ومفہوم معلوم نہ ہو اور نہ ہی کسی حدیث یا اقوال صحابہ یا اولیائے کاملین میں سے کسی سے اس کا ثبوت ہو۔ جیسے حفیظی، کعسلھون اور دعائے طاعون میں طاسوسا، عاسوسا، ماسوسا۔

② اس میں خون وغیرہ استعمال نہ کیا جائے کہ خون ناپاک وحرام ہے۔ جیسے مرگی وغیرہ کے تعویذ خون سے لکھے جاتے ہیں، یہ ناجائز ہیں۔ ہاں اگر لکھنے ہی ہوں، تو اس کے عوض مشک سے لکھیں کہ یہ بھی اصل میں خون ہی ہے۔

③ وہ تعویذ کسی ایسی جگہ دفن نہ کئے جائیں کہ آتے جاتے لوگوں کے قدم پڑیں۔ جیسے حب وتسخیر کے بعض تعویذ کہ دروازے کی چوکھٹ میں دفن کئے جاتے ہیں، جس کی بناء پر لوگوں کے قدموں تلے آنے کی بناء پر ان کی بے ادبی ہوتی ہے۔

④ یونہی غلط مقصد کے لئے تعویذ کرنا یا کروانا حرام ہے۔ جیسے عورتیں، شوہر کو قابو میں کرنے کے لئے تعویذ کرواتی ہیں، یہ حکم شرع کا عکس ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا ہے، لہٰذا اسے محکوم بنانے کی کوشش کرنا عورت پر حرام ہے۔

یونہی کسی میں جدائی یا دشمنی پیدا کرنے کے لئے تعویذ کرنا، کروانا بھی حرام ہے۔ محارم میں جدائی، قطع رحم ہے اور قطع رحم، حرام ہے۔ یونہی بیوی وشوہر میں نفرت پیدا کرنا۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ 196

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((لیس منامن خبب امراۃ علی زوجھا))

"جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے، وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔"[1]

بلکہ دو مسلمان بھائیوں میں بھی بغیر کسی وجہ شرعی کے جدائی و دوری ناجائز ہے۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((لا تباغضو اولا تدا بروا الی قولہ ﷺ وکونوا عباد اللہ اخوانا))

"یعنی (لوگو!) ایک دوسرے سے عداوت نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو (یہاں تک کہ فرمایا) اے اللہ ﷻ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔"[2]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر عمل یا تعویذ یا مقصد میں کوئی خرابی و فساد ہو، تو یہ تمام امور ناجائز ہیں، ورنہ ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، بلکہ مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچانے کی نیت کے باعث پسندیدہ اور اجر و ثواب کا سبب ہیں۔

رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ))

"یعنی تم میں سے جو کسی مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو، تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔"[3]

---

① ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی من خبب امرأۃ ......

② بخاری، کتاب الادب، باب ماینھی عن التحاسد والتدابر ......

③ مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیۃ من العین (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 196)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

ہندو کو ہندسوں کی شکل میں تعویذ دینا جائز ہے۔

ہندو کو تعویذ دینے یا نہ دینے کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

کافر کو اگر تعویذ دیا جائے، تو مضمر یعنی جس میں ہندسے (اعداد) ہوتے ہیں، نہ کہ مظہر، جس میں کلام الٰہی اور اللہ عزوجل کے نام مبارک کے حروف ہوتے ہیں۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

شراب کے ذریعے خارجی علاج بھی ممنوع ہے، افیون کے ذریعے کر سکتے ہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شراب حرام بھی ہے اور نجس بھی، اس کا خارج بدن پر لگانا بھی جائز نہیں اور افیون حرام ہے، نجس نہیں، لہٰذا اس کو بدن کے ظاہر پر بغرض علاج لگانے میں حرج نہیں۔ ②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

بچے کو سلانے یا رونے سے روکنے کے لئے افیون دینا حرام ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بچے کو سلانے یا رونے سے روکنے کے لئے افیون دینا حرام ہے اور اس کا گناہ دینے والے پر ہے، بچے پر نہیں۔ ③

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 197

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 198

③ ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 198

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ایک ساتھ کئی جنازے ادا ہو سکتے ہیں، چاہے ان میں کچھ بالغ ہوں اور کچھ نابالغ۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

کیا کئی جنازے ایک ساتھ ادا ہو سکتے ہیں؟ اور اگر ان میں بالغ ونابالغ سب ہوں، تو دعا کس طرح پڑھی جائے گی یعنی بالغ کی یا نابالغ کی؟

آپ نے فرمایا:

سو دو سو، جتنے جنازے جمع ہوں، سب پر ایک ساتھ ایک نماز ہو سکتی ہے۔ بالغوں کے ساتھ نابالغوں کی نماز بھی ہو سکتی ہے۔ دونوں دعائیں پڑھی جائیں گی۔ پہلے بالغوں کی، پھر نابالغوں کی۔ اور بہر حال اگر کوئی دقت نہ ہو، تو سب پر جداگانہ نماز ادا کرنا ہی بہتر ہے۔

درمختار میں ہے:

(اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة علی کل واحد اولی وان جمع جازو راعی الترتیب المعهودخلفه الرجل ممایلیه فالصبی فالبالغة فالمراهقة)

"جب متعدد جنازے جمع ہو جائیں، تو ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھنی بہتر ہے اور اگر سب پر اکٹھی نماز پڑھی جائے، تب بھی جائز ہے۔ لیکن صفوف کی ترتیب میں شرعی ترتیب کا لحاظ کرنا چاہیے (اور وہ ترتیب یہ ہے کہ) امام کے پیچھے اور اس سے متصل بالغ مرد ہوں، پھر نابالغ بچے، پھر بالغہ عورتیں اور ان کے بعد قریب البلوغ لڑکیاں۔" [1]

---

[1] کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنائز (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 200)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

حمل ٹھہرنے کے بعد، کسی صحیح ضرورت کی بناء پر، چار مہینے کے اندر اندر اسقاطِ حمل جائز ہے، اس کے بعد نہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ اسقاطِ حمل کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اگر ابھی بچہ نہیں بنا، تو ضرورتِ صحیحہ کی بناء پر جائز ہے، ورنہ ناجائز کہ بے گناہ کا قتل ہے اور چار مہینے میں بچہ بن جاتا ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

باوجودِ قدرت، اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے سے رکنا اور اچھا مشورہ کسی بدگمانی کی بناء پر نہ دینا ممنوع ہے۔

سوال کیا گیا کہ:

زید کے پاس ایک نسخہ مردانگی کا ہے، جو اسے ایک ہندو جوگی نے دیا تھا۔ زید اسے بنا کر دینے سے بھی عذر کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ایسا کرنے سے لوگ حرام کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے کسی کو نہیں دیتا ہے، کیونکہ اگر کوئی اس کے بعد گناہ کرے گا، تو اس کا وبال اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

عمرو نے اسے قسم دے کر کہا کہ میں بواسیر کی بناء پر نامردی کی حد کو پہنچا ہوا ہوں اور عنقریب میری شادی ہونے والی ہے۔ اگر آپ نسخہ نہیں دیتے، تو مجھے بنا کر ہی دے دو۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 201 (نوٹ: اسقاطِ حمل اگر فقط اس وجہ سے ہو کہ بچے کو کھلانا پلانا مشکل ہوگا، تو حرام ہے۔ ضرورتِ صحیحہ میں ماں کی جان کا خطرہ، تربیت کا شدید فقدان، دوسرے بچے کی نشوونما کا یقینی متاثر ہونا وغیرھا شامل ہیں)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

زید کا خیال از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر زید نسخہ نہیں بتاتا، تو اسے دوا بنا کر دے، جب کہ اس میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من استطاع منكم ان ينفع اخاه فلينفعه))

''یعنی تم میں سے جو کسی مسلمان بھائی کو نفع پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہو، تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔''[1]

اور اس کا یہ خیال کہ لوگ حرام کریں گے اور اس پر وبال ہوگا، محض غلط ہے۔ مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔'' (حجرات: 12)

اور جب اس کی نیت مسلمانوں کو نفع رسانی کی ہو، تو اب اگر کوئی دوسرا گناہ کرے بھی، تو اس کا مواخذہ اس پر نہیں ہو سکتا۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ج﴾

---

[1] مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان، دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

جس جگہ طاعون پھیل جائے، وہاں سے راہِ فرار اختیار کرنا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ نیز وہاں سے فرار کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو دلیل بنانا درست نہیں۔

سوال کیا گیا:

جس محلّہ یا شہر میں طاعون ہو، وہاں کے باشندے کسی دوسرے مقام پر تقدیرِ الٰہی سے تقدیرِ الٰہی کی جانب فرار کے خیال سے بھاگ سکتے ہیں؟ طاعون وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا ارشاد ہے؟ جو لوگ اس خیال سے اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، وہ اہل بدعت ہیں یا نہیں اور ان کے ساتھ بدعتیوں والا سلوک کرنا چاہیے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

طاعون کے خوف سے گھر یا محلّہ یا شہر چھوڑ کر بھاگنا حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الفار من الطاعون کالفار من الزحف))

''یعنی طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے، جیسا کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔''[2]

اور کفار سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

---

[1] اعراف: 164 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 203)

[2] مسند امام احمد بن حنبل، عن عائشة

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تقدیر سے بھاگ کر تقدیر کی جانب جانے کا قول تو جہاد سے بھاگنے والا بھی کہہ سکتا ہے، وہ بھی بھاگ کر تقدیر ہی میں جائے گا، مگر اس کے بھاگنے کا آخری مقام جہنم ہے۔

طاعون عمواس، شام میں تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ وہاں کے عزم سے روانہ ہو چکے تھے۔ جب شام و حجاز کی سرحد پر مقام سرغ میں پہنچے، تو خبر ملی کہ شام میں شدید قسم کا طاعون ہے۔ آپ نے مہاجرین کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ بعض نے کہا، آپ جس کام کے لئے چلے ہیں، اس سے پلٹنا بہتر نہیں۔ بعض نے کہا، آپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقیہ اصحاب بھی ہیں، ہماری رائے نہیں کہ انہیں وباء پر پیش کیا جائے۔

پھر انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا، تو اسی طرح اختلاف کے ساتھ جواب ملا۔ پھر اکابرین مؤمنین فتح کو بلایا۔ ان سب نے بالاتفاق نہ جانے کی رائے دی۔

ان کی رائے پر آپ نے واپس جانے کے لئے نداء کروائی۔ اس پر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا:

(افرار من قدر الله؟)

"کیا تقدیر الٰہی سے فرار؟"

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

کاش! کوئی اور ایسا کہتا:

(نعم نفر من قدر الله الی قدر الله)

"ہاں ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی ہی کی طرف بھاگتے ہیں۔"

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے، جب واپس ہوئے، تو فرمایا، مجھے اس مسئلے کے حکم کا علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا:

((اذا سمعتم به بارض فلا تقدموا علیه واذا وقع بارض

وانتم بہا فلا تخرجوا فرارا منہ))

''یعنی جب تم کسی زمین میں طاعون کی بیماری کا ہونا سنو، تو وہاں طاعون کے سامنے نہ جاؤ اور جب تمہاری زمین میں ہو، تو وہاں سے بھاگنے کے لئے نہ نکلو۔''

اس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے اللہ عزوجل کی حمد کی کہ آپ کا اجتہاد موافق ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوا اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ ①

جس جگہ ایسا معاملہ ہو، وہاں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگنا، کہنا درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے۔

طاعون سے بھاگنا فسق ہے۔ بھاگنے والوں سے فاسقوں والا برتاؤ کرنا چاہیے۔ یہاں بدعت بمعنی بدمذہبی استعمال نہیں ہوسکتی۔

ہاں اگر احادیثِ صحیحہ مشہورہ میں موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی جانتا ہے اور پھر سے رد کرکے اپنی بزدلی و نامردی کو اس حکم پر فوقیت دیتا ہے، تو ضرور بدمذہب ہے۔ ②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ماہر طبیب کو اس خوف سے علاج ترک کرنا جائز نہیں کہ کہیں غلط تشخیص کے باعث کسی مریض کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ نیز ناتجربہ کار واناڑی کو علاج کرنا حرام ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جو علاج معالجے کی اہلیت رکھتا ہو، اگر وہاں دیگر ڈاکٹر بھی موجود ہوں، تو اس کے لئے

---

① بخاری، کتاب الطب، باب مایذکر فی الطاعون

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 204

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اپنے پیشے کو ترک کرنا، شرعاً جائز ہے۔

نااہل کے لئے اس پیشے میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے اور اس کے لئے اس پیشے کا ترک فرض ہے۔

جس شخص نے اس فن کے نظریات وعملیات (Theory and Practical) حاصل کیے اور ایک طویل مدت تک کسی ماہر ڈاکٹر کے مطب میں رہ کر کام کیا اور تجربہ حاصل کیا۔ اس کے اکثر مریض اس کے ہاتھ پر شفاء پاتے ہوں، بہت کم ایسا ہوتا ہو کہ کامیابی نہ ہوتی ہو۔ تشخیص وعلاج میں بڑی بڑی غلطیاں جیسا کہ عام ناتجربہ کار واناڑی ڈاکٹر کیا کرتے ہیں، نہ کرتا ہو، ایسا شخص علاج کا اہل ہے۔ ایسے شخص کو مسلمانوں اور دیگر مخلوق خدا کو نفع پہنچانے پر نظر رکھتے ہوئے، علاج معالجے سے دور نہیں ہونا چاہیے، خصوصاً جب کہ وہاں اس کے علاوہ کوئی اور دوسرا شخص نہ ہو۔

کبھی کبھی تشخیص یا علاج میں غلطی کا واقع ہونا، اہلیت کے منافی نہیں، کیونکہ غلطی سے فقط انبیاء علیہم السلام ہی معصوم ہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مانع حمل ادویات کا استعمال بغیر ضرورت شرعیہ ناجائز وحرام ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

ایسی دوا کا استعمال جس سے حمل نہ ہونے پائے، اگر شریعت کے نزدیک کسی قابل قبول شدید ضرورت کی وجہ سے ہو، تو حرج نہیں، ورنہ سخت شنیع ومعیوب ہے اور شرعاً ایسا قصد، ناجائز وحرام۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 208

رسول اللہ ﷺ نے خصی ہونے، الگ تھلگ کٹ کر رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور مانع حمل ادویات کا استعمال بھی اسی معنیٰ میں ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

علاج کی غرض سے کیکڑا کھانا یا شراب استعمال کرنا اور مریض کو بغیر بتائے ان چیزوں سے علاج کرنا حرام و سخت گناہ ہے۔

سوال کیا گیا کہ:

کیکڑا یا کسی قسم کی شراب، کوئی مریض کسی حالت میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کو پوشیدہ طور پر کھلائے یا پلائے، تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہوگا؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

"کیکڑا کھانا حرام ہے اور شراب بدن پر لگانا بھی حرام۔ اگر اللہ عزوجل کو بچانا منظور ہو، تو جان، حلال دواؤں سے بھی بچ سکتی ہے۔ ورنہ حرام دوائیں، سوائے گناہ کے کچھ اضافہ نہ کریں گی۔

جو پوشیدہ طور پر کسی مسلمان کو حرام چیز کھلائے یا پلائے، سخت حرام کا مرتکب اور شدید سزا کا مستحق ہے۔ لیکن اگر مریض کو معلوم نہ ہو، تو اس پر کوئی وبال نہیں۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

صغیرہ گناہ بغیر توبہ کئے لگاتار کئے جاتے رہنے سے کبیرہ بن جاتے ہیں۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 207

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 208

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا صغيرة مع الاصرار))

''یعنی کوئی صغیرہ گناہ، اصرار کے بعد صغیرہ نہیں رہتا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

دیگر ورثاء کی اجازت سے ترکے پر کیا گیا خرچ وصول کیا جاسکتا ہے، بلا اجازت نہیں۔

دریافت کیا گیا:

ایک شخص کا انتقال ہوا۔ اس نے ترکے میں منقولہ وغیر منقولہ جائیداد چھوڑی ہے۔ اس کے چار بیٹے ہیں، جن میں سے تین نے والد کی زمین سے خوراک ولباس کے اخراجات کے مطابق حصہ وصول کرلیا ہے اور باقی جو کچھ ہے، وہ چوتھے بیٹے کے پاس موجود ہے۔ اس چوتھے کے پاس دوسروں کی بنسبت زیادہ ہے، لیکن وہ اس زائد کو اپنی اور بھائیوں کی تمام زمین کے جملہ اخراجات پورے کرنے میں صرف کرتا ہے تاکہ سرکاری دفاتر سے ضرر رسانی کے خطرے کو پورے مال پر سے ختم کرسکے۔ کیا ایسی صورت میں اس بیٹے کو غاصب وکافر کہہ سکتے ہیں؟ اور اس کی دعوت مہمانی کھانا اور قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نے اپنی کمائی سے جو زمین خریدی، اسے تقسیم سے علیحدہ رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور دوسرے بھائیوں کا اس میں سے حصہ طلب کرنا کیسا ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگرچہ چوتھا بیٹا، باقی ورثاء کی رضامندی سے ان کے حصے پر قابض ہے اور ان کی طرف

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب، حديث: 7944.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے سرکاری اخراجات کی ادائیگی کے بعد بقیہ آمدن کو برابر برابر تقسیم کرتا ہے یا منافع میں سے ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے اخراجات ان کو دیتا ہے اور باقی مال کو ان کی رضامندی سے اپنے پاس جمع رکھتا ہے، تو اس صورت میں تو وہ ہرگز غاصب نہیں، کیونکہ مالکان کی جانب سے قبضے کی اجازت ہے اور زمین کی آمدن میں کوئی باطل تصرف نہیں ہے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں پر قابض ہے اور ان کے حقوق میں بے جا مداخلت کا مرتکب ہو رہا ہے، تو ضرور غاصب ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی کافر نہیں، کیونکہ جو چیز اسلام میں داخل کرتی ہے، مسلمان اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

نیز پہلی صورت میں (یعنی جب باطل تصرف وغیرہ ثابت نہیں) اس کی دعوت قبول کرنا بلا شبہ جائز ہے۔

جب کہ دوسری صورت میں اگر اپنے مال سے دعوت کرے، تو اب بھی قبول میں کوئی حرج نہیں اور اگر مغصوبہ مال سے دعوت کرے، تو نا جائز ہے۔

نیز اگر دوسری صورت میں غاصبانہ کاروائی پر اصرار کرے، تو اس سے میل جول منع ہے اور اب اگر اپنے مال سے بھی دعوت کرے، تو اسے قبول نہیں کرنا چاہیے، تا کہ اسے نصیحت و عبرت حاصل ہو۔

اس کی اپنی کمائی سے خریدی گئی زمین میں دیگر ورثاء کا (فی الحال) کوئی حصہ نہیں، لہٰذا ان کا مطالبہ نا جائز ہے، کیونکہ وارث کا حصہ مورث کے مال میں ہے، دوسرے وارث کے مال میں نہیں۔ [1]

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 676

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مسجد کا وقف مال اپنے مصرف میں لے لیا ہو، تو ویسا یا اس سے بہتر مسجد میں رکھنا اور صدق دل سے توبہ کرنا واجب ہے۔

دریافت کیا گیا:

ایک شخص کے انتقال پر بانیٔ مسجد نے مسجد کی چٹائی میت کی قبر کے تختوں پر رکھنے کے لئے اس نیت کے ساتھ دے دی کہ اس کے بجائے دوسری چٹائی مسجد میں رکھ دی جائے، کیونکہ اس وقت تنگیٔ وقت کی بناء پر دوسری چٹائی کا ملنا دشوار تھا، تو شرعاً ان کا یہ عمل کیسا ہے اور اس کا کیا کفارہ ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

وہ شخص گناہ گار ہوا اور خاص بارگاہِ الٰہی کا مجرم قرار پایا، کیونکہ وقف شدہ مال کو غصب کرنے کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اس کا کفارہ، صدق دل سے توبہ اور ویسی ہی یا اس سے بہتر چٹائی مسجد میں رکھنا ہے۔ اور اگر وسعت رکھتا ہے، تو مسجد کی خدمت اور نیک و مساکین کی حاجت روائی میں، بقدرِ قدرت پاک نیت سے صرف کرے، تا کہ اس کی یہ خدمت اللہ عزوجل کو پسند آجائے اور اس کی رحمت، توجہ فرما کر گناہ دھودے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۟ۚ﴾

''یعنی بے شک نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔''[1]

---

[1] ھود: 114 (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 677)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

امانت بغیر کسی ذاتی کوتاہی کے ضائع ہو جائے، تو دینے اور لینے والے میں سے کوئی بھی قابل گرفت نہیں۔

دریافت کیا گیا:

زید نے چندے کی مد میں ایک سو روپے مقرر کیے، چندہ وصول کرنے والا آیا، تو اس نے سو روپے کا چیک لکھ دیا۔ وصول کرنے والے نے اسے کیش کروانے میں سستی و غفلت کی بناء پر دیر کی اور چوبیس روز اسی طرح گزر گئے۔ اسی اثناء میں بینک دیوالیہ ہو گیا اور پیسے ضائع ہو گئے، صورتِ مذکورہ میں کس کے پیسے ضائع ہوئے، دینے والے کے، چندہ وصول کرنے والے کے یا ادارے کے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

دیوالیہ ہو جانا بینک والے کا ظلم ہے، چندہ وصول کرنے والے پر کچھ الزام نہیں۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾

''یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان، کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔''

(انعام۔ 164)

اور چوبیس روز سستی کرنے کی بناء پر بھی اس پر کوئی الزام نہیں، اسے کیا معلوم تھا کہ ان دنوں میں بینک دیوالیہ ہو جائے گا۔

﴿وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِيْنَ ۝﴾

''یعنی اور ہم غیب کی حفاظت کرنے والے نہیں تھے۔'' (یوسف: 81)

اور بالفرض اسے بینک کے دیوالیہ ہونے کی خبر بھی ہوتی اور وہ جان بوجھ کر سستی کرتا رہتا، جب بھی اس پر روپے ضائع ہونے کے الزام کے عائد کرنے کی کوئی وجہ نہیں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھی، کیونکہ وہ نہ (تو بینک دیوالیہ ہونے کا) سبب ہے اور نہ خود بینک کو دیوالیہ کرنے والا۔
چنانچہ قاعدۂ شرعیہ ہے کہ:

(اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر)

"جب سبب اور ارتکاب فعل کرنے والے کے درمیان معاملہ دائر ہو جائے، تو حکم ارتکاب کرنے والے کی جانب منسوب ہوگا۔"

دوسرا قاعدہ ہے کہ:

(تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبة)

"یعنی فاعل مختار کا فعل حائل ہو جائے، تو (اس معاملے میں دوسروں کی جانب) نسبت منقطع ہو جاتی ہے۔"

چنانچہ چندہ وصول کرنے والے پیسے ضائع ہونے کا حکم لگانے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ چندہ دینے والے کے ہی پیسے گئے۔

رہا چندہ، تو دینے والے اس سلسلے میں ایک نفلی قدم اٹھانے والا تھا اور (قاعدہ ہے کہ) (لا جبر علی المتبرع) یعنی مفت میں دینے والے پر کوئی جبر نہیں ہوتا، چنانچہ اس سے بھی مطالبہ نہیں ہو سکتا، نہ اس میں اس کا کوئی قصور ثابت، کیونکہ اس نے تو چیک لکھ دیا تھا اور بالفرض اگر لکھ کر نہ دیتا، بلکہ فقط وعدہ ہی کرتا اور پھر اس وعدے سے پھر جاتا، جب بھی شرعاً اگرچہ برا تھا، مگر اس پر جبر کا اختیار اب بھی کسی کو نہ تھا۔

اشباہ میں ہے:

(لا جبر علی الوفاء بالوعد)

"یعنی وعدے پورے کرنے پر جبر نہیں ہوتا۔

(الفن الثانی، کتاب الحظر والاباحة)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ پیسہ دے دے، تو یہ اس کی جانب سے ایک بھلائی کا کام ہوگا۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا لا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○﴾

"یعنی جو شخص بلاعوض بھلائی کرے، تو اللہ عزوجل قبول فرمانے والا، جاننے والا ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر ظلماً طے شدہ سے کم تنخواہ دی جائے، تو بقدر کمی مالک سے چھپ کر لے لینا جائز ہے اور اگر طے شدہ ہے، لیکن قابلیت کے اعتبار سے کم ہے، تو اب نہیں لے سکتے۔

دریافت کیا گیا:

ایک شخص ہندو بنئے کے ہاں ملازم ہے، اگر وہ اسے پوری تنخواہ نہ دے، تو کیا اس کے لئے اس سے چھپا کر مال لے لینا جائز ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں۔

ایک یہ کہ:

جس قدر مقرر کی گئی تھی، اس سے کم دیتا ہے۔ اس صورت میں جتنی کمی رہتی ہے، اتنی مقدار تک، اس کے مال سے، اس کی اجازت کے بغیر لے سکتا ہے۔ مثلاً دس روپے تنخواہ مقرر ہوئی تھی، لیکن کسی مہینے مالک نے ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے، تو یہ پانچ روپے کی مقدار اس کے مال سے لے سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔

---

[1] بقرہ: 158 (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 685)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دوسرے یہ کہ:

جتنی تنخواہ ہونی چاہیے تھی، اتنی مقرر نہیں کی، مثلاً وہ کام دس روپے ماہانہ کے قابل تھا، لیکن مالک نے اسے حاجت مند پا کر دبا کر پانچ روپے ماہانہ پر نوکر رکھا اور اس نے قبول کرلیا، تو اب زیادہ نہیں لے سکتا، کیونکہ اس سے زیادہ مقدار پر اس کا کوئی حق نہیں اور مالک کا جتنا مال اس کے قبضے میں ہے، وہ امانت ہے اور امانت میں خیانت اور معاہدے میں دھوکہ دہی کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ؕ﴾

''یعنی اے ایمان والو! لین دین کے معاہدوں کو پورا کرو۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر مشترکہ چیز کو جان بوجھ کر توڑا، تو تاوان ہے اور غلطی سے ٹوٹ گئی، تو نہیں۔

دریافت کیا گیا:

شے مشترکہ کہ ہر ایک شریک استعمال کرتا ہے، ٹوٹ جانے کی صورت میں اس شے کا تاوان کس پر ہوگا؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر ظلم و زیادتی کے بغیر ٹوٹی یا ضائع ہوئی، تو کسی پر نہیں اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑی یا ضائع کی، تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا۔[2]

---

① مائدہ: 1 (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 688)

② فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 688

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اپنا حق حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی چیز بلا اجازت لے سکتے ہیں۔ وہ مال ہم جنس ہو یا نہ ہو۔

دریافت کیا گیا:

زید نے بکر کا مال ناجائز طریق مثلاً: چوری، غصب یا ظلم سے لے لیا، تو کیا بکر کو جائز ہے کہ جب موقع ملے، تو زید کا مال بغیر اس کی اجازت کے لے لے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اپنے حق تک لینا جائز ہے، کیونکہ وہ زید کا مال نہیں اس کا اپنا ہے۔ اصل مذہب میں صرف جنس مال پر ہی قبضہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً سو روپے کسی نے ظلماً لئے، تو اسے اس کے روپے ہی لینے کا حق ہے۔ لیکن اب فتویٰ اس پر ہے کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے، تو غیر جنس سے بھی مقدارِ حق تک لے سکتا ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی کے تحفے میں حرام کی آمیزش کا شک بھی ہو، تو واپس کر دیا جائے۔

دریافت کیا گیا:

ایک کتاب بیچنے والے نے مجھے کچھ کتب تحفے میں دیں۔ کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص کسی اور کی دکان میں کام کرتا ہے اور ان کتابوں کا خود مالک نہیں، اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وہ کتب دی ہیں، اس صورت میں ہمیں کیا لازم ہے، کیا کتابیں اسی شخص کو واپس کی جائیں یا مالک کتاب کو، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص نے اپنی تنخواہ میں حساب

---

[1] فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 689

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کرلیا ہو، ہمارے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، نہ مالک دکان کو دی جائیں، کیونکہ کتب فروش کی جانب سے غصب یا چوری کا یقین حاصل نہیں ہوا اور مسلمان کے معاملات کو حتی الامکان اچھی صورت پر محمول کرنا واجب ہوتا ہے، بلکہ اسی تحفہ دینے والے کتب فروش کو واپس کر دی جائیں کہ اگر واقع میں اسی کی تھیں، تو بہتر، ورنہ اسے دینے سے آپ بری الذمہ ہوں گے۔

درمختار میں ہے:

(رد غاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبراعن ضمانہ)

''یعنی غاصب سے غصب کرنے والے نے مغصوبہ شے کو پہلے غاصب کو واپس کر دیا، تو اس سے ضمان ساقط ہو جائے گا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ کفار سے دوستی ومحبت رکھنا اور ان کے ساتھ بے تکلفانہ کھانا پینا حرام ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ میل جول قرآن وحدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

① اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے:

﴿وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ

① کتاب الغصب (فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 691)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الظَّالِمِيْنَ۝﴾

"اور اگر شیطان تجھے بھلادے، تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔"

(انعام-68)

یہاں ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت فرمائی گئی اور کافروں سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْجَآءَهٗ ط اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِيْنَ۝﴾

"یعنی تو اس سے بڑھ کر ظالم کون، جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا، جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا دوزخ میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے۔"

(زمر: 32)

جب کافر حد درجہ کا ظالم ہوا اور ظالم کے پاس بیٹھنے سے بھی منع کیا گیا، تو اب ان سے شیر وشکر ہونا اور ان کے ساتھ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا تو اور بھی بدتر قرار پائے گا۔

② حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله))

"جو مشرک کے ساتھ یکجا ہوا اور اس کے ساتھ رہا، تو وہ انہی کی مانند ہے۔"[1]

③ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((انا بریئ من كل مسلم مع مشرك لا ترى نارهما))

"میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں، جو مشرکوں کے ساتھ ہو اور مسلمان وکافر

---

① ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی الاقامة بارض الشرك

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی آگ آمنے سامنے نہ ہونی چاہیے (یعنی ان میں دوری لازم ہے)۔" [1]

④ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((لا تصاحب الا مؤمنا و لا یاکل طعامك الا تقی))

"تو فقط مؤمنین کے ساتھ ہی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا صرف پرہیزگار ہی کھائیں۔" [2]

⑤ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ریحا طیبة ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك اما ان تجد منه ریحا خبیثة))

"اچھے اور برے ہم نشین کی مثال یوں ہے، جیسے ایک کے پاس مشک ہو اور دوسرا دھونکنی دھونک رہا ہو۔ اب مشک والا یا تو تجھے مشک ویسے ہی دے گا یا تو اس سے خریدے گا اور کچھ بھی نہ سہی، تو خوشبو تو آئے گی اور وہ دوسرا تیرے کپڑے جلا دے گا یا تو اس سے بدبو پائے گا۔" [3]

معلوم ہوا کہ برا ہم نشین کسی نہ کسی طرح نقصان کا سبب ضرور بنے گا۔ یقیناً کافر بھی ایک برا ہم نشین ہے کہ اس کی وجہ سے ایمان کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے، لہٰذا اس کے

---

① ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب النهی عن قتل من اعتصم بالسجود

② مسند امام احمد بن حنبل، عن ابی سعید الخدری، جلد 3، صفحہ: 38۔

③ بخاری، کتاب الذبائح، باب المسك ...... مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحین

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شر سے محفوظ رہنے کی غرض سے اس سے دور رہنے کو لازم جاننا چاہیے۔

⑥ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مثل جليس السوء كمثل صاحب الكيران لم يصبك من سواده اصابك من دخانه))

"یعنی بدوں کی صحبت ایسی ہے، جیسے بھٹی کا لوہار کہ کپڑے کالے نہ بھی ہوئے، تو اس کا دھواں تو ضرور پہنچے گا۔"[1]

معلوم ہوا کہ کافر کی صحبت ضرور ضرور نقصان کا سبب بنے گی۔

⑦ آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اياك وقرين السوء فانك به تعرف))

"برے ہم نشین سے بچ، کیونکہ تو اسی کے ساتھ پہچانا جائے گا۔"[2]

یعنی برے ہم نشین کی وجہ سے انسان کو ویسا ہی جانا جاتا ہے۔ مثلاً نشہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے والا بھی نشئی مشہور ہو جاتا ہے، چاہے خود نشہ نہ کرتا ہو۔

⑧ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تقربوا الى الله ببغض اهل المعاصي والقوهم بوجوه مكفهرة والتمسوا رضا الله بسخطهم وتقربوا الى الله بالتباعد عنهم))

"گناہ گاروں سے بغض رکھ کر اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرو اور ان سے ترش روئی کے ساتھ ملو اور ان کی ناراضگی کے ذریعے، اللہ عزوجل کی رضا تلاش کرو اور

① ابوداؤد، كتاب الادب، باب من يومران يجالس......

② تهذيب تاريخ ابن عساكر، ترجمه الغزى الجرجاني الفقيه

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ان سے دوری کے ذریعے، اللہ عزوجل سے نزدیکی حاصل کرو۔"[1]

اور کافروں سے بڑھ کر اہل معاصی کون ہے، یہ تو سراپا معصیت ہیں اور ان کے پاس نیکی کا نام ہونا بھی محال ہے۔ لہٰذا ان سے اجتناب لازم۔

⑨ تجربہ گواہ ہے کہ ان کے ساتھ کھانا پینا، محبت والفت پیدا کرتا ہے اور کفار سے محبت والفت رکھنا، قاتل زہر ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ط﴾

"اور تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے، وہ انہیں میں سے ہے۔" (مائدہ: 51)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((المرء مع من احب))

"انسان (بروز قیامت) اس کے ساتھ ہوگا، جس سے اس نے محبت کی۔"[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثلث احلف علیھن وعد منھا لا یحب رجل قوما الا جعله الله معھم))

"تین چیزیں ہیں، جن پر میں قسم کھاتا ہوں (راوی کہتے ہیں) پھر آپ نے ان میں سے ایک چیز یہ شمار فرمائی کہ جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا، اللہ عزوجل انہیں اسی کا ساتھی بنائے گا۔"[3]

---

① کنز العمال، حدیث 5511، جلد 3، صفحہ: 67,81۔

② بخاری، کتاب الادب

③ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 6، صفحہ: 145۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من احب قوما حشره الله في زمرتهم))

"جو جس قوم سے محبت رکھے گا، اللہ عزوجل انہیں، ان کے گروہ میں ہی اٹھائے گا۔"①

⑩ بے شک یہ حرکت مسلمانوں کے لئے باعثِ نفرت ہوگی اور بلا وجہ شرعی مسلمانوں کو خود سے متنفر کرنا جائز نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((بشروا ولا تنفروا))

"دل خوش کرنے والی باتیں کرو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔"②

⑪ اس فعل کی قباحت کا ادنیٰ درجہ کم از کم یہ تو ہے کہ یہ بات سننے والوں کو بہتر محسوس نہ ہوگی اور ایسے فعل کی شرع میں ممانعت ہے۔

حضرت ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اياك ومايسوء الاذن))

"اس بات سے بچ، جو کان کو بری لگے۔"③

⑫ یہ حرکت مسلمانوں کے سامنے معذرت کرنے کی جانب محتاج کرے گی اور عاقل کا کام نہیں کہ ایسی بات کا مرتکب ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① المعجم الكبير للطبرانی، جلد3، صفحہ: 19.
② بخاری، كتاب العلم، جلد1، صفحہ: 16.
③ مسند امام احمد بن حنبل، جلد4، صفحہ: 76.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

((ایاك وكل امر يعتذر منه))

''اس بات سے بچ جس میں عذر کرنے کی حاجت درپیش ہو۔''[1]

⑬ صحبت یقیناً اثر انداز ہوتی ہے اور طبیعتیں فوری اثر قبول کرنے والی اور دل پلٹنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((انما سمی القلب من تقلبه انما مثل القلب مثل ريشة بالفلاة تعلقت فی اصل شجرة تقلبها الرياح ظهرالبطن))

''دل کو قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ پلٹتا رہتا ہے۔ دل کی کہاوت ایسی ہے، جیسے جنگل میں کسی پیڑ کی جڑ سے ایک پر لپٹا ہے کہ ہوائیں اسے اِدھر اُدھر پلٹ رہی ہیں، کبھی سیدھا، کبھی الٹا۔''[2]

خلاصۂ کلام یہ کہ بلاضرورتِ شرعیہ اس کام کا مرتکب وہی ہوگا، جو دین میں بدعت ایجاد کرنے والا اور عقل سے دور ہے۔ غور کیجئے کہ کتنے شرم کی بات ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کو کوئی گالی دے، تو یہ اس کی صورت تک دیکھنے کو روادار نہ ہوگا اور اللہ و رسول (لوا) کو برا کہنے والے کو ایسا یارِ غار بنایا جائے؟...... انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من ولده ووالده والناس اجمعين))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اسے

---

① الفردوس بماثور الخطاب، جلد1، صفحه: 431.

② كنزالعمال، بحواله طبرانی، جلد1، صفحه: 241.

اس کی اولاد اور ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔'' [1]

دلائل کثیر ہیں اور سمجھنے والے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اگر کوئی اب بھی نہ مانے تو سخت دل ہے اور کافر آگ۔ جو پتھر آگ کا ساتھ دے گا، وہ خود اتنا گرم ہو جائے گا کہ آدمی کو اس سے بچنا چاہیے، پس اگر اہل اسلام ان لوگوں سے بچیں، تو کچھ زیادتی نہ ہوگی۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی جھگڑے میں ناحق کی مدد کرنا، حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من اعان علی خصومة بغیر حق لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع))

''جو کسی جھگڑے میں ناحق والوں کو مدد دے، وہ ہمیشہ خدا کے غضب میں رہے گا، یہاں تک کہ اس سے باز آجائے۔'' [3]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ہندو کو نوکری پر رکھنا جائز ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہندو کو مزدوری پر رکھنا اور اسے مزدوری کے طور پر پیسہ یا خوراک دینا جائز ہے۔ [4]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 311

[3] ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من ادعی مالیس لہ.....

[4] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 325 (نوٹ: اگر ہندو اور مسلمان دونوں نوکری کے خواہش مند اور معیار و صلاحیت میں برابر ہوں، تو مسلمان کو فوقیت دینا اولیٰ ہے)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ہندوؤں سے قلبی محبت رکھنا حرام اور بوقتِ ضرورت فقط ظاہری برتاؤ جائز ہے اور حتی الامکان اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:
دلی انس رکھنا، کسی بھی کافر سے ہو، حرام ہے اور کسی جائز کام کے لئے ظاہری میلان، جس میں نہ کسی کافر کی تعظیم ہو اور نہ کسی مسلمان کی ذلت اور نہ ہی کوئی ناجائز طریقہ اختیار کیا جائے، ہندو کے ساتھ کرنے میں حرج نہیں، لیکن بلاضرورت اس سے بھی بچے کہ آپس میں راہ و رسم بڑھ کر اکثر ناجائز باتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

سرعام گناہ کرنے والا یعنی فاسق مُعلِن اگر نیک اعمال کا ارتکاب بھی کرتا ہو، تو اس سے میل جول کے جائز و ناجائز کے ثبوت کے لئے، اس کے فسق و فجور کو بنیاد بنایا جائے گا۔

پوچھا گیا:
ایک شخص نے زناء وسود وغیرہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ افعال نیک بھی کرتا ہے اور علماء و مشائخ سے محبت رکھتا ہے۔ تو اگر نیک اعمال کی وجہ سے ایسے شخص سے محبت و دوستی و میل جول رکھا جائے، تو ان آیات واحادیث کا خلاف لازم آتا ہے، جس میں فاسق سے بچنے، دور رہنے اور بغض رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور برے اعمال کے پیش نظر، ایسے شخص سے دور رہا جائے، تو ان احادیث وآیات کا خلاف لازم آتا ہے، جس میں مسلمانوں سے میل جول رکھنے اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے، تو ایسے شخص سے کیسا

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 325

KUFRISTAN.BLOGSPOT.COM

برتاؤ کیا جائے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں:

دو مختلف وجوہات کی بناء پر محبت اور بغض جمع ہو سکتے ہیں، بلکہ فاسق سے بغض کا حکم، اس کی ذات سے نہیں، بلکہ اس کے فعل سے متعلق ہے (یعنی اس کی ذات سے بغض رکھنے کا حکم نہیں، بلکہ اس کے فعل سے نفرت کی تاکید ہے)۔ ایسے شخص سے برتاؤ میں اکابرین اسلام کا طریقہ مختلف رہا ہے۔ اور ان کے طریقوں کے مختلف ہونے کی بنیاد دراصل فساق کی حالتوں کا مختلف ہونا ہے۔

چنانچہ جس فاسق کے بارے میں یہ گمان ہو کہ نرمی اور محبت سے سیدھی راہ کی جانب آجائے گا، وہاں یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

اور جس کے بارے میں یقین ہو کہ شدت اور قطع تعلق سے متاثر ہو کر افعال قبیحہ چھوڑ دے گا، وہاں یہی کرنا چاہیے۔

اور جس سے کسی طرح کی امید نہ ہو، اس سے مطلقاً بچنا چاہیے۔ خصوصاً دو قسم کے اشخاص کو۔ ایک وہ جو اس کی صحبتِ بد سے متاثر ہونے کا اندیشہ رکھے اور دوسرا وہ، جو عالم اور قوم کا رہنما ہو کہ اسے، ان سے میل جول رکھتا دیکھ کر عوام کے قلوب سے گناہ کی برائی کم ہو جائے گی۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حقوق العباد سے متعلق احادیثِ کریمہ، مسلمان وذمی کافر وجانور سب کو شامل ہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 327

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حقوق سے متعلق احادیث واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم مطلق ہیں یعنی چاہے مؤمن ہو یا کافر ذمی، انسان ہو یا حیوان۔ اسی لئے ائمہ کرام نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ (بروزِ قیامت) جانوروں کا جھگڑنا اور فریق مخالف ہونا، ذمی کافر کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے اور ذمی کی مخالفت، مسلمان کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ناحق والدین کو اذیت دینے والا سخت گناہ گار ہے، اس کا کوئی فرض یا نفل قبول نہ ہوگا، اسے جنت سے محروم رکھا جائے گا اور اسے دنیا میں ہی اس کی نافرمانی کی سزا دی جائے گی، ہاں اگر توبہ کرلے، تو اللہ عزوجل کی رحمت بہت وسیع ہے۔ اور اگر کسی نے والدین کی توہین وتذلیل کو بلا تاویل جائز سمجھا، تو کافر ہے۔

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد))

"اللہ عزوجل کی رضا، والد کی رضا میں اور اللہ عزوجل کی ناراضگی، والد کی ناراضگی میں پوشیدہ ہے۔" ②

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((ھما جنتك ونارك)) "وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔" ③

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 381

② ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین

③ ابن ماجہ، ابواب الادب، باب بر الوالدین

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث والرجلة من النساء))

"تین اشخاص جنت میں نہ جائیں گے۔ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، (وہ) بے حیاء (جو اپنے گھر والوں کی برائی سے جان بوجھ کر چشم پوشی کرتا ہے) اور وہ عورت جو مردانی وضع بنائے۔"①

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((ثلثة لایقبل الله عزوجل منهم صرفا ولاعدلا عاق ومنان ومکذب بقدر))

"تین اشخاص ہیں کہ اللہ عزوجل ان کا نہ نفل قبول فرماتا ہے اور نہ فرض۔ماں باپ کا نافرمان، صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور تقدیر کا انکار کرنے والا۔"②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((کل الذنوب یؤخرالله منهاماشاء الی یوم القیامة الا عقوق الوالدین فان الله یعجله لصاحبه فی الحیاة قبل الممات))

"اللہ عزوجل جس گناہ کی سزا چاہے، قیامت تک اٹھائے رکھتا ہے، مگر ماں باپ کی نافرمانی کی سزا میں جلدی فرماتے ہوئے نافرمان کو موت سے پہلے پہلے سزا دیتا ہے۔"③

---

① نسائی، کتاب الزکوة، باب المنان بمااعطی

② العلل المتناهیة، باب ذکر القدر والقدریة، حدیث: 239.

③ المستدرک للحاکم، کتاب البر والصلة، باب کل الذنوب یوخرالله ماشاء منها

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((الا انبئکم باکبر الکبائر الا انبئکم باکبر الکبائر الا انبئکم باکبر الکبائر))

''یعنی کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الاشراك بالله وعقوق الوالدين))

''یعنی کسی کو اللہ عزوجل کا شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ملعون من عق والديه ملعون من عق والديه ملعون من عق والديه))

''یعنی وہ شخص ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے، وہ شخص ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے، وہ شخص ملعون ہے، جو اپنے والدین کو ستائے۔''[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لعن الله من سب والديه))

---

[1] بخاری، کتاب الشهادات، باب ماقيل فی شهادة الزور

[2] الترغیب والترهیب بحواله الطبرانی والحاکم، حدیث: 4.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی اس شخص پر اللہ ﷻ کی لعنت ہو، جو اپنے والدین کو گالی دے۔''[1]

حضرت عبداللہ بن ابی اَوْفیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک نوجوان کو بوقتِ نزع کلمۂ پاک کی تلقین کی گئی، لیکن وہ باوجودِ کوشش نہ کہہ سکا۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کی خبر دی گئی۔ آپ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور بذاتِ خود تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہہ لا الہ الا اللہ۔ اس نے عرض کی، مجھ سے نہیں کہا جاتا۔ دریافت فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟ عرض کی گئی، یہ نوجوان اپنی ماں کو ستاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی والدہ کو اپنے پاس بلوایا اور پوچھا، کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا:

((ارایت لو اججت نار ضخمة فقیل لك ان شفعت له خلیناه والا حرقناه اکنت تشفعین له))

یعنی تیری اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر ایک عظیم الشان آگ بھڑکائی جائے اور کوئی تجھ سے کہے کہ تو اپنے بیٹے کی سفارش کرے، تو ہم اسے چھوڑتے ہیں، ورنہ جلا دینگے، کیا تو اس وقت اس کی شفاعت کرے گی؟

اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اس وقت تو میں اس کی شفاعت کروں گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، تو پھر اللہ ﷻ اور مجھے اس بات پر گواہ کر لے کہ تو اس سے راضی ہوگئی۔ اس نے عرض کی، الٰہی! میں تجھے اور تیرے رسول ﷺ کو گواہ کرتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے بیٹے سے فرمایا: اے لڑکے! کہہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله.

---

[1] موارد الظمان، باب فی الکبائر، حدیث: 53.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اب اس نوجوان نے کلمہ پڑھا، تو کوئی دقت محسوس نہ ہوئی اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((الحمدللہ الذی انقذہ بی من النار)) ''اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے میرے ذریعے اس نوجوان کو آگ سے بچا لیا۔''①

حضرت عَوَّام بن حَوْشَب رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ اجلہ تابعین میں سے ہیں اور آپ نے 148ھ میں وصال فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں:

میں ایک محلے میں گیا، اس کے کنارے پر ایک قبرستان تھا۔ عصر کے وقت اچانک ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک انسان برآمد ہوا، جس کا سر گدھے اور باقی دھڑ انسان کا تھا۔ اس نے تین مرتبہ گدھے کی طرح آواز نکالی اور قبر میں غائب ہو گیا۔ وہاں ایک بڑھیا سوت کات رہی تھی۔ ایک عورت نے اس کی جانب اشارہ کر کے کہا، اس بڑھیا کو دیکھ رہے ہو؟

میں نے کہا، ہاں۔ کہنے لگی، یہ اس قبر والے کی ماں ہے، وہ شراب پیتا تھا۔ جب شام کو آتا، تو ماں نصیحت کرتی کہ اے بیٹے! خدا سے ڈر، کب تک یہ ناپاک شے پیتا رہے گا؟ یہ جواب دیتا، تو تو گدھے کی طرح چلاتی رہتی ہے۔ اب جب سے یہ شخص مرا ہے، ہر روز عصر کے وقت یہ قبر پھٹتی ہے اور یہ تین مرتبہ گدھے کی طرح آواز نکال کر غائب ہو جاتا ہے۔

(شرح الصدور۔ بحوالہ اصبہانی فی الترغیب۔ باب عذاب القبر)

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کریمہ کو نقل فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:
ان امور سے ثابت ہوا کہ ماں باپ کا نافرمان گناہ گار اور اللہ عزوجل کے حکم کا مخالف ہے، لیکن اس سے اس شخص کا منکرِ خدا ہونا لازم نہیں آتا، چنانچہ اسے کافر نہیں کہہ سکتے ہیں، ہاں اگر مطلقاً بغیر کسی تاویل کے یہ کہے کہ ماں باپ کی اطاعت شرعاً ضروری نہیں یا

---

① شعب الایمان، حدیث: 7892.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

معاذ اللہ باپ کی توہین وتذلیل جائز ہے، وہ بے شک منکر الٰہی ہوگا اور اس پر صریح الزام کفر ہے۔①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اولاد پر ماں کا حق، باپ سے زیادہ ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد پر ماں باپ کا حق نہایت عظیم ہے اور ماں کا حق، باپ سے بڑھ کر ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾

"اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کی تلقین فرمائی۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں تکلیف سے رکھا اور تکلیف سے پیدا کیا۔ اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھٹنا، تیس مہینے میں ہے۔" (احقاف: 15)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ رب العزت نے ماں باپ دونوں کے حق میں تاکید فرما کر ماں کو خاص طور پر الگ ذکر کیا اور اس کی، دورانِ حمل، بچے کی پیدائش اور دو برس تک اپنے خون کا عطر (دودھ) پلانے میں جو تکلیفیں پیش آئیں، انہیں الگ شمار کیا، جن کے باعث اس کا حق بہت اشد اور اعظم ہو گیا۔

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 385 (نوٹ: مذکورہ احادیثِ کریمہ دو مختلف مقامات سے اخذ شدہ ہیں۔ جب کہا امام احمد رضا علیہ الرحمۃ الرحمٰن کا آخر میں نتیجہ مرتب فرمانا، ان میں سے ایک مقام کے بعد تھا۔ موضوع کی یکسانیت کی بناء پر دوسرے مقام کی احادیث بھی یہاں لکھ دی گئی ہیں)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ﴾

''اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔'' (لقمان: 14)

یہاں ماں باپ کے حق کی کوئی انتہاء نہ بیان فرمائی کہ انہیں اپنے حق جلیل کے ساتھ شمار فرمایا۔ ان آیاتِ مقدسہ کی مثل بہت سی احادیث بھی ہیں کہ جن سے ماں کے حق کا باپ کے حق سے زائد ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:

((سألت رسول الله ﷺ ای الناس اعظم حقا على المرأة قال زوجها قلت فاى الناس اعظم حقا على الرجل قال امه))

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی، عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا: شوہر کا۔ میں نے عرض کی اور مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا: اس کی ماں کا۔''[1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((جاء رجل الى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله (صلى الله عليك وسلم) من احق الناس بحسن صحابتي قال

[1] المستدرك للحاكم، كتاب البر والصلة، باب اعظم الناس حقا على الرجل امه

امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك))

''ایک شخص نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیك وسلم)! کون سب سے زیادہ اس کا حق دار ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک سلوک کروں؟ فرمایا: تیری والدہ۔ اس نے عرض کی، پھر کون؟ فرمایا: تیری والدہ۔ اس نے عرض کی، پھر کون؟ فرمایا: تیری والدہ۔ اس نے عرض کی، پھر کون؟ فرمایا: تیرا والد۔''[1]

لیکن ماں کے حق کے زائد ہونے کا مطلب فقط یہ ہے کہ خدمت اور کچھ دینے میں ماں کو باپ پر فوقیت دے۔ مثلاً سو روپے ہیں اور ماں کی فضیلت کی راہ میں کوئی رکاوٹ (مثلاً معاذ اللہ مرتدہ ہونا) بھی نہیں، تو ماں کو پچھتر (75) دے اور باپ کو پچیس (25) یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا، تو ماں کو پہلے دے اور باپ کو بعد میں یا دونوں سفر سے آئے، تو پہلے ماں کے پاؤں دبائے، پھر باپ کے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ماں باپ کا جھگڑا ہوگیا، تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کو تکلیف دینے کی کوشش کرے یا اس پر کسی طرح کی سختی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبانہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرے، کیونکہ یہ سب باتیں ناجائز و حرام اور اللہ عزوجل کی نافرمانی ہیں، چنانچہ اسے ماں باپ میں سے کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں۔ یہ دونوں اس کی جنت و دوزخ ہیں، جسے تکلیف دے گا، جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ مثلاً ماں چاہتی ہے کہ بیٹا باپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے، اب یہ نہیں مانتا، تو ماں ناراض ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں ماں کو ناراض ہونے

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دے، ہرگز اس کی اطاعت نہ کرے۔ یونہی باپ اگر ماں کے معاملے میں زیادتی پر ابھارے، تو اس کی بھی اطاعت نہ کی جائے گی۔

ایسی صورت میں اگر اطاعت نہ کرنے کے باعث یہ ناراض ہوتے ہوں، تو ایسی ناراضگی کا بالکل لحاظ نہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ ان کی زیادتی ہے کہ اولاد سے اللہ عزوجل کی نافرمانی کروانا چاہتے ہیں۔

بلکہ ہمارے علمائے اسلام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح دی جائے گی، جس کی مثالیں ابھی بیان کی گئیں اور تعظیم باپ کی زائد ہے، کیونکہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(اذا تعذر علیہ جمع مراعاۃ حق الوالدین بان یتاذی احدھما بمراعاۃ الآخر یرجح حق الاب فیما یرجع الی التعظیم والاحترام وحق الام فیما یرجع الی الخدمۃ والانعام وعن علاء الائمۃ الحمامی قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالیٰ الاب یقدم علی الام فی الاحترام والام فی الخدمۃ حتی لو دخلا علیہ فی البیت یقوم للاب ولو سألا منہ ماء ولم یاخذ من یدہ احدھما فیبدأ بالام کذا فی القنیۃ)

”جب آدمی کے لئے ماں باپ میں سے ہر ایک کے حق کی رعایت مشکل ہو جائے، مثلاً ایک کی رعایت سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے، تو تعظیم واحترام میں والد کے حق کی رعایت کرے اور خدمت میں والدہ کے حق کی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

علامہ حمامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہمارے ائمہ فرماتے ہیں کہ احترام میں باپ مقدم ہے اور خدمت میں والدہ مقدم ہوگی، حتیٰ کہ اگر گھر میں دونوں اس کے پاس آئے ہیں، تو باپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو اور اگر دونوں نے اس سے پانی مانگا اور کسی نے اس کے ہاتھ سے نہ پکڑا، تو پہلے والدہ کو پیش کرے، اسی طرح ''قنیہ'' میں ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

عورت پر اس کے شوہر کا حق، ماں باپ کے حق سے بھی زائد ہے، جب کہ شوہر پر سب سے زیادہ اپنی ماں کا، پھر باپ کا اور اس کے بعد زوجہ کا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے یعنی زوجہ کا حق ماں سے، بلکہ باپ سے بھی کم ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

سات شرائط پائی جائیں، تو دیا ہوا ہبہ و تحفہ واپس لینے کا اختیار ہے، لیکن واپسی کا یہ مطالبہ مکروہِ تحریمی ہے اور اگر ان میں سے ایک بھی کم ہو، تو واپس نہیں لے سکتا۔

وہ شرائط یہ ہیں:

① جسے تحفہ دیا تھا، وہ اس کا ذی رحم محرم نہ ہو۔ یعنی نسب کی رو سے ان میں باہم ایسا رشتہ

---

① کتاب الکراھیۃ، الباب السادس والعشرون (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 389)

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 389

نہ ہو، جو ہمیشہ ہمیشہ نکاح حرام ہونے کا سبب بنتا ہے۔ جیسے:

ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا اور بھانجی۔

② تحفہ لینے اور دینے والے، تحفہ دیتے، لیتے وقت آپس میں میاں بیوی بھی نہ ہوں۔

③ تحفہ لینے والا، تحفہ لیتے وقت شرعی فقیر بھی نہ ہو۔

④ تحفہ لینے والے نے، دینے والے کو کوئی چیز باقاعدہ جتا کر، اس تحفے کے بدلے میں ادا نہ کی ہو۔

⑤ جس شے کو ہبہ کیا گیا، لینے والے نے اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہ کی ہو، جس سے اس کی قیمت میں اضافہ گیا ہو، جیسے زمین میں عمارت قائم کر دینا یا درخت اگا دینا، کپڑے کو رنگ دینا، دبلے پتلے جانور کو موٹا تازہ کر دینا وغیرھا۔ لیکن اس صورت میں شرط ہے کہ واپسی کے مطالبے کے وقت وہ زیادتی باقی بھی ہو۔

⑥ وہ شے تحفہ لینے والے کی ملک میں باقی بھی ہو یعنی اس نے آگے بیچ نہ دی ہو، نہ ہی کسی اور کو ہبہ کی ہو۔

⑦ تحفہ لینے اور دینے والا دونوں زندہ بھی ہوں۔

ذکر شرائط کے بعد کم از کم یہ باتیں بھی ضرور ذہن نشین رہیں۔

ان تمام شرائط کے ساتھ تحفہ دینے والا، دئے گئے تحفے کو واپس لے سکتا ہے، لیکن فقط دو صورتوں میں:

① تحفہ وصول کرنے والا، واپس دینے پر راضی ہو جائے۔

② یا کسی حاکم شرع کے حکم سے واپس کروائے۔

لیکن یاد رہے کہ ان دونوں صورتوں میں تحفہ واپس لینا بہر حال "مکروہِ تحریمی" ہی رہے گا۔ چنانچہ ایسا کرنا شرعاً ممنوع اور باعثِ گناہ ہے۔ کیونکہ:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((العائد فی هبته کالکلب یعود فی قیئه))

"یعنی ہبہ واپس لینا والا، اس کتے کی مثل ہے، جو قے کر کے چاٹنے والا ہو۔"[1]

چنانچہ اگران دوصورتوں میں سے کوئی نہ ہو، بلکہ جبراً واپس لینا یا حاکم شرع کے علاوہ کسی اور کے حکم سے واپس لینا ثابت ہو، تو یہ واپسی بالکل جائز نہیں۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی کو نوٹ کھلا کروانے کے لئے دیا، اس سے گم گیا، تو اس پر بالکل تاوان نہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا:

زید نے بکر کو ایک نوٹ اس غرض سے دیا کہ اپنے مالک کی دکان سے اس کا کھلا کروا کر بھیج دینا۔ وہ نوٹ راستے میں کہیں گر گیا، تو کیا بکر یا اس کا مالک، اس کا ذمہ دار ہوگا؟

آپ نے جواب دیا، مالک سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور نہ ہی بکر پر اس کا کوئی تاوان آسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی بے احتیاطی سے نہ گما ہو۔[3]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

عاریۃً لیا ہوا زیور گم گیا، تو کچھ تاوان نہیں، اگرچہ لینے والا بخوشی ویسا ہی زیور بنوا کر دینے پر راضی ہو۔

---

[1] بخاری، کتاب الھبه، ج 1، ص: 357۔

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 198

[3] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 155

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا:

ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے۔ پھر وہ زیور گم ہوگئے، اب وہ شخص اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنوا کر دینا چاہتا ہے، زید کے لئے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

آپ نے جواب دیا:

جب کہ وہ زیور اس شخص کی کوتاہی کے بغیر گم ہوا ہے، تو اس کے بدلے میں کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی و ناخوشی کو دخل نہیں۔ بہت سے لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، کیا اس کا لینا حلال ہو جائے گا؟ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

گھر میں بندر پالنا مکروہ و ناپسندیدہ کام ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں کئے گئے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

ہاں بے شک اس کا پالنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے، کیونکہ یہ فاسق جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔ پس اس سے سوائے ایذاء رسانی کے کچھ اور حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اسے تالع کر کے رکھا جائے، تب بھی پالنا حرام ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بھینس وغیرہ کا بچہ مر جائے اور اس بچے کی کھال سکھا کر اس میں کچھ بھر کر بصورت بچہ

---

(1) ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید)

(2) ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 661

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بنا کر سامنے رکھا جائے، تا کہ وہ دودھ دے، جائز ہے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بلی تکلیف دیتی ہو، تو اسے آبادی سے دور بھجوا دینا جائز ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی بلی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

بلی اگر ایذاء دیتی ہو، تو اسے باہر چھوڑنے میں حرج نہیں اور تیز چھری سے ذبح بھی کر سکتے ہیں۔ مگر ایسی جگہ چھوڑنا جائز نہیں کہ جہاں وہ اپنے رزق تک نہ پہنچ سکے۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

جانوروں کا خصی کروانا، جائز مقصد کے تحت جائز ہے، انسان کا کسی صورت میں جائز نہیں۔

سوال کیا گیا کہ:

جانوروں کا خصی کروانا، جیسے بیل، بکرا اور مرغ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو کس طرح پر؟ اور یہ طریقہ کہاں سے ہے؟ اور کس نے جاری کیا؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

جانوروں کے خصی کرنے سے اگر کوئی منفعتِ جائزہ مقصود ہو یا گوشت وغیرہ اچھا ہونا، جیسے بیل، بکرے وغیرہ میں مقصود ہوتا ہے یا شرارت دفع کرنا جیسا کہ گھوڑے وغیرہ

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 661

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 660

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں قصد کیا جاتا ہے، جب تو جائز ہے، ورنہ حرام۔ صرف گھوڑے کے بارے میں علماء ممانعت کی جانب گئے ہیں، مگر تحقیق یہ ہے کہ منفعت کے لئے ہو، تو یہ بھی جائز ہے، البتہ آدمی کو خصی کرنا مطلقاً حرام ہے (یعنی چاہے اس میں کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو، حرام ہے)۔ اور خصی کرنے کا یہ طریقہ مشہور و معروف اور زمانۂ اسلام آنے سے پیشتر جاری ہے۔

درمختار میں ہے:

(جاز خصاء البهائم حتى الهرة واما خصاء الآدمى فحرام قيل والفرس وقيدوه بالمنفعة والا فحرام)

''یعنی جانوروں کو حتیٰ کہ بلے کو بھی خصی کرنا جائز ہے۔ اور بہر حال آدمی کا خصی کرنا حرام ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ گھوڑے کا خصی کرنا حرام ہے، ہاں جہاں جواز کا قول ہے، وہاں علماء نے اسے فائدے کے ساتھ مشروط کیا ہے۔''

(كتاب الحظر والاباحة۔ فصل فى البيع)

ردالمحتار میں صاحب درمختار کے قول ''قيل الفرس'' کی شرح میں ہے:

(ذكر شمس الائمة الحلوانى انه لاباس به عند اصحابنا وذكر شيخ الاسلام انه حرام)

''یعنی شمس الائمہ حلوانی نے ذکر فرمایا کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک گھوڑے کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہ حرام ہے۔''

اور ان کے قول ''وقيدوه'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(اى جواز خصاء البهائم بالمنفعة وهى ارادة سمنها او منعها عن العض بخلاف بنى آدم فانه يراد به المعاصى فيحرم)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی جانوروں کو خصی کرنے کا جواز، کسی فائدے کے حصول کے ساتھ مشروط ہے مثلاً: جانور کو موٹا اور طاقتور بنانا یا اس لئے کہ وہ شوخی و شرارت سے باز آجائے، بخلاف بنی آدم کے کہ اس کے خصی ہونے سے کئی گناہوں کا ارادہ ہو سکتا ہے، چنانچہ یہ حرام ہے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی کو مجبور کر کے بیع کروائی گئی، تو اسے بعد میں فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ بیع کے سلسلے میں قید میں بند کرنے کی صحیح دھمکی بھی اکراہِ شرعی کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ ہاں اگر مجبور کیا جانے والا، دھمکی دینے والے کی گرفت سے بچ نکلا، تو اب ضرر پہنچنے کے خوف کی بناء پر شرعاً مجبور قرار نہیں دیا جائے گا۔

ایک سوال کے جواب میں امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کیئے جانے والے دعویٰ میں مذکور ہے کہ خریدنے والے نے، چیز خریدنے پر مجبور کرنے کے لئے، بیچنے والے کو طویل مدت تک اپنے مکان میں مقید رکھا اور کسی سے ملنے نہ دیا اور زبانی سوال کرنے والوں نے بتایا کہ قتل کی دھمکی کے ذریعے بھی خوف زدہ کیا گیا، یہ بیانات اگر واقعی سچ ہیں، تو بلاشبہ ایسی خرید و فروخت، فاسد ہے اور بیچنے والے کو اسے ختم کر دینے کا اختیار ہے۔ قتل کی دھمکی کے ذریعے خوف زدہ تو اعلیٰ درجے کا مجبور کرنا ہے، خرید و فروخت میں تو فقط طویل عرصہ قید میں رکھنا بھی شرعاً مجبور ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

درمختار میں ہے:

---

[1] کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 658)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(لو اکره بحبس او قيد مديدين حتى باع او اشترى او اقرا وآجر فسخ او امضى لان اكراه الملجى وغير الملجى يعدمان الرضاء والرضاء شرط صحة هذه العقود و الا قرار فلذا صار له حق الفسخ او الامضاء)

''یعنی اگر کوئی لمبی قید اور طویل یرغمالی کے ذریعے بیع یا شراء یا اقرار یا کسی اجارے پر مجبور کرے اور اس نے کر دی، تو بعد میں اسے اختیار ہے کہ اس معاملے کو ختم کر دے یا اس پر قائم رہے، کیونکہ جان یا اس سے کم، ہر طرح کی زبردستی رضا کو ختم کر دیتی ہے، جب کہ ان عقود اور اقرار کے صحیح ہونے کے لئے، رضا شرط ہے، چنانچہ اسے فسخ یا باقی رکھنے کا اختیار ہوگا۔''

(کتاب الاکراہ)

اسی میں ہے:

(فی مجمع الفتاویٰ منع امرأته المريضة عن المسير الى ابويها الا ان تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطلة لانها كالمكرهة ويؤخذ منه جواب حادثة الفتوىٰ زوج بنته فلما ارادت الزفاف منعها الاب الا ان يشهد عليها انها استوفت منه ميراث امها فاقرت لا يصح اقرارها لكونها في معنى المكرهة)

''یعنی ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے کہ کسی نے اپنی مریضہ زوجہ کو اس کے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا، تو مجھے مہر بطورِ تحفہ دے دے تو جانے دوں گا، بیوی نے کچھ مہر اسے ہبہ کر دیا، تو یہ ہبہ باطل ہے، کیونکہ یہ عورت، مجبور کر دی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جانے والی عورت کی مثل ہے اور اسی مسئلے سے ایک اور مسئلے کا حل بھی معلوم ہو گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح کیا، جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی، تو باپ نے روک لیا اور کہا کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ میں نے والد سے اپنی ماں کی وراثت کا حصہ وصول کر لیا ہے۔ بیٹی نے اقرار کر لیا، تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا، کیونکہ وہ مجبور کی مثل ہے۔" (کتاب الاکراہ)

خیریہ میں ہے:

(قال علماء نا منع الزوج زوجته من اهلها حتى تهب له المهر تكون مكرهة والهبة باطلة قال فى مجمع الفتاوى وفى ملتقط السيد الامام عن الفقيه ابى جعفر من منع امراته عن المسير الى ابويها الا ان تهب مهرها فوهبت فالهبة باطلة)

"یعنی ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے ملنے سے روکنا تا کہ وہ عورت اسے اپنا مہر ہبہ کر دے، تو وہ عورت مجبور کی ہوئی ہوگی اور ہبہ باطل ہوگا اور "مجمع الفتاویٰ" میں ہے کہ سید امام کی "ملتقط" میں فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ نہ کرنے کی وجہ سے بیوی کو اس کے والدین کے گھر جانے سے روک رکھا ہو، پھر وہ عورت مجبور ہو کر ہبہ کر دے، تو یہ ہبہ باطل ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

والدین کے انتقال کے باوجود، اولاد پر ان کے بارہ قسم کے حقوق پھر بھی لازم

[1] فتاویٰ خیریہ، کتاب الاکراہ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 609)

رہتے ہیں۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

والدین کے انتقال کے بعد بارہ قسم کے حقوق اولاد پر لازم رہتے ہیں:

① ان کے غسل وکفن ودفن ونمازِ جنازہ کا انتظام کرنا اوران کاموں میں جن سنتوں اور مستحبات کے ذریعے، خوبی ورحمت وبرکت ووسعت کی امید ہو، ان کا خیال رکھنا۔

② ان کے لئے ہمیشہ دعاء واستغفار کرتے رہنا، اس سے کبھی بھی غافل نہ رہنا۔

③ صدقہ وخیرات اوراعمال صالحہ کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا۔ حسبِ طاقت اس میں کمی نہ کرنا۔ اپنی نماز کے ساتھ ان کے (ایصال ثواب) کے لئے بھی نماز پڑھنا۔ اپنے روزوں کے ساتھ ان کے (ایصال ثواب) کی غرض سے بھی روزے رکھنا۔ بلکہ جو بھی نیک عمل کرے، اس کا ثواب انہیں اور تمام مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی، بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

④ ان پر کسی کا بھی قرض ہو، اس کی ادائیگی میں حد درجہ کی جلدی وکوشش کرنا۔ اپنے مال سے ان کے قرضے کی ادائیگی کو دونوں جہانوں کی سعادت سمجھنا۔ خود قدرت نہ ہو، تو عزیزوں، قریبیوں اور دیگر اہل خیر سے اس کی ادائیگی میں امداد لینا۔

⑤ ان پر اللہ عزوجل کا کوئی قرض رہ گیا ہو، تو بقدرِ قدرت اس کی ادائیگی میں کوشش کرنا۔ (حج فرض ہوجانے کے باوجود) حج نہ کیا ہو، تو ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کروانا۔ زکوۃ وعشر کا مطالبہ ہو، تو اسے ادا کرنا۔ نماز یا روزہ باقی ہو، تو اس کا کفارہ دینا۔ غرض یہ کہ ان کے ذمہ، کسی بھی قسم کی لازم عبادات کے سلسلے میں انہیں بریٔ الذمہ کروانے کی کوشش کرنا۔

⑥ انہوں نے جو جائز شرعی وصیت کی ہو، حتی الامکان اسے نافذ کرنے کی کوشش کرنا، اگرچہ شرعاً اس کا نافذ کرنا اولاد پر لازم نہ ہو۔ اگرچہ اس کا نفاذ، نفس پر گراں گزرے۔ مثلاً: وہ، کسی اجنبی یا رشتہ دار یا کسی بھی غیر وارث کے لئے اپنی نصف جائیداد کی وصیت کرگئے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہوں، تو شرعاً تو وصیت، چھوڑے گئے مال کے تیسرے حصے میں جاری ہوتی ہے اور اس سے زائد وارثوں کی اجازت کے بغیر نافذ کرنا جائز نہیں، مگر اولاد کے لئے مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشی پوری کرنے کو اپنی خواہش پر فوقیت دیں۔

⑦ اگر انہوں نے کوئی قسم دی تھی، تو بعدِ مرگ بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کرنا۔ مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا، تو اب ان کے بعد یہ خیال نہ کیا جائے کہ اب تو وہ نہیں رہے، چنانچہ ان کی قسم کا کیا خیال رکھا جائے، بلکہ اس کا ویسے ہی پابند رہنا، جیسا ان کی حیات میں رہتا، جب تک کہ اس پابندی میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ بلکہ صرف قسم ہی نہیں، بلکہ تمام جائز امور میں ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

⑧ ہر جمعے ان کی قبر پر حاضر ہونا، بلند آواز سے سورۂ یٰسین پڑھنا، اس کا ثواب ان کو ایصال کرنا اور جب کبھی راستے میں ان کی قبر آئے، بغیر سلام و فاتحہ کے وہاں سے نہ گزرنا۔

⑨ ان کے رشتے داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کئے جانا۔

⑩ ان کے دوستوں سے دوستی نبھانا اور ہمیشہ ان کی تعظیم کرنا۔

⑪ کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر، انہیں برا نہ کہلوانا۔

⑫ سب سے زیادہ سخت، عام اور ہمیشہ کے لئے جاری رہنے والا حق یہ ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں ایذاء نہ پہنچانا۔ کیونکہ ماں باپ کو ان کے سب اعمال کی خبر پہنچائی جاتی ہے۔ نیکیاں دیکھتے ہیں، تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے چمکتا اور دمکتا ہے اور گناہ دیکھتے ہیں، تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے قلب کو صدمہ پہنچتا ہے، چنانچہ ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں رنج پہنچائے۔

اب وہ حدیثیں کہ جن سے ان حقوق کو اخذ کیا گیا ہے، ان میں سے بعض، بقدرِ کفایت ذکر کروں گا:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حدیث 1:

حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری نے، رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ (صلی الله علیك وسلم) ! ماں باپ کے انتقال کے بعد، ان کے ساتھ نیکی کا کوئی طریقہ باقی ہے کہ جسے میں پورا کروں؟ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((نعم اربعة الصلوة عليهما والاستغفار لهما وانفاذ عهدهما من بعدهما واكرام صديقهما وصلة الرحم التى لا رحم لك الا من قبلهما فهذا الذى بقى من برهما بعد موتهما))

"ہاں چار باتیں ہیں۔ ان کی نمازِ جنازہ ادا کرنا، ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا، ان کی وصیت کو نافذ کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔ اور جو رشتہ فقط ان کی وجہ سے ہو، نیک برتاؤ کے ذریعے اسے قائم رکھنا۔ یہ وہ نیکی ہے، جو ان کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔"[1]

حدیث 2:

انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا يبقى للولد من بر الوالد الا اربع الصلوة عليه والدعاء له وانفاذ عهده من بعده وصلة رحمه واكرام صديقه))

"اولاد پر والد کے ساتھ نیکی کی چار باتیں ہیں۔ اس پر نماز پڑھنا۔ اس کے

---

[1] کنز العمال، حدیث: 45934.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لئے دعائے مغفرت کرنا۔اس کی وصیت نافذ کرنا۔اس کے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنااوراس کے دوستوں کا احترام کرنا۔"[1]

حدیث3:

حضرت ابواسید بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((استغفارالولدلابیه من بعدالموت من البر))

"بیٹے کا باپ کی موت کے بعد اس کے لئے دعاء کرنا، نیک سلوک میں سے ہے۔"[2]

حدیث4:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذا ترك العبد الدعاء للوالدين فانه ينقطع عنه الرزق))

"انسان جب ماں باپ کے لئے دعا چھوڑ دیتا ہے،تو اس سے رزق منقطع ہوجاتا ہے۔"[3]

حدیث5:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اذا تصدق احدكم بصدقة تطوعافليجعلهاعن ابويه فيكون لهمااجرهاولاينقص من اجره شيء))

"جب تم میں سے کوئی شخص نفل صدقہ کرنا چاہے،تو اسے چاہیے کہ ماں باپ کی

---

① السنن الکبری، کتاب الجنائز

② کنزالعمال، حدیث: 45449.

③ کنزالعمال بحواله الطبرانی فی التاریخ، حدیث: 45556.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جانب سے کرے کہ اس کا ثواب انہیں ملے گا اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔“①

حدیث 6:

مروی ہے کہ: ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں نیک سلوک کرتا تھا، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے، تو ان کے ساتھ نیک سلوک کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان من البر بعد الموت ان تصلی لهما مع صلوتك وتصوم لهما مع صيامك))

”ان کی وفات کے بعد نیک سلوک میں سے یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ، ان کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے بھی روزے رکھے۔“②

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اولاد جب اپنے ثواب کے حصول کے لئے نماز پڑھے یا روزہ رکھے، تو کچھ نفل نماز پڑھ کر اور روزہ رکھ کر اس کا ثواب والدین کی جانب ایصال کرے، تو انہیں ثواب پہنچے گا اور اولاد کے ثواب میں سے کچھ کم بھی نہ ہوگا۔
ردالمحتار میں ہے:

(الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شیء)

---

① المعجم الاوسط، حدیث: 6946۔
② ردالمحتار بحواله دارقطنی، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''جو شخص نفل صدقہ دے، اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام ایمان والوں کی نیت کرے، کیونکہ انہیں ثواب پہنچے گا اور اس کا ثواب بھی کم نہ ہوگا۔''

(ردالمحتار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر)

حدیث 7:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من حج عن والديه اوقضى عنهمامغرمابعثه الله يوم القيامة مع الابرار))

''جو اپنے ماں باپ کی جانب سے حج کرے یا ان کا قرض چکائے، تو اللہ عزوجل بروزِ قیامت اسے نیکوں کے ساتھ اٹھائے گا۔''[1]

حدیث 8:

مروی ہے کہ: بوقتِ وفات، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر اسی ہزار (80,000) درہم قرض تھا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر ارشاد فرمایا:

((بع فيها اموال عمر فان وفت والافسل بنى عدى فان وفت والافسل قريشا ولا تعدهم))

''یعنی سب سے پہلے میرے قرض کی ادائیگی کے لئے میرا مال بیچنا۔ اگر کافی ہوجائے تو ٹھیک، ورنہ میری قوم بنی عدی سے مدد مانگنا۔ اگر یوں بھی پورا نہ ہو، تو قریش سے مدد مانگنا اور ان کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کرنا۔

پھر ارشاد فرمایا: (اضمنها) میرے قرض کے ضامن ہوجاؤ'' وہ ضامن

[1] المعجم الاوسط، حدیث: 6977۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہو گئے اور امیر المؤمنین کے دفن سے قبل اکابر مہاجرین وانصار کو گواہ کر لیا کہ قرض کے اسی ہزار (80,000) مجھ پر ہیں۔ پھر ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ نے تمام قرض ادا کر دیا۔"[1]

حدیث 9:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ یارسول اللہ (صلی الله علیك وسلم)! میری ماں نے حج کی منت مانی تھی، وہ ادائیگی سے قبل انتقال کر گئی ہیں۔ کیا میں ان کی جانب سے حج کر لوں؟ ارشاد فرمایا:

((حجی عنها ارأیت لو کان علی امك دین اکنت قاضیة اقضوا الله فالله احق بالوفاء))

"یعنی ہاں ان کی جانب سے حج کر، تیرا کیا خیال ہے کہ اگر تیری ماں پر کسی کا قرض ہوتا، تو تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟ پس یونہی اللہ عزوجل کا قرض بھی ادا کرو کہ وہ ادائیگی کا زیادہ حق رکھتا ہے۔"[2]

حدیث 10:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اذا حج الرجل عن والدیه تقبل منه ومنهما واستبشرت ارواحهما فی السماء وکتب عندالله برا))

"یعنی انسان جب اپنے والدین کی جانب سے حج کرتا ہے، تو وہ حج اس کے

---

[1] الطبقات الکبری لابن سعد، ذکراستخلاف عمر رضی الله عنه

[2] بخاری، باب الحج والنذر عن المیت

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اوراس کے والدین کی جانب سے قبول کیا جاتا ہے اوران کی روحیں آسمان میں اس سے شاد ہوتی ہیں اور یہ شخص، اللہ عزوجل کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے۔"[1]

حدیث 11:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من حج عن ابیہ وامہ فقد قضی عنہ حجتہ فکان لہ فضل عشر حجج))

"یعنی جس نے اپنے ماں باپ کی جانب سے حج کیا، توان کی طرف سے حج ادا ہوجائے گا اوراسے دس حج کا ثواب زیادہ ملے گا۔"[2]

حدیث 12:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من حج عن والدیہ بعد وفاتھما کتب لہ عتقامن النار وکان للمحجوج عنھما اجر حجۃ تامۃ من غیران ینقص من اجور ھماشیء))

"جواپنے والدین کی وفات کے بعدان کی جانب سے حج کرے، اللہ عزوجل اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھ دے گا اوران دونوں کے لئے مکمل حج کا ثواب ہوگا، جس میں بالکل کمی نہ ہوگی۔"[3]

---

[1] سنن الدار القطنی، کتاب الحج، باب المواقیت

[2] سنن دار القطنی، کتاب الحج، باب المواقیت

[3] شعب الایمان، حدیث: 7912.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حدیث 13 :

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من بر قسمهما وقضى دينهما ولم يستسب لهما كتب بارا وان كان عاقافي حياته ومن لم يبر قسمهماولم يقض دينهما واستسب لهماكتب عاقاوان كان بارافي حياته))

''جو اپنے ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کی قسم سچی کرے، ان کا قرض ادا کرے اور کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انہیں برا نہ کہلوائے، وہ والدین کے ساتھ نکوکار لکھا جاتا ہے، اگر چہ ان کی زندگی میں نافرمان تھا اور جو ان کی قسم پوری نہ کرے، ان کا قرض نہ اتارے اور دوسروں کے والدین کو برا کہہ کر انہیں برا کہلوائے، وہ نافرمان لکھا جائے گا، اگر چہ ان کی زندگی میں نیک سلوک کرنے والا تھا۔''[1]

حدیث 14:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من زار قبر ابويه او احد هما فى كل يوم جمعة مرة غفر الله له وكتب برا))

''جو اپنے ماں باپ یا ایک کی قبر پر ہر جمعہ کے دن زیارت کے لئے حاضر ہوا، اللہ عزوجل اس کے گناہ بخش دے گا اور وہ، ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا لکھا جائے گا۔''[2]

---

① المعجم الاوسط، حدیث: 5816 .

② نوادر الاصول للترمذی، الاصل الخامس عشر

حدیث 15:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من زار قبر ابويه او احدهما يوم الجمعة فقرأ عنده يس غفر له))

"جو شخص روزِ جمعہ اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے اور پھر اس کے پاس سورہ یٰسین پڑھے، تو اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرمادے گا۔"[1]

حدیث 16:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من زار قبر والديه او احدهما في كل جمعة فقرأ عنده يس غفر الله له بعدد كل حرف منها))

"جو اپنے والدین یا ان میں سے کسی کی قبر کی ہر جمعہ زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰسین پڑھے، تو یٰسین میں جتنے حروف ہیں، ان سب کی تعداد کے برابر اللہ عزوجل اس کی مغفرت فرمادے گا۔"[2]

حدیث 17:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من زار قبر ابويه او احدهما احتسابا كان كعدل حجة مبرورة ومن كان زوار الهما زارت الملئكة قبره))

"جو بنیتِ ثواب اپنے والدین میں سے دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت کرے،

---

① الكامل لابن عدى، ترجمه عمرو بن زياد

② اتحاف السادة المتقين، بيان زيارة القبور والدعاء للميت

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

توحج مقبول کا ثواب پائے گا اور جو بکثرت زیارت کرے، تو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کے لئے آئیں گے۔"[1]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ محدث کتاب "عیون الحکایات" میں بسندِ خود محمد ابن العباس وراق رحمۃ اللہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ سفر پر گیا۔ راستے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ بیٹے نے اسے وہاں موجود گوگل کے درختوں کے نیچے دفن کردیا اور جہاں جانا تھا، روانہ ہوگیا۔ جب کام سے فراغت کے بعد رات میں اسی مقام پر پہنچا، تو قبر پر نہ گیا۔ اچانک سنا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا:

رایتك تطوی الدوم لیلاو لا تری
علیك باھل الدوم ان تتكلما
وبدوم ثاولوثویت مكانه
فمرباھل الدوم عج فسلما

"یعنی میں نے تجھے دیکھا کہ تو رات میں اس جنگل کو طے کرتا ہے اور جوان درختوں میں ہے، اس سے کلام کرنا اپنے اوپر لازم نہیں جانتا، حالانکہ ان درختوں میں وہ مقیم ہے کہ اگر اس کی جگہ تو ہوتا اور وہ یہاں سے گزرتا، تو وہ راہ سے پھر کر آتا اور تیری قبر پر سلام کرتا۔"

حدیث 18:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من البران تصل صدیق ابیك))

---

[1] نوادر الاصول للترمذی، الاصل الخامس عشر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"باپ کے ساتھ نیک سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ تو اس کے دوست سے اچھا برتاؤ کرے۔"①

حدیث 19:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من احب ان یصل اباه فی قبره فلیصل اخوان ابیه من بعده))

"جو یہ چاہے کہ باپ کی قبر میں اس کے ساتھ نیک سلوک کرے، وہ باپ کے بعد اس کے عزیزوں اور دوستوں سے اچھا برتاؤ کرے۔"②

حدیث 20:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((احفظ و دابیك لا تقطعه فیطفیء الله نورك))

"اپنے ماں باپ کی دوستی پر نگاہ رکھ، اسے قطع نہ کرنا کہ اللہ عزوجل تیرا نور بجھا دے گا۔"③

حدیث 21:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان البران یصل الرجل اهل ودابیه بعد ان یولی الاب))

"بے شک باپ کے ساتھ سب نیکوکاریوں سے بڑھ کر یہ نیک سلوک ہے کہ

---

① المعجم الاوسط، حدیث: 7299.
② مسند ابی یعلی، حدیث: 5643.
③ المعجم الاوسط، حدیث: 8628.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

آدمی، والد کے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"[1]

حدیث 22:

حضرت عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ تعالی وتعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامهات یوم الجمعة فیفرحون بحسنا تهم ویزدادون وجوههم بیضاونزهة فا تقوا اللہ ولا توذواموتاکم))

"ہر پیر اور جمعرات کے دن، بندوں کے اعمال، اللہ عزوجل کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اور ماں باپ کے سامنے ہر جمعے کو۔ وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی سفیدی اور رونق بڑھ جاتی ہے۔ تو اللہ عزوجل سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنے گناہوں سے رنج نہ پہنچاؤ۔"[2]

خلاصہ یہ کہ والدین کے حقوق ایسے ہیں کہ انسان جتنا بھی ادا کرلے، کبھی ان سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

والدین، انسان کے وجود اور زندگی کا سبب ہیں، چنانچہ زندگی پانے کے بعد جتنی بھی نعمتیں حاصل کرے گا، سب انہیں کے طفیل پائے گا، کیونکہ ہر نعمت وکمال اسی کو ملتا ہے، جو موجود ہوتا ہے اور اس کے موجود ہونے کا سبب والدین ہیں، لہٰذا فقط والدین ہونا ہی ایک ایسے عظیم حق کو واجب کرنے والا ہے کہ جس سے بری الذمہ ہونا ممکن نہیں، چہ جائیکہ ان کی جانب سے اس کی پرورش میں کوشش کرنا، اس کے آرام کے لئے ان کا تکلیفیں اٹھانا، خصوصاً

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة

[2] نوادر الاصول للترمذی، الاصل السابع والستون والمائة

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پیٹ میں رکھنے، پیدا کرنے اور دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں۔ چنانچہ ان کا شکر کہاں تک ادا ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ عظیم میں، اللہ عزوجل نے اپنے حق کے ساتھ ان کا بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ﴾

"یعنی میرا اور اپنے والدین کا حق تسلیم کر۔" (لقمان: 14)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ:

ایک صحابی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیك وسلم) ! میں ایک ایسے گرم راستے پر" اپنی ماں کو کندھے پر سوار کر کے چھ میل" تک چلا کہ اگر اس کے پتھروں پر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جاتا، تو وہ بھی بھن کر کباب ہو جاتا، تو کیا میں اپنی والدہ کے حق سے آزاد ہو چکا ہوں؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لعله ان یکون بطلقة واحدة))

"تیری پیدائش میں اس نے جتنے جھٹکے سہے ہیں، شائد یہ ان میں سے کسی ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

دینی استاد کی ناشکری، علم کی برکات سے محروم کروا دینے کا سببِ عظیم ہے۔

---

[1] مجمع الزوائد بحواله طبرانی فی الصغیر، کتاب البر والصلة (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 391 تا 402)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

استاد کی ناشکری، ایک خوفناک بلا، تباہ کن بیماری اور علم کی برکتوں کو ختم کردینے والی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس))

''وہ شخص، اللہ عزوجل کا شکر بجا نہیں لاتا، جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔''[1]

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۝﴾

''اگر تم نے شکر ادا کیا، تو بے شک میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری اختیار کروگے، تو جان لو کہ بے شک میرا عذاب سخت ہے۔'' (ابراھیم: 7)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اولی معروفا فلم یجد لہ جزاء الا الثناء فقد شکرہ ومن کتمہ فقد کفر))

''جس کے ساتھ نیکی کی گئی، اگر وہ سوائے تعریف کے محسن کے لئے کچھ نہ کرسکا، تو اس نے اس کا شکریہ ادا کردیا اور جس نے اس احسان کو چھپایا، وہ ناشکرا ہے۔''[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 427)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بوڑھے مسلمان کی تعظیم واجب اور توہین سخت گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لیس منامن لم یرحم صغیرناولم یعرف شرف کبیرنا))

''یعنی جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ پہچانے، وہ ہم سے نہیں۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا))

''یعنی جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم سے نہیں۔''[2]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ان من اجلال اللہ تعالی اکرام الشیبة المسلم))

''یعنی اللہ عزوجل کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان کی عزت کی جائے۔''[3]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لیس من امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف

---

① جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الصبیان

② جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الصبیان

③ ابوداؤد، کتاب الادب، باب تنزیل الناس منازلھم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لعالمنا حقه))

''یعنی وہ شخص میری امت میں سے نہیں، جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش نہ آئے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے۔''[1]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((ثلثة لایستخف بحقهم الامنافق ذوالشیبة فی الاسلام وذو العلم وامام متقسط))

''یعنی تین اشخاص ایسے ہیں کہ جن کے حق کو صرف منافق ہی ہلکا سمجھتا ہے۔ ① وہ مسلمان جس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ ② عالم۔ ③ عادل بادشاہ۔''[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

چونکہ دیگر آسمانی کتب میں تحریف وتبدیلی ہو چکی ہے، لہٰذا اب بلا حاجتِ شدیدہ ان کا پڑھنا ممنوع ہے۔ نیز کامل واکمل شریعت حاصل ہونے کے بعد، یہود ونصاریٰ کی اچھی باتیں محفوظ کرنا بھی ناجائز ہے۔

پہلے حصے کے سلسلے میں درج ذیل حدیث پاک واضح دلیل ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ توریت کا ایک نسخہ لائے اور عرض کی کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ توریت کا نسخہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت

---

① مسند امام احمد بن حنبل

② المعجم الکبیر، حدیث: 7819.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک شدتِ غضب کی بناء پر ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہونے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اس جانب نہ تھی۔ چنانچہ پاس موجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! تجھے رونے والی عورتیں روئیں، تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی حالت نہیں دیکھ رہے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرہ مبارکہ کی جانب نظر کی، چنانچہ فوراً کہا:

"اللہ عزوجل اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ عزوجل کی پناہ، ہم خدا کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہیں۔"

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((والذی نفس محمد بیده لوبدا لکم موسی فا تبعتموه وتر کتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیاوادرك نبوتی لا تبعنی))

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں (مجھ) محمد کی جان ہے، اگر تم پر موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہو جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرو، تو یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰ علیہ السلام دنیا میں ہوتے اور میری نبوت کے ظہور کے زمانے کو پاتے، تو ضرور میری پیروی کرتے۔"[1]

ہاں اگر کوئی باصلاحیت عالم، اسلام کی حقانیت اور ان کتب میں موجود تبدیلیوں کی نشاندہی کی نیت سے مطالعہ کرے، تو حرج نہیں۔

اور دوسرے حصے کے لئے اس حدیث پاک کو بطورِ ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

[1] دارمی، باب مایتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 441.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یا رسول اللہ (صلی الله علیك وسلم) ! ہم یہودیوں سے کئی ایسی باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی محسوس ہوتی ہیں، کیا ہمیں اجازت ہے کہ ان کی یہ باتیں لکھ لیا کریں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((امتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاری لقد جئتکم بھا بیضاء ونقیة ولو کان موسی حیاما وسعه الا اتباعی))

''یعنی کیا تم دین اسلام کے کامل اور کافی ہونے میں متحیر ہو کہ دوسروں کی باتوں کی جانب توجہ دیتے ہو؟ جیسے کہ یہود و نصاریٰ اپنے مذہب میں متحیر ہو گئے (اور اللہ عزوجل کے عطا کردہ پر اکتفاء نہ کر کے ادھر ادھر مصروف ہو گئے) بے شک میں تمہارے پاس یہ واضح اور پاکیزہ شریعت لایا ہوں (کہ اس میں نہ تو شک وشبے کی گنجائش ہے اور نہ کسی اور چیز کی ضرورت) اگر موسیٰ علیہ السلام دنیا میں ہوتے، تو انہیں بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی شخص کو کوئی چیز خریدنے پر مامور کیا اور وہ چیز خود اس کے پاس موجود ہو، تو خود

---

[1] نوٹ: یہاں یہ بات بے حد قابل توجہ ہے کہ یہود کی جو باتیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اور مجتہد صحابی کو پسند آئیں، یقیناً وہ ہماری شریعت کے مخالف نہ ہوں گی، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور بتا دیا کہ شریعت مطہرہ کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا فی زمانہ اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات سے ناواقف اور صحیح وغلط میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہ رکھنے والے مسلمان کو کس قدر احتیاط کی ضرورت ہوگی، یقیناً اہلِ علم ونظر وصاحب عقل پر قطعاً مخفی نہیں۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پیسے رکھ کر وہ چیز نہیں بیچ سکتا، چاہے یقین ہو کہ مالکان راضی ہو جائیں گے۔

سوال کیا گیا:

کچھ لوگوں نے زید کو پیسے دئے کہ دینی کتابیں خرید کر طالب علموں کو دے دو۔ زید کے پاس وہ کتابیں موجود تھیں۔ اس نے بازار کے بھاؤ کے مطابق قیمت رکھ کر کتابیں طلباء میں تقسیم کر دیں اور یہ گمان کیا کہ میں نے وکیل ہو کر خود سے خریدا اور مالک کی حیثیت سے کتابیں بیچی ہیں اور ظاہراً معلوم ہے کہ مالکوں کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ بازار سے ہی کتابیں لی جائیں، اسی لئے انہوں نے اس معاملے میں اس قسم کی کوئی قید نہ لگائی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم مالکان کی جانب سے ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں، تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس ہو نہیں سکتیں، بالکل یاد نہ رہا کہ طلباء کون کون سے تھے، شبہ اب قائم ہوا ہے اور روپے بھی باقی نہیں رہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں:

دریافت شدہ صورت میں زید کو بالکل یہ اختیار نہ تھا، نہ وہ خرید و فروخت ان مالکان کی جانب سے ہوئی۔ کیونکہ خرید و فروخت کے معاملے میں ایک ہی شخص دونوں جانب سے معاملہ کرنے والا نہیں ہو سکتا، بخلاف نکاح کے کہ اس میں ہو سکتا ہے۔[1]

چنانچہ یہ کتابیں زید کی جانب سے تقسیم شدہ مانی جائیں گی اور مالکان کو ان کا روپیہ لوٹانا ہو گا۔

درمختار میں ہے:

(لا یعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھا مع من

[1] مثلاً: کسی عورت نے کسی مرد سے کہا کہ میرا کسی بھی مرد سے نکاح کروا دے اور اس شخص نے اس کا نکاح خود اپنے آپ سے کر لیا، تو درست ہے۔ ۱۲ منہ

ترد شهادته له الا اذا اطلق له الموكل كبع ممن شئت فيجوز بمثل القيمة وفى السراجية لو صرح بهم جازا جماعا الا من نفسه)

''یعنی بیع، شراء اور اجارہ، ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا، جن کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں (جیسے ماں، باپ، اولاد وغیرھا) مگر اس صورت میں، جب کہ وکیل بنانے والے نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلاً: کہہ دیا ہو کہ تو جس سے چاہے بیع کر، تو ایسی صورت میں وہ لوگوں سے بازار کے ریٹ کے مطابق خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ اور ''فتاویٰ سراجیہ'' میں ہے، اگر وکیل بنانے والے نے ایسے لوگوں (یعنی جن کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں) سے خرید وفروخت کرنے کی واضح طور پر اجازت دی، تو بالاتفاق بیع جائز ہے، لیکن خود اپنے لئے (اب بھی) نہیں خرید سکتا۔''

(درمختار، کتاب الوکالة، باب الوکالة بالبیع والشراء)

اور ردالمحتار میں ہے:

(لو امره بالبيع من هؤلاء فانه يجوز اجماعاً الا ان يبيعه من نفسه فلا يجوز قطعاًوان صرح به الموكل)

''یعنی اگر وکیل بنانے والے نے ایسے لوگوں (یعنی جن کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہیں) سے بیع کا اختیار دیا ہو، تو بالاتفاق ان لوگوں سے بیع جائز ہے، لیکن اپنی ذات کے لئے خریدنا، تو یہ قطعاً جائز نہیں، اگرچہ مُوَکِّل نے واضح طور پر اس کی اجازت بھی دے دی ہو۔''[1]

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 93

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

وکالت کا رائج شدہ پیشہ قطعی حرام ہے۔

سوال کیا گیا: وکالت کا پیشہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں:

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اسے وکیل بنانے والا سچ بولنے کی کوشش کرے، تو کہا جاتا ہے کہ اگر سچ کہوگے، تو مقدمے میں کامیابی نہ ہوگی۔ جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں۔ جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں، حرام قطعی ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

اگر مرنے والے نے کسی کو قرض دیا ہو، تو اس کے ورثاء میں سے کسی کا ترکے میں سے اپنا حصہ چھوڑنے کا اعلان باطل ہے، بشرطیکہ اس نے قرض کے علاوہ ترکے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ نیز اگر ایک وارث کچھ لے کر باقی حصہ چھوڑنے کا اعلان کرے، تو دیکھا جائے گا کہ چھوڑا ہوا اس کے اپنے لئے ہوئے حصے سے زائد تو نہیں، اگر ہو تو ایسی صورت بھی ناجائز ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ سے کسی عبداللہ نامی شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے اپنے بھائی کے ترکے میں سے سو روپے لے کر بقیہ سے برأت کا اظہار کر دیا تھا، جب کہ اس کے مرحوم بھائی نے کسی کو دو سو روپے قرض دیا ہوا تھا۔

چنانچہ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 95

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دریافت شدہ صورت میں وہ فیصلہ جو عبداللہ نے کیا، دو وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ ترکہ میں قرض ہے اور اس نے صلح، باقی تمام ترکے سے لاتعلقی پر کی ہے، تو یہ، موجود مال اور قرض دونوں کو شامل ہے، جب کہ قرض پر قرض خواہ اور مقروض کے بغیر ہر ایک کی صلح باطل ہے۔

درمختار میں ہے:

(بطل الصلح ان اخرج احدالورثة وفی الترکة دیون بشرط ان تکون الدین لبقیتهم لان تملیك الدین من غیر من علیه الدین باطل)

"یعنی جب ترکے میں قرض شامل ہوں، تو کسی ایک وارث کے لئے بقیہ ترکے سے لاتعلقی کا اظہار اس شرط کے ساتھ کرنا کہ وہ قرض باقی ورثاء کے لئے ہوگا، باطل ہے، کیونکہ مقروض کے علاوہ کسی کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے۔"[1]

میں کہتا ہوں کہ اس مقام پر فساد کا دارومدار، واضح طور پر بیان کردہ اس شرط پر نہیں کہ یہ قرض بقیہ تمام ورثاء کے لئے ہوگا، جیسا کہ مذکورہ عبارت کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، بلکہ یہ اور جو اس کا ہم معنیٰ کلام ہے، حکم میں برابر ہیں، کیونکہ فساد کا دارومدار غیر مقروض کو قرض کا مالک بنا دینا ہے اور یہ معنیٰ، بقیہ ورثاء کو ترکے کی کسی شے پر صلح کرنے کی صورت میں ثابت ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ردالمحتار کا بیان آپ کی رہنمائی کرے گا کہ:

(لو ظهر فیها دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لا

---

[1] کتاب الصلح، فصل فی التخارج

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یفسدوان وقع علی جمیع الترکة یفسد کما لو کان الدین ظاهر اوقت الصلح)

"یعنی اگرترکے میں قرض بالکل ظاہر ہے اور صلح قرض کے علاوہ ترکے پر ہوئی، تو فاسد نہ ہوگی اور اگر تمام ترکے پر ہوئی، تو فاسد ہوگی، جیسا کہ صلح کے وقت قرض کے ظاہر ہونے پر فاسد قرار پاتی ہے۔"[1]

تو ردالمحتار نے شرط مذکور کے ساتھ کل ترکے پر صلح کو، واضح طور پر صلح جیسا قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ فساد، قرض کو صلح میں واضح طور پر شامل کرنے پر موقوف نہیں، بلکہ صلح کا جائز ہونا، قرض کو واضح طور پر صلح سے خارج کرنے پر موقوف ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے:

(ان کان مخرجا من الصلح لایفسدوالا یفسد)

"یعنی قرض کو صلح سے خارج کیا، تو فاسد نہ ہوگی، ورنہ فاسد ہے۔" (ایضاً)

انہوں نے اس صلح کے جائز ہونے کو واضح طور پر قرض کے خارج ہونے پر موقوف کیا ہے اور باقی تمام صورتوں کو فساد میں شامل فرمایا۔ پھر میں نے فتاویٰ عالمگیری میں ظہیریہ کے حوالے سے اس مسئلے پر واضح کلام ملاحظہ کیا، جہاں انہوں نے فرمایا:

(ان کان فی الترکة دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأة) علی الکل علی ان یکون نصیبها من الدین للورثة اوصولحت عن الترکة ولم ینطقوابشیء آخر کان الصلح باطلا)

---

[1] کتاب الصلح، فصل فی التخارج

''یعنی اگر ترکے میں لوگوں پر قرض بھی شامل ہے اور بیوی سے یہ صلح ہوئی کہ باقی تمام ترکہ حتی کہ قرض میں بیوی کا حصہ بھی سب ورثاء کا ہوگا یا ورثاء نے بیوی کی باقی تمام ترکے سے لاتعلقی پر صلح کی اور اس سے زائد کی کوئی وضاحت نہ کی، تو صلح باطل ہوگی۔ (کتاب الصلح، الباب الخامس عشر)

ثانیاً اس لئے کہ عبداللہ کا نقد ترکے میں، صلح کی مقدار کے مقابلے میں حصہ زیادہ بنتا ہے۔ (کیونکہ بیان کردہ تفصیلات کے مطابق) مثلاً: چودہ سو نقد میں سے بیوی اور بیٹی کے دو فرض حصے نکالنے کے بعد عبداللہ کا حصہ تقریباً ڈیڑھ سو درہم ہے، جب کہ عبداللہ کو صرف ایک سو دیا گیا ہے، تو گویا باقی ورثاء نے ڈیڑھ سو اور کچھ زائد کو ایک سو درہم کے بدلے میں خریدا اور یہ حرام وسود ہے۔

درمختار میں ہے:

(اخرجت الورثة احدهم عن نقدين وغيرهما باحد النقدين لا يصح الا ان يكون ما اعطى له اكثر من حصته من ذلك الجنس تحرز عن الربا)

''ورثاء نے ایک وارث کو سونا و چاندی (نقدین) اور دیگر ترکے سے سونا یا چاندی میں سے کسی ایک پر صلح کر کے خارج کیا، تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی، لیکن اس صورت میں کہ جس نقد پر صلح کی ہو، اس میں اس کے حصے سے زائد اسے دیا گیا ہو، تاکہ سود سے حفاظت ہو سکے۔''[1]

---

[1] کتاب الصلح، فصل فی التخارج (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 119)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مضاربت (یعنی ایک جانب سے مال اور دوسرے کی محنت) کی مختلف شرعی حیثیتیں ہیں۔

درمختار میں ہے:

(المضاربة ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفه بامره وشرکة ان ربح وغصب ان خالف وان اجازرب المال بعده واجارة فاسدة ان فسدت فلاربح للمضارب حینئذبل له اجرمثل عمله)

''یعنی مضاربت ابتدائی طور پر (مال والے کی جانب سے اپنے مال کو مضارب کے پاس) امانت رکھوانا ہے۔ اور مال والے کے حکم سے اس مال میں تصرف کر لینے کے سبب، یہ ایک وکیل بنانے کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اور جب نفع حاصل ہو جائے، تو شرکت ہے۔ اور اگر مضارب، مال والے کی خلاف ورزی کرے، تو غصب بن جاتی ہے، خواہ بعد میں مال والا اس کاروائی کو درست قرار بھی دے دے۔ اور اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے، تو اجارۂ فاسدہ بن جاتی ہے، اس صورت میں مضارب نفع کا حقدار نہ ہوگا، بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا مستحق ہوگا۔'' (کتاب المضاربة)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مضاربت میں مال والے کے لئے نفع میں سے کوئی فیصد مقرر کر کے، پیشکش کرنا کہ اس سے کم ہوگا، تو ہم کمی پوری کریں گے اور زیادہ ہوگا، تو اوپر کا سب تمہارا، ناجائز و حرام ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

kutubistan.blogspot.com

سوال کیا گیا:

ایک شخص لوگوں سے مال لے کر محنت کرتا ہے، اگر یہ، شرکاء سے معاہدہ کرے کہ تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلاً بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا، تو اس کمی کو ہم پورا کریں گے اور زیادہ ہوگا، تو وہ بھی تمہارا۔ اس صورت میں نفع تجارت، سود میں داخل ہوگا یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

یہ معاہدہ حرام ہے۔ مال والے اور یہ تاجر سب گناہ گار ہوں گے، اگرچہ کبھی کمی واقع نہ ہو اور اس شخص کے لئے کمی کا پورا کرنا، حرام ہے اور اس زائد مال کا لینا ان تجار کو حرام اور سود ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(فان قال علی ان لك من الربح مائة درهم اوشرط مع النصف او الثلث عشرة دراهم لا تصح المضاربة)

''یعنی اگر ایک نے دوسرے سے کہا، نفع میں ایک سو درہم تیرے ہوں گے یا نصف یا ایک تہائی کے ساتھ مزید دس درہم کی شرط لگائی، تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔'' (کتاب المضاربۃ۔الباب الاول)

ہدایہ میں ہے:

(الربا هو الفضل المستحق لا حد المتعاقدين فى المعاوضة الخالى عن عوض شرط فيه)

''یعنی سود یہ ہے کہ عقدِ معاوضہ میں کسی فریق کے لئے ایسی زیادتی کی شرط ٹھہرا لینا، جو عوض سے خالی ہو۔''[1]

---

[1] کتاب البیوع، باب الربوا (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 129)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مضاربت میں نقصان صرف مال والے کا ہوتا ہے، بشرطیکہ مضارب کی جانب سے جان بوجھ کر کوتاہی ثابت نہ ہو، لہٰذا معاہدہ کرتے ہوئے مضارب کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانے کی شرط باطل ہوگی۔ یونہی مضارب اپنی کسی بھی محنت کی اجرت، صاحبِ مال سے نہیں لے سکتا۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

مضارب کے ذمے نقصان کی شرط باطل ہے۔ وہ اپنی جانب سے زیادتی، دست درازی اور دانستہ مال ضائع کرنے کے علاوہ کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں، چنانچہ جو نقصان واقع ہو، سب صاحبِ مال کی طرف رہے گا۔ نہ مضاربتِ صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحبِ مال سے پانے کا مستحق ہے، اس کا بدلہ فقط یہی ہے کہ اگر نفع ہو، تو معاہدے کے مطابق اس میں سے اپنا حصہ پائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(اما الشروط الفاسدة فمنها ماتبطل المضاربة ومنهامالا تبطلها وتبطل بنفسهاكذافی النهاية قال القدوری فی كتابه كل شرط يوجب جهالة الربح اوقطع الشركة فی الربح يوجب فساد المضاربة ومالايوجب شيئامن ذلك لا يوجب فسادهانحوان يشترطاان تكون الوضيعة عليهما)

"یعنی فاسد شرائط میں بعض مضاربت کو فاسد کر دیتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں، بلکہ خود باطل ہو جاتی ہیں۔ نہایہ میں یونہی ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا: ہر ایسی شرط جو نفع کے غیر معلوم ہونے یا نفع میں کسی بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فریق کی شرکت کو روکنے کا باعث بنے، تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے والی ہے۔ اور جو شرط ایسی کسی چیز کو واجب نہ کرے، تو وہ مضاربت کو فاسد نہ کرے گی (بلکہ خود باطل ہو جائے گی اور عقدِ مضاربت شرعاً درست رہے گا) جیسے دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں فریق برداشت کریں گے (حالانکہ مضارب کے کسی قسم کی زیادتی نہ کرنے کی صورت میں نقصان فقط مال والے کا ہوتا ہے)۔ (کتاب المضاربة، الباب الاول)

ہدایہ میں ہے:

(کل شرط یوجب جهالة فی الربح یفسده لاختلال مقصوده وغیرذلك من الشروط الفاسدة لایفسدهاویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب)

"یعنی ہر ایسی شرط جو نفع کے غیر معلوم ہونے کا سبب بنے، مضاربت کو فاسد کرنے والی ہے، کیونکہ یہ (مضاربت کے شرعی) مقصود میں خلل ڈالتا ہے اور جو شروطِ فاسدہ ایسی نہ ہوں، وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گے، بلکہ خود باطل ہو جائیں گی، مثلاً یہ شرط کہ نقصان کا ذمہ دار مضارب ہوگا۔" [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مضاربت میں نفع کی مقدار عقد سے قبل طے کرنا لازم ہے، اس کا خلاف ناجائز و حرام ہے۔

سوال کیا گیا:

---

[1] کتاب المضاربة (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 131)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مال والے اور مضارب میں، مال دیتے وقت ہی نفع کی تعیین ہو جانی چاہیے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث یا نفع کے حاصل ہونے کے بعد دونوں باہم رضامندی سے طے کرلیں۔ پھر اگر مال دیتے وقت طے کریں، تو کیا اسی مجلس میں کرنا ضروری ہے؟ اگر مجلس تبدیل ہو جائے، تو کوئی حرج تو نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں:

نفع میں سے مضارب کا (فیصد کی صورت میں) حصہ، بوقتِ عقد ہی طے کرنا ضروری ہے۔ اگر عقد، حصے کی تعیین کے بغیر کیا مثلاً یوں کہا، تجھے اس شرط پر مضارب کیا کہ نفع میں سے کچھ مجھے دے دیا کرنا اور جتنا میں چاہوں گا، تجھے دے دوں گا، تو یہ معاہدہ فاسد و حرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ فلاں فلاں میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی، اسی مقدار پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور دونوں میں سے کوئی ایک اس مقدار کو نہیں جانتا، تب بھی عقد فاسد ہوگا، چاہے دوسرے کو معلوم ہو۔ ہاں اگر اسی مجلس میں تعیین کرلیں یا دوسرے کو بھی کسی ذریعے سے علم ہو جائے، تو جائز ہے، کیونکہ ایک مجلس عقد کے کلمات کو جمع کرتی ہے۔ لیکن اگر اس سے قبل ہی مجلس بدل گئی، تو اس تبدیلی سے فساد پختہ اور گناہ قرار پکڑ جائے گا۔

درمختار میں ہے:

(شرطها كون الربح بينهما شائعافلو عين قدرا فسدت وكون نصيب كل منهما معلوما عندالعقد)

مضاربت کے (درست ہونے) کی (ایک) شرط نفع کا دونوں فریقین کے درمیان غیر معین طور پر طے ہونا ہے (یعنی فیصد طے ہوں، کوئی مخصوص رقم نہ مقرر کی جائے) اور اگر کوئی معین مقدار طے کی گئی، تو مضاربت فاسد ہوگی اور معاہدے کے وقت دونوں کا حصہ معلوم ہونا بھی شرط ہے۔ (کتاب المضاربة)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(دفع الی غیرہ الف درھم مضاربة علی مثل ماشرط فلان لفلان من الربح فان علم رب المال والمضارب بماشرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربة وان لم یعلمھا لا تجوز وکذا اذاعلم احدھما وجھل الآخر ھکذافی المحیط ولودفع الیہ مضاربة علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فھذہ مضاربة فاسدة کذافی المبسوط)

''یعنی کسی نے دوسرے کو ہزار روپے مضاربت کے طور پر اس طرح دئے کہ جیسے فلاں فلاں نے نفع کی شرط کی ہے، اسی شرط کے مطابق یہ معاہدہ ہے، تو اگر مال والے اور مضارب دونوں کو ان فلاں فلاں کی شرط معلوم ہے، تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور اگر معلوم نہ تھی، تو جائز نہ ہوگی۔ یونہی ناجائز ہے، اگر ایک کو وہ شرط معلوم ہو اور دوسرے کو نہیں۔ محیط میں یونہی ہے۔ اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لئے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے، نفع میں سے رب المال کو دے، تو یہ مضاربت فاسد ہوگی، مبسوط میں اسی طرح ہے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے اس کے پاس موجود کسی کی امانت کے پیسوں سے، معلوم ہونے کے باوجود، کچھ لے لینا حرام وگناہ ہے۔ امین سے کسی نے زبردستی پیسہ چھینا، تو امانت کے سلسلے میں اس پر تاوان نہیں۔

---

(1) کتاب المضاربة، الباب الثانی (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 134)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سوال کیا گیا:

یعقوب کے نیاز پر کافی عرصے سے چھ روپے قرض تھے۔ ایک مرتبہ یعقوب نے اس کے پاس بیس روپے دیکھ کر زبردستی اپنے چھ روپے لے لئے۔ نیاز نے کافی کہا کہ یہ پیسے میرے نہیں، بلکہ کسی کی امانت کے ہیں، لیکن وہ نہ مانا۔ بعد میں امانت رکھوانے والے نے یعقوب سے جا کر مطالبہ کیا، تو اس نے کہا، میں نے تو نیاز سے لئے ہیں، تم اسی سے جا کر مطالبہ کرو۔ بتایئے کہ یعقوب کا اس طرح امانت کا مال چھیننا کیا حکم رکھتا ہے اور امانت رکھوانے والا، نیاز سے مطالبہ کرے یا یعقوب سے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں:

اگر یعقوب کو معلوم تھا یا کسی طرح ثابت ہو گیا تھا کہ حقیقۃً یہ روپے، نیاز کے نہیں، بلکہ کسی دوسرے شخص کے ہیں، تو اس کا لینا ناجائز و گناہ ہے۔

اور اگر معلوم نہ تھا اور نہ ہی کسی طرح ثابت ہو سکا، تو چونکہ کسی کا مال پر قابض ہونا، اس کے مال کا مالک ہونے کی دلیل ہے اور جب قرض فوری ادائیگی والا ہو یا مدت والا، لیکن اس کی مدت پوری ہو چکی ہو، تو دینے والا، قرض دار کے پاس موجود ایسے مال سے اپنا حق، ہر طرح وصول رکھنے کا اختیار رکھتا ہے، جو اس کے مال کی جنس سے ہو (لہٰذا اس صورت میں یعقوب کا اس سے مال لے لینا جائز ہوگا)۔

رہا امانت رکھوانے کا مطالبہ، تو اس سلسلے میں دیکھا جائے گا کہ یعقوب نے نیاز سے وہ پیسے زبردستی چھینے تھے اور یہ روکنے پر قادر نہ تھا یا زبردستی چھینے تھے اور یہ روکنے پر قادر تھا یا صرف اس کے بار بار کے مطالبے سے مجبور ہو کر دے دیئے تھے۔

پہلی صورت میں فقط یعقوب سے مطالبہ جائز ہے، نیاز قابل گرفت نہیں۔ کیونکہ جب تک امانت رکھنے والے کی جانب سے مال کی ہلاکت کے سلسلے میں کوتاہی ثابت نہ ہو، وہ بری الذمہ ہوتا ہے اور جس صورت میں یعقوب کے جانب سے پیسے چھیننا ثابت ہوئے،

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایسی صورت میں امین کوتاہی کرنے والوں میں شمار نہ ہوگا۔

اور آخری دونوں صورتوں میں دونوں ضامن ہیں، امانت رکھوانے والا جس سے چاہے مطالبہ کرے، کیونکہ یعقوب، مال چھیننے کی بناء پر غاصب ہے اور نیاز سے، مال دے دینے اور حفاظت نہ کرنے کی بناء پر۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

عاریۃً لی ہوئی چیز اگر باوجود حفاظتی اقدامات کے گم جائے، تو لینے والے پر کچھ تاوان نہیں۔ بخوشی تاوان دینا چاہے، جب بھی جائز نہیں، یونہی اگر تاوان کی شرط ٹھہرائی، تو شرط باطل قرار دی جائے گی۔

سوال کیا گیا:

ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریتاً لئے اور وہ اس کے پاس سے گم ہو گئے، اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنا کر دینا چاہتا ہے، تو زید کے لئے ان کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جواباً فرماتے ہیں:

اگر وہ زیور زید کی کوتاہی کے بغیر گم ہوئے، تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی یا ناخوشی کو کوئی دخل نہیں، بہت سے لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اس کا لینا حلال ہو جائے گا؟

﴿اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾

"کیا الزام تراشی اور واضح گناہ کے ذریعے اسے (یعنی مال کو) حاصل کرتے

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 153

ہو" (نساء:20)

﴿وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾

"آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ" (بقرہ: 188)

لہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ اگر آپس میں یہ شرط طے پائی تھی کہ مال ضائع ہو گیا، تو تاوان دیں گے، تو یہ شرط بھی مردود و باطل ہے۔

درمختار میں ہے:

(لا یضمن بالهلاك من غیر تعدو شرط الضمان باطل)

"زیادتی و کوتاہی کے بغیر ہلاکت پر ضامن نہ ہوگا اور ضمان کی شرط باطل ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

کرائے کی دیگ بغیر کوتاہی کے گم ہو جائے، تو لینے والے پر تاوان نہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اگر زید نے دیگ کو مقام حفاظت میں رکھا تھا یعنی جہاں اپنے برتن رکھتا ہے، وہیں یہ دیگ بھی رکھی، تو اس پر الزام نہیں اور اس سے تاوان لینا جرم ہے۔

ہاں اگر بے خیالی و بے پروائی کرتے ہوئے غیر محفوظ مقام میں رکھی یا باہر چھوڑ دی تھی، تو ضرور زید پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔[2]

---

① کتاب العاریۃ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 155)

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 159

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

''علیہ السلام'' کے الفاظ، انبیاء وملائکہ کے علاوہ کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی نبی یا فرشتے کے علاوہ کے لئے استعمال کرنا چاہیں، تو پہلے نبی یا فرشتے کا تذکرہ ضروری ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خاص اہتمام کے ساتھ، علیحدہ طور پر ''لفظ علیہ السلام'' کا استعمال، انبیائے کرام وملائکہ عظام کے لئے خاص ہے، ان کے غیر کے لئے اس طرح کا استعمال جائز نہیں (یعنی ان کے غیر کے لئے استعمال کرنا چاہیں، تو پہلے کسی نبی یا فرشتے کا ذکر کریں، پھر غیر نبی وملک کے لئے بھی علیہ السلام کہہ سکتے ہیں)۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی کارِ خیر کے لئے جمع شدہ چندہ، دینے والے کی ملک پر باقی رہتا ہے، چنانچہ بچ جائے، تو واپس کرنا ہوگا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

بلاشبہ یہ روپیہ ایک نیک کام میں مدد کے لئے دیا گیا تھا، جس طرح مصارفِ خیر کے چندے ہوتے ہیں، ایسی حالت میں وہ روپیہ ملکِ مالک پر رہتا ہے اور اس کی اجازت سے اسی مصرفِ خیر میں صرف ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر کچھ باقی بچے، تو اسے واپس دینا یا اس کی اجازت سے کسی اور مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

---

[1] ماخوذ از فتاوی رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 159

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(رجل مات فی مسجدقوم فقام احدهم وجمع الدراهم ففضل من ذلك شیء ان عرف صاحب الفضل رده علیه)

"یعنی اگر کسی قوم کی مسجد میں مسافر فوت ہوگیا اور ایک شخص نے اس کے کفن دفن کے لئے چندہ کرکے کچھ دراہم جمع کئے، پھر ان میں سے کچھ بچ گئے، تو اگر جانتا ہے کہ یہ کس کے بچے ہیں، تو اس کو واپس کردے۔"

(کتاب الصلوۃ، الفصل الثالث)

درمختار میں ہے:

(ان فضل شیء ردللمتصدق)

"یعنی (چندے میں سے) اگر (کچھ دراہم) بچ جائیں، تو اسے صدقہ کرنے والے پر لوٹا دے۔"①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اولاد کے باپ پر کم وبیش 80 حقوق لازم ہوتے ہیں۔ جن میں سے بعض کا پورا کرنا مستحب اور بعض کا واجب ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے اگرچہ اولاد پر والد کے حق کو نہایت اعظم قرار دیا ہے، یہاں تک کہ اسے اپنے حق کے ساتھ ہی ذکر کیا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ان اشكرلی ولوالدیك﴾

"حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔" (31-14......)

---

① کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنازۃ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 19، صفحہ: 161)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لیکن بچے کا حق بھی والد پر بہت زیادہ رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ، مسلمان و پڑوسی و رشتہ دار و عیال ہونے کی وجہ سے ان سب کے حقوق کا مستحق ہوتا ہے۔

علمائے کرام نے اپنی کتبِ جلیلہ، جیسے احیائے علوم، عین العلوم و کیمیائے سعادت اور ذخیرۃ الملوک وغیرھا میں حقوق ولد کے بارے میں نہایت مختصر طور پر کلام کیا ہے، مگر میں صرف احادیثِ کریمہ کی جانب توجہ کرتا ہوں۔ اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے امید ہے کہ فقیر کی یہ چند حرفی تحریر ایسی نافع و جامع واقع ہوگی کہ اس کی نظیر بڑی بڑی کتب میں نہ ملے گی۔

اس سلسلے میں جس قدر احادیثِ کریمہ بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت میرے حافظے میں ہیں، انہیں بالتفصیل حوالوں کے ساتھ لکھا جائے، تو ایک رسالہ بن جائے۔ تو چونکہ ان احادیثِ کریمہ کے ذکر سے مقصود احکام کا فائدہ ہی حاصل کرنا ہے، لہٰذا سردست فقط وہ حقوق ذکر کروں گا کہ جو ان احادیثِ کریمہ سے ظاہر ہیں۔

① سب سے پہلا حق اولاد کے وجود میں آنے سے بھی پہلے یہ ہے کہ انسان کسی ذلیل قوم میں نکاح نہ کرے کہ اس کا برا اثر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

② دین دار لوگوں میں نکاح کرے کہ بچے پر نانا و ماموں کی عادات کا بھی اثر پڑتا ہے۔

③ جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے، ورنہ بچے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

④ اس وقت شرم گاہِ زن پر نگاہ نہ کرے کہ بچے کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔

⑤ زیادہ باتیں نہ کرے کہ بچے کے گونگے یا توتلے ہونے کا اندیشہ ہے۔

⑥ مرد و زن کپڑا اوڑھ لیں، جانوروں کی مثل برہنہ نہ ہوں کہ بچے کے بے حیاء ہونے کا خطرہ ہے۔

⑦ جب بچہ پیدا ہو، تو فوراً سیدھے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان اور ام الصبیان (بیہوش کر دینے والی ایک بیماری) سے بچے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

⑧ چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے کہ اخلاق کی درستگی کے لئے نیک فال ہے۔

⑨ ساتویں دن، اگر نہ ہو سکے، تو چودھویں دن ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے۔ بیٹی کے لئے ایک اور بیٹے کے لئے دو جانور ذبح کرے۔

⑩ ایک ران دائی کو دی جائے کہ بچے کی جانب سے شکرانہ ہے۔

⑪ سر کے بال اتروائے۔

⑫ بالوں کے وزن برابر چاندی صدقہ کرے۔

⑬ سر پر زعفران لگائے۔

⑭ اچھا نام رکھے کہ باعثِ برکت ہے۔ خصوصاً ''محمد'' کہ اس نام کی برکات دنیا و آخرت میں بچے کے کام آتی ہیں۔

⑮ جب ''محمد'' نام رکھے، تو اس کی تعظیم و تکریم کرے۔

⑯ مجلس میں اس کے لئے جگہ چھوڑے۔

⑰ مارنے، برا کہنے میں احتیاط کرے۔

⑱ جو مانگے، مناسب طریقے سے دے۔

⑲ برا نام نہ رکھے۔

⑳ پیار میں چھوٹے لقب، بے قدر نام نہ رکھے کہ پڑا ہوا نام مشکل سے چھوٹتا ہے۔

㉑ اس کی ماں سے یا کسی نیک صالحہ شریف القوم دائی سے، دو سال تک دودھ پلوائے۔

㉒ رذیل و بد افعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت بدل دیتا ہے۔

㉓ بچے کی حفاظت کرے۔

㉔ اس کا نفقہ اور حاجت کا سب سامان فراہم کرے۔

㉕ اپنی ضرورتوں اور شریعت کی جانب سے فرض و واجب کردہ عبادات کی ادائیگی کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بعد زوجہ و بچوں کو، دیگر عزیزوں، رشتہ داروں، غریبوں محتاجوں سے پہلے عطا کرے۔

(26) حلال رزق کھلائے کہ ناپاک مال، ناپاک عادتیں ہی پیدا کرتا ہے۔

(27) اکیلا کچھ نہ کھائے، بلکہ اپنی خواہش کو ان کی خواہش کے تابع کرے۔ جس اچھی چیز کو ان کا جی چاہے، انہیں دے کر خود کھائے، زیادہ نہ ہو، تو ان ہی کو کھلائے۔

(28) خدا کی ان امانتوں کے ساتھ لطف و مہربانی کا برتاؤ رکھے۔

(29) انہیں پیار کرے، بدن سے لپٹائے، کندھے پر سوار کروائے۔

(30) ان کے ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے۔ ان کی دل جوئی و دل داری کی رعایت کرے، چاہے نماز و خطبہ میں ہی کیوں نہ ہو۔

(31) نیا میوہ، نیا پھل پہلے انہیں دے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں، نئے کو نیا مناسب ہے۔

(32) کبھی کبھی حسب ضرورت انہیں شیرینی وغیرہ کھانے، پہننے، کھیلنے کی اچھی چیز کہ شرعاً جائز ہو، دیتا رہے۔

(33) بہلانے کے لئے جھوٹا وعدہ نہ کرے، کیونکہ بچے سے بھی وہی وعدہ جائز ہے، جس کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

(34) چند بچے ہوں، تو سب کو یکساں چیز دے۔ بغیر دینی وجہ کے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

(35) سفر سے آئے، تو ان کے لئے تحفہ ضرور لائے۔

(36) بیمار ہوں، تو علاج کرائے۔

(37) حتی الامکان سخت و اذیت ناک علاج سے بچائے۔

(38) زبان کھلتے ہی اللہ، اللہ اور پھر پورا کلمہ پاک سکھائے۔

(39) جب شعور حاصل ہو، تو ادب سکھائے، کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیاء، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ، استاذ اور بیٹی ہو تو اسے شوہر کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اطاعت کے طور طریقے بھی سکھائے۔

40 قرآن مجید پڑھائے۔

41 استاد، نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کرے اور بیٹی کو نیک پارسا خاتون سے پڑھوائے۔

42 بعدِ ختم قرآن، ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

43 عقائدِ اسلام اور سنتِ رسول اسکھائے، کیونکہ بچے کا قلب وذہن اس وقت ایک سادہ تختی ہے، جو فطرتِ اسلام اور قبول حق کو فوراً قبول کرتی ہے، چنانچہ اس وقت کا بتایا، پتھر پر لکیر ہوگا۔

44 رسول اللہ کی محبت وتعظیم ان کے قلوب میں پیدا کرے کہ اصل ایمان وعین ایمان ہے۔

45 رسول اللہ ﷺ کی آل واصحاب واولیاء وعلماء کی محبت وعظمت کی تعلیم دے کہ اصل سنت اور زیورِ ایمان، بلکہ باعثِ بقائے ایمان ہے۔

46 سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تلقین شروع کردے۔

47 علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز وروزہ کے مسائل اور توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیاء اور قلب وزبان کی حفاظت وغیرھا خوبیوں کے فضائل اور تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد اور کینہ وغیرہ برائیوں کی برائیوں کی نشاندہی کرے۔

48 پڑھانے، سکھانے میں نرمی کو ملحوظ رکھے۔

49 ضرورت محسوس ہو، تو ڈانٹ ودھمکی سے کام لے، لیکن بددعا نہ دے، کیونکہ بددعا ان کے لئے سببِ اصلاح نہ ہوگا، بلکہ اور زیادہ فساد کا سبب بنے گا۔

50 اگر مارنے کی ضرورت پیش آئے، تو چہرے پر نہ مارے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(51) اکثر فقط خوف پیدا کرنے اور دھمکی دینے سے کام چلائے، چھڑی وغیرہا فقط رعب قائم کرنے کے لئے رکھے۔

(52) تعلیم حاصل کرنے کے زمانے میں کچھ دیر کھیلنے بھی دے، تاکہ طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا رہے۔

(53) غلط دوستوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنے دے۔

(54) بچیوں کو عشق ومحبت کے اشعار وکہانیاں نہ پڑھنے دے کہ بہت جلد بگاڑ کا سبب بنے گا۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکیوں کو سورۂ یوسف کا ترجمہ نہ پڑھایا جائے کہ اس میں عورتوں کے ''مکر'' کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو پھر اشعار وغیرھا پڑھانا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔

(55) جب دس برس کا ہوجائے، تو مار کر نماز پڑھائے۔

(56) اس عمر میں پہنچ جائیں، تو اپنے یا کسی دوسرے کے ساتھ نہ سلائے۔ الگ بستر پر اپنے پاس رکھے۔

(57) جوان ہوجانے پر شادی کردے۔ شادی میں وہی قوم ودین وسیرت وغیرھا کا لحاظ رکھے۔

(58) اس عمر والے بچے کو جو بھی کام کہے، اسے سخت لہجے میں اور حکم والے الفاظ سے نہ کہے، بلکہ نرمی سے بطورِ مشورہ تلقین کرے، تاکہ بچہ، نافرمانی کی بلاء میں گرفتار نہ ہو۔

(59) اسے میراث سے محروم نہ کرے، جیسا کہ بعض لوگ اپنے کسی وارث کو محروم کرنے کے لئے تمام جائیداد کسی ایک وارث یا غیر کے نام کردیتے ہیں۔

(60) اپنے مرنے کے بعد کے زمانے کی بھی فکر رکھے، چنانچہ کم از کم دو حصے ترکہ چھوڑ جائے، تیسرے حصے سے زائد خیرات وغیرھا نہ کرے۔

یہ 60 حق تو بیٹا وبیٹی سب کے ہیں۔ خاص بیٹے کے حقوق یہ ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(61) اسے لکھنا، (62) تیرنا اور (63) تلوار وغیرہا چلانا سکھائے۔(فی زمانہ کوئی بھی ایسا فن سکھانا مستحب ہے کہ جو دفاع کے لئے کام آئے)۔

(64) سورۂ مائدہ کی تعلیم دے۔

(65) بچپنے کی حالت میں اعلانیہ ختنہ کروائے۔

اور خاص بیٹی کے حقوق یہ ہیں۔

(66) اس کی پیدائش پر اظہارِ غم نہ کرے، بلکہ اسے نعمتِ الٰہیہ جانے۔

(67) اسے سینا، پرونا، کاتنا اور کھانا پکانا سکھوائے۔

(68) اسے سورۂ نور کی تعلیم دے۔

(69) لکھنا نہ سکھائے کہ احتمالِ فتنہ ہے۔[1]

(70) بیٹیوں کی زیادہ دل جوئی کی جائے کہ ان کا دل چھوٹا ہوتا ہے۔

(71) کچھ عطا کرنے میں بیٹوں اور انہیں برابر دے۔

(72) عطا کرنے میں ان سے پہل کرے۔

(73) 9 برس کی عمر کو پہنچیں، تو نہ اپنے پاس اور نہ ان کے بھائیوں کے پاس سونے دے۔

(74) اس عمر سے خاص نگہداشت شروع کرے۔

(75) جہاں ناجائز امور کا ارتکاب ہو رہا ہو، ان محافل میں نہ جانے دے، کہ ان کا دل جلدی اثر قبول کرتا ہے۔

(76) اگر بے پردگی کا اندیشہ ہو، تو آزادانہ چھت پر نہ جانے دے۔

(77) گھر میں اچھے لباس و زیورات سے آراستہ کرے کہ شادی کے پیغامات رغبت کے ساتھ آئیں گے۔

---

[1] اگر فتنے کا احتمال نہ ہو اور ضرورت متحقق ہو، تو حرج نہیں۔ جیسے فی زمانہ لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو، تو بچیوں کے رشتوں میں انتہائی دقت پیش آتی ہے۔۱۲منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

78 جب اچھا اور ہم پلہ رشتہ ملے، تو نکاح میں دیر نہ کرے۔

79 اگر ممکن ہو تو 12 برس کی عمر میں شادی کردے۔

80 ہرگز کسی فاسق وفاجر و بدمذہب سے نکاح نہ کرے۔

یہ 80 حق ہیں جو اس وقت احادیثِ مرفوعہ سے میرے خیال میں آئے۔ ان میں اکثر تو مستحبات ہیں، جن کے ترک پر بالکل مؤاخذہ نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔

لیکن دنیا میں بیٹے کو ہرگز اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ باپ پر ان حقوق کے سلسلے میں سختی سے کام لے۔ ہاں 6 حقوق ایسے ہیں کہ جن میں کوتاہی کی بناء پر باپ پر قاضی وغیرہ کے ذریعے سختی کی جاسکتی۔ وہ حقوق یہ ہیں۔

1 نان نفقہ کہ باپ پر واجب ہے، اگر ادا نہ کرے، تو حاکم ادائیگی کے لئے باپ پر جبر کرے گا اور اگر نہ مانے تو قید کیا جائے گا۔ اولاد کے کسی اور قرض وغیرہ میں باپ کو قید کرنا جائز نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

(لایحبس والدوان علافی دین ولده وان سفل الافی النفقة لان فیه اتلاف الصغیر)

"یعنی والد اپنے بیٹے کے قرضے کے سلسلے میں قید نہیں کیا جاسکتا، خواہ سلسلۂ نسب اوپر تک بلحاظ باپ اور نیچے تک بلحاظِ بیٹا چلا جائے، البتہ نان نفقہ کی ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں والد کو قید کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں چھوٹے کی حق تلفی ہے۔" (کتاب الطلاق، باب النفقة)

2 دودھ پلوانا۔ اگر ماں کے دودھ نہ اترتا ہو یا ماں نہ ہو، تو دائی کے ذریعے پلوانا۔ اگر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایسی عورت بغیر تنخواہ نہ ملے، تو تنخواہ مقرر کرے۔ اگر بچے کا اپنا مال نہ ہو، تو باپ سے جبراً لی جائے گی۔

③ پرورش کہ لڑکا 7 برس اور لڑکی 9 برس کی عمر تک جن عورتوں مثلاً: ماں، نانی، خالہ، پھوپھی، کی پرورش میں رہتے ہیں، یہ عورتیں اگر بغیر تنخواہ کے پرورش پر آمادہ نہ ہوں، تو بچے کا مال نہ ہونے کی صورت میں باپ سے زبردستی تنخواہ دلائی جائے گی۔

④ پرورش کی عمر کے بعد باپ کا انہیں اپنی حفاظت میں لینا۔ اس سلسلے میں بھی باپ پر سختی کی جائے گی۔

⑤ ان کے لئے ترکہ باقی رکھنا کہ مال کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہونے کے بعد یعنی مرض الموت میں مرنے والا اس پر مجبور ہوتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی معاملے میں وصیت کرنا چاہے، تو مال کے تیسرے حصے سے زائد میں وارثوں کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہ ہوگی۔

⑥ اپنے نابالغ بچے، خواہ بچی کو کسی غیر ہم پلہ سے بیاہ دینا یا اپنے خاندان میں عموماً جو مہر رکھا جاتا ہے، اس سے بہت زیادہ فرق کے ساتھ مہر مقرر کرنا۔ مثلاً خاندان میں 1000 روپے مہر رکھا جاتا ہے، لیکن اپنی بیٹی کا نکاح 500 روپے مہر کے بدلے میں کر دینا یا بہو کے خاندان میں عموماً 500 روپے مہر رکھا جاتا ہے، لیکن اپنے بیٹے کا 1000 مقرر کر دیا یا بیٹے کا نکاح کسی گھٹیا عورت سے اور بیٹی کا کسی ایسے شخص سے کر دینا، جو مذہب یا نسب یا پیشہ یا افعال یا مال میں ایسا نقص رکھتا ہو، جس کے باعث اس سے نکاح، ذلت و عار کا سبب بنتا ہو۔ ایسی صورت میں ایک بار تو اس باپ کا کیا ہوا نکاح نافذ ہو جائے گا، بشرطیکہ نشے میں نہ ہو، لیکن اگر دوبارہ اپنے کسی نابالغ بچے کا اس طرح کیا، تو بالکل صحیح نہ ہوگا۔ [1]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 451 تا 457

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

بروزِ قیامت ماں باپ بھی خود غرضی میں مبتلاء ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

((انه یکون للوالدین علی ولدهمادین فاذاکان یوم القیامة یتعلقان به فیقول اناولد کما فیودان او یتمنیان لو کان اکثر ذلك))

"بروزِ قیامت والدین کا بیٹے پر کچھ حق ہوگا، والدین اس کی جانب لپکیں گے، تو بیٹا کہے گا کہ میں تو تمہارا بیٹا ہوں، (لیکن اس کے باوجود) والدین کو حق دلوایا جائے گا اور وہ تمنا کریں گے کہ کاش! ہمارا حق اور زائد ہوتا۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

پانچ قسم کے گروہ ایسے ہیں کہ اللہ عزوجل، ان کی حقوق العباد کے سلسلے میں کی گئی کوتاہی بھی، معاف فرمادے گا۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اس وقت نظر میں پانچ ایسے گروہ ہیں کہ جن کے بارے میں بالکل واضح طور پر اللہ عزوجل کی جانب سے حقوق العباد کی معافی کا اعلان ہے۔

① حاجی، جب کہ پاک مال، پاک کمائی اور پاک نیت کے ساتھ حج کرے اور اس میں

---

① المعجم الکبیر، حدیث: 10526.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لڑائی جھگڑے، عورتوں کے سامنے تذکرۂ جماع اور ہر قسم کے گناہ ونافرمانی سے بچے۔ اگر ایسا کرے گا، تو بشرطِ قبول، اس وقت تک کئے ہوئے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر حج کے بعد فوراً مر گیا، اتنی مہلت نہ ملی کہ حقوق اللہ یا حقوق العباد جو اس کے ذمے تھے، ادا کرتا یا ان کی فکر کرتا، تو امیدِ واثق ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے تمام حقوق سے مطلقاً درگزر فرمائے گا، یعنی نماز، روزہ زکوۃ وغیرھا فرائض کو ادا نہ کیا تھا، تو اللہ عزوجل ان تمام کو معاف فرما دے گا اور حقوق العباد وقرض وظلم مثلاً کسی کا قرض دبالیا، کسی کا مال چھینا تھا، کسی کو برا کہا تھا، ان سب معاملات کو اپنے ذمۂ کرم پر لے لے گا، چنانچہ ان لوگوں کو روزِ قیامت راضی فرما کر مطالبے اور جھگڑے سے نجات بخشے گا۔

یوں ہی اگر یہ حاجی بعد میں زندہ رہا اور جتنی ہمت ووسعت تھی، اتنے حقوق ادا کرنے کی کوشش کی، مثلاً:

* زکوۃ ادا کر دی، نماز وروزوں کی قضاء، ادا کر لی۔
* جس کا جو بھی مال ذمہ میں آتا تھا، ادا کر دیا۔
* جسے جسمانی یا قلبی اذیت پہنچائی تھی، اس سے معاف کروالیا۔
* جس مال کا مطالبہ کرنے والا نہ رہا یا معلوم نہیں، اسے صدقہ کر دیا۔
* زندگی کے مختصر وتمام ہونے کی بناء پر بندوں یا رب کے جو حقوق رہ گئے، ان کی ادائیگی کے لئے وصیت کر دی۔

غرض یہ کہ ان حقوق سے بری الذمہ ہونے کے جن طریقوں پر قدرت حاصل ہوئی، ان میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہوا، تو ایسے شخص کے لئے عفو ودرگزر کی امید اور زیادہ قوی ہے، کیونکہ اصل حقوق کی تو یہ تدبیر ہو گئی اور ان تمام کوتاہیوں کا گناہ، حج سے ڈھل چکا۔

ہاں اگر بعدِ حج قادر ہونے کے باوجود ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی، تو یہ سب گناہ، نئے سرے سے اس کے سر پر ہوں گے، کیونکہ حقوق تو ابھی بھی باقی تھے، ان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی ادائیگی میں تاخیر اور کوتاہی ایک نیا گناہ ہوا اور وہ حج ان نئے گناہوں کے ازالے کو کافی نہ ہوگا، کیونکہ سابقہ گناہوں کو دھوتا ہے، آئندہ کے لئے آزادی کا پروانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ حج مبرور کی نشانی یہ ہے کہ انسان پہلے سے زیادہ بہتر حالت کے ساتھ واپس لوٹے۔

حج کے سلسلے میں دلیل یہ حدیث پاک ہے، جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ (جب ادائیگی حج کے دوران) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا اور سورج ڈوبنے کے قریب ہوگیا، تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو میرے لئے خاموش کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر پکارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاموش ہوجاؤ۔ لوگ ساکت ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یامعشر الناس اتانی جبریل انفا فاقرنی من ربی السلام وقال ان اللہ عزوجل غفر لاھل عرفات واھل المعشر وضمن عنھم التبعات))

"یعنی اے لوگو! ابھی جبریل نے آکر مجھے میرے رب کا سلام پہنچایا اور کہا کہ بے شک اللہ عزوجل نے عرفات اور مشعر الحرام والوں کی مغفرت فرمادی اور ان کے باہمی حقوق کا خود ضامن ہوگیا۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! کیا یہ دولت خاص ہمارے لئے ہے؟ فرمایا:

((ھذا لکم ولمن اتی من بعدکم الی یوم القیامۃ))

"یعنی یہ انعام تمہارے لئے اور تمہارے بعد قیامت تک آنے والوں کے لئے بھی ہے۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ عزوجل کی خیر، کثیر اور پاکیزہ ہے۔ ①

② سمندر میں شہید ہونے والا کہ خاص اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر اور اس کا بول بالا کرنے کے لئے سمندر میں جہاد کرے اور وہاں ڈوب کر شہید ہو جائے۔ احادیث میں آیا ہے کہ مولیٰ عزوجل خود اپنے دستِ قدرت سے اس کی روح قبض کرتا، اپنے تمام حقوق معاف فرماتا اور بندوں کے سب مطالبے، جو اس پر تھے، اپنے ذمۂ کرم پر لیتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((یغفر لشهید البر الذنوب کلها الا الدین ویغفر لشهید البحر الذنوب کلها والدین))

"یعنی جو خشکی میں شہید ہو، تو اس کے حقوق العباد کے علاوہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو دریا میں شہادت پائے، اس کے تمام گناہ اور حقوق العباد سب کے سب معاف ہو جاتے ہیں۔" ②

③ شہیدِ صبر یعنی وہ صحیح العقیدہ مسلمان جسے کسی ظالم نے گرفتار کر کے بے کسی اور مجبوری کی حالت میں قتل کیا، سولی دی، پھانسی دی۔ اس پر تمام گناہوں کے معاف ہونے کا کرم اس وجہ سے ہے کہ قید ہونے کے باعث یہ شخص جنگ اور مدافعت پر قادر نہ تھا، بخلاف شہیدِ جہاد کے کہ وہ مارتا مرتا ہے، چنانچہ اس شخص کی بے کسی زیادہ باعثِ رحمتِ الٰہی ہوتی ہے کہ حق اللہ اور حق العبد کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((قتل الصبر لا یمر بذنب الا محاه))

---

① الدر المنثور، بحواله ابن مبارك عن انس رضی اللہ عنہ

② المعجم الكبير، حديث: 7716.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

”یعنی قتل صبر جس بھی گناہ پر سے گزرتا ہے، اسے مٹا دیتا ہے۔“[1]

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((قتل الرجل صبرا کفارة لماقبله من الذنوب))

”آدمی کا بطریق صبر مارا جانا، پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ ہے۔“ (ایضاً)

علامہ مناوی، تیسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

(ظاهره وان كان المقتول عاصیاومات بلا توبة ففيه ردعلى الخوارج والمعتزلة)

”یعنی اس حدیث کا ظاہراً مفہوم یہ ہے کہ مقتول اگرچہ گناہ گار ہو اور بغیر توبہ کئے مرجائے (تب بھی اس کے گناہوں کی بخشش کردی جائے گی)، پس اس میں خارجیوں اور معتزلہ کا رد ہے۔“ (التیسیر شرح الجامع الصغیر۔تحت حدیث قتل الصبر......الخ)

اور ہم نے صحیح العقیدہ کی قید اس لئے لگائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لو ان صاحب البدعة مكذبابالقدر قتل مظلوماً صابرا محتسبابين الركن والمقام لم ينظر الله فی شیء من امره حتى يدخله جهنم))

”یعنی اگر کوئی بدمذہب تقدیر کا انکار کرنے والا، حجر اسود اور مقام ابراہیم (علیہ السلام) کے درمیان محض مظلوم و صابر مارا جائے اور وہ اپنے اس قتل میں ثواب الٰہی کی اُمید بھی رکھے، تب بھی اللہ عزوجل اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے گا، یہاں

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الحدود

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تک کہ اسے داخل جہنم فرمادے گا۔"[1]

④ قرض دار، جس نے کسی حاجتِ شرعیہ کے سبب، کسی نیک کام کے لئے قرض لیا اور کبھی اس کی ادائیگی میں نیت کا بگاڑ پیدا نہ کیا، بلکہ ہمیشہ سچے دل سے ادا پر آمادہ اور تاحدِ قدرت اس کی فکر کرتا رہا، پھر کسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہ ہوسکا اور موت آگئی، تو اللہ عزوجل اس کے لئے اس قرض سے درگزر فرمائے گا اور روزِ قیامت اپنے خزانۂ قدرت سے ادا فرما کر قرض خواہ کو راضی کردے گا۔ لیکن اللہ عزوجل کی جانب سے اس مقام پر معافی کا وعدہ اسی قرض کے ساتھ خاص ہے، نہ کہ تمام حقوق العباد کے لئے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من دان دینا ینوی قضائه اداه الله عنه یوم القیامة))

"یعنی جو کسی ایسے قرض کا معاملہ کرے، جس کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہو، تو اللہ عزوجل بروزِ قیامت اس کی جانب سے ادا فرمادے گا۔"[2]

اور حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((من تداین بدین وفی نفسه وفاؤه ثم مات تجاوز الله عنه وارضی غریمه بماشاء))

"یعنی جس نے کوئی معاملۂ قرض کیا اور دل میں ادائیگی کا ارادہ رکھتا تھا، پھر اسے موت آگئی، تو اللہ عزوجل اس سے درگزر فرمائے گا اور دائن کو جس چیز کے بدلے چاہے گا، راضی کرے گا۔"[3]

---

① العلل المتناهية، باب دخول امبتدع النار، حدیث: 215.

② المعجم الكبير، حدیث: 1049،

③ المستدرك للحاكم، كتاب البيوع، باب ماجاء فی جواز الاستقراض

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نیک کام کے لئے قرض لینے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ احادیث میں اس نیت کو معتبر مانا گیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ان اللہ تعالیٰ مع الدائن حتی یقضی دینہ مالم یکن دینہ فیمایکرہ اللہ))

"بے شک اللہ عزوجل قرض دار کے ساتھ ہے، حتیٰ کہ اپنا قرض ادا نہ کر دے، بشرطیکہ اس کا قرض اللہ عزوجل کی ناپسندیدگی والے کام کے لئے نہ ہو۔"[1]

اور مجبوری کی بناء پر ادا نہ کر سکنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

اللہ عزوجل بروزِ قیامت قرض دار بندے سے پوچھے گا، تو نے قرض کیوں لیا اور بندوں کا حق کیوں ضائع کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا، اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میرے اپنے کھانے، پینے، پہننے اور ضائع کرنے کی بناء پر اس کے قرض کی ادائیگی نہیں رکی، بلکہ مال میں آگ لگ گئی یا چوری ہو گئی یا تجارت میں نقصان ہو گیا۔" یہ سن کر اللہ عزوجل فرمائے گا:

((صدق عبدی فانااحق من قضی عنک))

"میرا بندہ سچ کہتا ہے، پس سب سے زیادہ میں مستحق ہوں کہ تیری طرف سے اس قرض کو ادا کر دوں۔"[2]

⑤ اولیائے کرام وارباب معرفت الٰہی (عزوجل) کہ واضح حکم قرآنی کے ساتھ ان کے لئے بروزِ قیامت ہر خوف وغم سے محفوظ رہنے کی بشارت ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝﴾

---

① کنز العمال، حدیث: 15430.

② مسند امام احمد بن حنبل، عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر

''خبردار، بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''(سورۂ یونس:62)

چنانچہ اگران میں سے بعض بتقضائے بشریت، بعض حقوق الٰہیہ میں اپنے منصب و مقام کے لحاظ سے کسی کوتاہی کے مرتکب ہو بھی جائیں، تب بھی اللہ عزوجل انہیں وقوع سے قبل معاف فرما چکا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قد اعطیتکم من قبل ان تسئلونی وقد اجبتکم من قبل ان تدعونی وقدغفرت لکم من قبل ان تعصونی﴾

''بے شک میں نے تمہیں عطا فرمادیا، اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کچھ طلب کرو اور میں نے تمہاری درخواست قبول کرلی، قبل اس کے کہ تم مجھے پکارو اور یقیناً تمہاری نافرمانی کرنے سے پہلے میں نے تمہیں معاف کردیا۔''[1]

یوں ہی اگر آپس میں کسی طرح کی رنجش ہو یا کسی بندے کے حق میں کچھ کوتاہی ہو گئی ہو، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی معاملات، تو وہ بھی درگزر کئے جائیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((ستکون لا صحابی زلة یغفرها الله تعالیٰ لهم لسابقتهم معی))

''عنقریب میرے ساتھیوں سے کچھ لغزشیں ہوں گی، جنہیں ان کی پیش قدمی کے باعث، اللہ عزوجل معاف فرمادے گا۔''[2]

---

[1] مفاتیح الغیب تفسیر کبیر، تحت آیت وماکنت بجانب الغربی......

[2] الجامع الصغیر، حدیث: 3356. لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خطاء گناہِ صغیرہ میں شمار ہوتی ہو اور وہ شخص اس پر اصرار نہ کرے۔ ورنہ کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار کی صورت میں معافی تو درکنار، سلبِ ولایت بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ علم کلام کی مشہور و مستند کتاب النبراس میں ہے، حتی انه یخرج بالکبیرة »

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اسی گروہِ مقدس کے سردار حضرات اہلِ بدر ہیں کہ جن کے بارے میں واضح ارشاد ہو چکا:

((اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم))

''یعنی اب تم جو چاہو کرو، میں تمہیں بخش چکا۔''[1]

انہیں کے اکابر سادات سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے لئے بارہا فرمایا گیا:

((ما علی عثمٰن ما عمل بعد هذه ما علی عثمن ما عمل بعد هذه))

''یعنی آج کے بعد عثمان جو کچھ کرے، اس کی گرفت نہیں، آج کے بعد عثمان جو کچھ کرے، اس کی گرفت نہیں۔''[2]

فقیر کہتا ہے کہ حدیث: ((اذا احب الله عبد الم یضره ذنب)) ''یعنی جب اللہ عزوجل کسی بندے کو اپنا محبوب بنالے، تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔''[3] کی عمدہ تشریح یہی ہے کہ اولاً تو محبوبانِ خدا کوئی گناہ نہیں کرتے اور کبھی کبھار کوئی خطاء سرزد ہو بھی جائے، تو اللہ عزوجل کی جانب سے نصیحت وتنبیہ کردی جاتی ہے اور پھر ((التائب من الذنب کمن لاذنب له)) ''یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا، اس شخص کی مثل ہے، جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔''[4]

‹‹ واصرار الصغیر عن الولایۃ حتی کہ وہ ولی، کبیرہ اور صغیرہ گناہوں پر اصرار کی بناء پر ولایت سے نکل جاتا ہے۔ (باب فی کرامات الاولیاء۔ صفحہ 295) ۱۲ منہ

1. بخاری، کتاب المغازی، باب فضل من شهدبدرا
2. ترمذی، ابواب المناقب، مناقب عثمان غنی
3. الفردوس بماثور الخطاب، حدیث: 2432.
4. الفردوس بماثور الخطاب، حدیث: 2432.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور بالفرض ارادۂ الٰہیہ دوسرے طرز میں تجلی فرما ہوا اور عفو و درگزر، مقام قبول و محبوبیت پر نافذ ہوا، تو مطلقاً معافی ہے اور گناہ کا نقصان، ہر طرح مفقود۔

فقیر کے گمان میں حدیثِ مذکور ام ہانی رضی اللہ عنہا:

((ینادی منادمن تحت العرش یااھل التوحید))

"یعنی عرش کے نیچے سے ایک نداء کرنے والا نداء کرے گا کہ اے توحید پرستو!۔"[1]

میں اہل توحید سے یہی محبوبان خدا مراد ہیں کہ توحید خالص، جو ہر طرح کے شرک خفی واخفیٰ سے خالی ہو، انہیں کا حصہ ہے، بخلاف اہل دنیا، جنہیں دینار کا غلام، درہم کا غلام، طمع کا غلام، خواہش کا بندہ فرمایا گیا۔

اور بے شک بے حصول معرفتِ الٰہی، نفسانی خواہشات کی اطاعت سے باہر آنا سخت دشوار ہے۔ یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت، بلکہ طلب وارادت، بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ، کے معنی عوام کے نزدیک لا معبود الا اللہ (یعنی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)، خواص کے نزدیک لا مقصود الا اللہ (یعنی اللہ کے علاوہ کوئی مقصود نہیں)، اہل ہدایت کے نزدیک (یعنی اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں کہ جس کی وحدانیت کی گواہی دی جائے اور جس کی بارگاہ میں مخلوق حاضر ہو)، اور ان اخص الخواص، اربابِ نہایت کے نزدیک لا موجود الا اللہ (یعنی اللہ کے علاوہ کوئی حقیقتاً موجود نہیں)۔ چنانچہ اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس حدیث کی یہ تاویل، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تاویل سے احسن واجود ہے۔[2]

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث: 1358؛

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 466

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حدیثِ مبارکہ: ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) یعنی جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ انہیں میں سے ہے۔"[1] میں مشابہت سے مراد وہ مشابہت ہے، جو کسی غیر قوم کو محبوب جانتے ہوئے، قصداً اختیار کی جائے۔

غیر قوموں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ مشابہت اختیار کرنا دو قسم کا ہوتا ہے: ① التزامی۔ ② لزومی۔

التزامی یہ ہے کہ کوئی شخص، کسی قوم کے طور طریقے و وضع قطع خاص اسی قصد کے ساتھ اختیار کرتا ہے کہ ان کی سی صورت بنائے اور مشابہت حاصل کرے۔ حقیقۃً تشبہ اسی کو کہتے ہیں۔

اور لزومی یہ کہ اس شخص کا ارادہ مشابہت اختیار کرنے کا تو نہ ہو، لیکن وہ وضع قطع یا طور طریقہ اس قوم کی خاص علامت ہو کہ چاہے یا نہ چاہے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔

پھر التزامی میں قصد و ارادے کی تین صورتیں ہیں۔

① اس قوم کو محبوب و پسندیدہ جان کر ان سے مشابہت کو پسند کیا جائے۔ یہ مشابہت اختیار کرنا اگر کسی بدعتی قوم کے ساتھ ہو، تو بدعت اور قومِ کفار کے ساتھ ہو، تو معاذ اللہ کفر ہے۔ مذکورہ حدیث میں مشابہت، حقیقۃً فقط اسی صورت کے ساتھ خاص ہے۔

غمز العیون والبصائر میں ہے:

(اتفق مشائخنا ان من رای امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من

---

① ابو داؤد، باب لبس الشھرۃ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

المجوس اوترك المضاجعة عندهم حال الحيض حسن فهو كافر)

”یعنی ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھے، تو وہ بلاشبہ کافر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی کھانا کھاتے وقت باتیں نہ کرنے کو اور حالتِ حیض میں عورت کے پاس نہ لیٹنے کو مجوسیوں اور آتش پرستوں کی اچھی عادت کہے، تو وہ کافر ہے۔“

(الفن الثالث، کتاب السیر، باب الردة)

② کسی ضرورت کی وجہ سے اختیار کی جائے۔ ایسی صورت میں اس وضع قطع کی برائی اور اس ضرورت کی وجہ کا موازنہ کیا جائے گا۔ اگر ضرورت غالب ہو، تو بقدرِ ضرورت اور وقتِ ضرورت میں یہ مشابہت اختیار کرنا، کفر کیا، ممنوع بھی نہ ہوگا۔ جس طرح کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعض فتوحات کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام کیا اور اس ذریعہ سے کفار واشرار کی بھاری جماعتوں پر اللہ عزوجل کے اذن سے غلبہ پایا۔

اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف کے زمانے میں جب کہ تمام کفارِ یورپ نے سخت ہنگامہ برپا کیا تھا، دو عالموں نے پادریوں کی وضع قطع بنا کر دورہ کیا اور اس تعصب کی آگ کو بجھا دیا۔

خلاصہ میں ہے:

(لوشد الزنار على وسطه ودخل دار الحرب لتخليص الاسارى لايكفر ولودخل لاجل التجارة يكفر)

”اگر کوئی شخص اپنی کمر میں زنار باندھے اور قیدیوں کو چھڑانے کے لئے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دارالحرب میں داخل ہو، تو کافر نہ ہوگا اور اگر (اس مدت میں تجارت) کے لئے جائے، تو کافر ہو جائے گا۔

(کتاب الفاظ الکفر، الفصل الثانی، المجلس السادس)

ملتقط میں ہے:

(اذا شدا لزنار او اخذا لغل اولبس قلنسوۃ المجوس جادا اوھا زلا یکفر الا اذا فعل خدیعۃ فی الحرب)

''یعنی جب کسی شخص نے زنار باندھا یا طوق لیا یا آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی، خواہ سنجیدگی کے ساتھ یا ہنسی مذاق کے طور پر، تو کافر ہو گیا۔ لیکن اگر جنگ میں (دشمن کو دھوکے میں مبتلاء کرنے کی غرض سے) بطورِ تدبیر ایسا کیا، تو کافر نہ ہوگا۔''

(منح الروض الازھر بحوالہ الملتقط۔ فصل فی الکفر صریحاً و کنایۃ)

③ نہ تو اسے اچھا جانتا ہے اور نہ ہی کوئی ضرورتِ شرعیہ اس پر مجبور کرنے والی ہے، بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے یا یوں ہی بطورِ مذاق اس کا مرتکب ہوا، تو حرام و ممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ طور طریقہ و وضع ان کفار کی مذہبی علامت ہے، جیسے زنار، قشقہ، چٹیا یا صلیب وغیرہ، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا۔

اور لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے، جب کہ کسی کی جانب سے جان سے مارنے یا کوئی عضو تلف کر دینے کی دھمکی کے ساتھ سخت مجبور نہ کیا گیا ہو۔ جیسے انگریزی ٹوپی، پینٹ وغیرہ۔ اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی علامت نہیں ہیں، مگر آخر قومی علامت تو ہیں، لہٰذا ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔ [1]

---

[1] ان چیزوں کا گناہ ہونا اس وقت تھا جب یہ چیزیں مسلمانوں میں عام نہ ہوئی تھیں۔ اب چونکہ عام ہو چکی ہیں، لہٰذا ان کا استعمال مباح ہے، یعنی نہ گناہ، نہ ثواب۔ جیسا کہ چند سطور آگے وضاحت کی گئی ہے۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

(الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیء من ذی الفساق ویعطی له فی ذلك کثیر اجر لا یستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة)

یعنی موچی یا درزی، فساق و فجار کی وضع کے مطابق معمول سے زیادہ اجرت پر لباس تیار کرے، تو اس کے لئے یہ کام مستحب نہیں (یعنی کثیر اجرت پر نگاہ نہ رکھے، بلکہ فقط اخروی گرفت پیش نظر رہنی چاہیے)، اس لئے کہ یہ گناہ پر امداد و اعانت ہے۔ (کتاب الحظر و الاباحة)

مگر ان چیزوں کو اختیار کرنے والا اسی وقت گناہ گار ٹھہرے گا کہ جب اس زمانے میں اور جس مقام پر انہیں اختیار کیا، اس جگہ میں، یہ امور کفار کی ایسی خاص علامت ہوں، جس سے ان کی پہچان ہوتی ہو اور ان میں اور ان کے غیر میں یہ امور مشترک نہ ہوں، یعنی مسلمانوں میں عام نہ ہوئے ہوں۔ اگر ایسا ہو، تو یہاں لزوم ثابت نہیں ہو سکتا، چنانچہ اب ان کا استعمال گناہ بھی نہ ہوگا۔ [1]

ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ عمل یا وضع قطع شرعاً قابل مذمت ضرور ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی، نہ کہ مشابہت کی وجہ سے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں یہودیوں کی شعار، چادر طیلسان کے بارے میں لکھا:

(اما ماذکره ابن القیم من قصة الیهود فقال الحافظ ابن حجر انما یصح الاستدلال به فی الوقت الذی تکون

[1] جیسا کہ اب پینٹ شرٹ اور ٹائی وغیرہ عام ہیں۔ ۱۲ منہ

الطیالسة من شعارهم وقدارتفع ذلك فی هذه الازمنة فصارداخلافی عموم المباح وقدذكره ابن عبدالسلام رحمه الله تعالی فی امثلة البدعة المباحة)

''یعنی بہر حال جو کچھ حافظ ابن قیم نے یہودیوں کا واقعہ ذکر کیا ہے، تو اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا، یہ استدلال اس وقت درست تھا، جب کہ مذکورہ چادران کا مذہبی شعار ہوا کرتی تھی، لیکن اس دور میں یہ چیز ختم ہو رہی ہے، لہٰذا اب یہ عموم مباح میں داخل ہے۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بدعتِ مباحہ کی مثالوں میں ذکر فرمایا ہے۔

(المواهب اللدنية، النوع الثانی، اللباس لبس الطيلسان)

امام قاضی خان اور امام محمد ابن الحاج، فصل مکروہات الصلوۃ میں، علامہ زین الدین بن نجیم مصری بحرالرائق میں اور علامہ محمد بن علی دمشقی درمختار میں فرماتے ہیں:

(التشبه باهل الكتاب لایكره فی كل شیء فانا ناكل ونشرب كمايفعلون ان الحرام التشبه بهم فيما كان مذموما اوفيما يقصدبه التشبه)

''یعنی ہر چیز میں اہل کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں ہوتی، کیونکہ ہم ویسے ہی کھاتے پیتے ہیں، جیسے وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں، ان سے مشابہت ان کاموں میں حرام ہے، جو برے ہوں یا جن میں قصداً مشابہت اختیار کی جائے۔ (درمختار۔باب مايفسدالصلوة)

علامہ علی قاری ''منح الروض'' میں فرماتے ہیں:

(انامنوعون من التشبيه بالكفرة واهل البدعة المنكرة فی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شعارهم لامنهيون عن كل بدعة ولوكانت مباحة سواء كانت من افعال اهل السنة اومن افعال الكفرواهل البدعة فالمدارعلى الشعار)

"یعنی ہمیں کافروں اور اہل بدعت کے شعار اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، ہاں جو بدعت مباح کا درجہ رکھتی ہو، اسے منع نہیں کیا گیا، چاہے وہ اہل سنت کے افعال میں سے ہوں یا کفار واہل بدعت کے کاموں میں سے۔ لہٰذا مشابہت کی ممانعت کا دارومدار شعار ہونے پر ہے۔"

(منح الروض الزهرعلى الفقه الاكبر-فصل فى الكفرصريحاً)

فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے ہے:

(قال هشام فى نوادزه ورأيت على ابى يوسف رحمه الله نعلين محفوفين بمسا ميرالحديد فقلت له اترى بهذا الحديدبأساقال لافقلت له ان سفيان وثوربن يزيد كرها ذلك لانه تشبه بالرهبان فقال ابويوسف رحمه الله كان رسول الله ﷺ يلبس النعال التى لهاشعوروانهامن لباس الرهبان)

"یعنی ہشام نے "نوادر" میں فرمایا: میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا، جن کے چاروں طرف لوہے کی کیلیں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ان سے عرض کی، کیا آپ اس لوہے میں کوئی حرج محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا، نہیں۔ میں نے عرض کی، لیکن سفیان اور ثور بن یزید، تو انہیں ناپسند فرماتے ہیں، کیونکہ ان میں عیسائی راہبوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ایسے جوتے پہنتے

تھے، جن کے بال ہوتے تھے، حالانکہ یہ بھی عیسائی راہبوں کا لباس تھا۔

(كتاب الكراهة ، باب التاسع)

اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ مشابہت وہی ممنوع ومکروہ ہے، جس میں مشابہت اختیار کرنے والے کی نیت، مشابہت اختیار کرنے کی ہی ہو یا وہ شے ان کفار وغیرھا کی خاص علامت وپہچان ہو یا اپنی ذات کے اعتبار سے ہی کوئی حرج رکھتی ہو، بغیران صورتوں کے کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کفار کی مثل دھوتی باندھنا، بعض صورتوں میں کبھی بالکل جائز، کبھی مکروہ اور کبھی ممنوع ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس دھوتی کے استعمال کرنے والے مسلمانوں کا قصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کافروں کی سی صورت بنائی جائے، چنانچہ ایسے مسلمانوں سے بدگمانی بالکل جائز نہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولًا﴾

''ان امور کے پیچھے نہ پڑو، جن کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک (بروزِ قیامت) کان، آنکھ اور دل سے سوال کیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل - 17)

اور اگر ہر چیز سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے، تو اس کی ذات میں کوئی حرج شرعی

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 530

نہیں، بلکہ یہ تو ستر ڈھکنے والی چیزوں میں سے ایک ہے اور عربوں کے لباس تہبند سے فقط لٹکنے اور پیچھے گھرس لینے کے اعتبار سے فرق رکھتی ہے (کہ تہبند پیچھے سے اندر کی جانب نہیں گھسایا جاتا، جب کہ اسے گھسایا جاتا ہے)، چنانچہ اس میں کسی امر شرعی کا خلاف لازم نہ آیا۔

اس تفصیل سے ممانعت کی دو وجوہات تو یقیناً دور ہو گئیں۔ ایک کفار سے مشابہت کا ارادہ نہ ہونا۔ دوسری اس کی بناء پر کسی شرعی حکم کی مخالفت لازم نہ آنا۔

رہا یہ کہ کیا یہ کفار کی خاص علامت ہے یا نہیں؟ تو یقیناً یہ خیال بھی باطل ہے، کیونکہ بنگالہ وغیرہ کے عام شہروں میں رہنے والے ہر مسلم اور کافر کا یہی لباس ہے۔ یونہی تمام اضلاع ہند کے دیہات میں ہندو مسلمین یہی وضع رکھتے ہیں۔ رہے وسطِ ہند کے شہری لوگ، ان میں بھی شہر کے اطراف اور مختلف گھٹیا پیشے اختیار کرنے والے لوگ، جنہیں کم قوم کہا جاتا ہے، بعض ہر وقت اور بعض اپنے کاموں ضرورتوں کی حالت میں دھوتی باندھتے ہیں۔ ہاں یہاں کے معزز شہریوں میں اس کا رواج نہیں۔ لیکن ان بعض لوگوں کے دھوتی کو اختیار نہ کرنے سے فقط یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پہننے والے اپنی تہذیب وثقافت کے خلاف جا رہے ہیں، نہ یہ کہ جو باندھے، اسے فعل کفر کا مرتکب سمجھیں۔ ایسی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ حکم دیا جائے گا کہ ان اضلاع کے شہری اور وجاہت دار آدمی کو گھر سے باہر اس کا باندھنا مکروہ ہوگا کہ بلا وجہ شرعی، اپنی قوم کی عادت واطوار کے خلاف کام کرنا سببِ شہرت اور باعثِ کراہت ہے۔

علامہ قاضی عیاض مالکی، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی (شارحین صحیح مسلم) اور پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی شارح (طریقۂ محمدیہ)، فرماتے ہیں:

(خروجه عن العادة شهرة ومكروه)

''عادت وعرف کی خلاف ورزی، مکروہ اور باعثِ شہرت ہے۔'' ①

ہاں اگر کسی مقام کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہیں، تو بچنا زیادہ ضروری ہے۔ حرج فقط پیچھے گھرسنے میں ہے، ورنہ تہبند تو عین سنتِ مبارکہ ہے۔ ②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

غیر قوموں سے مشابہت کے لئے فقط کسی ایک امر میں مشابہت کا ثبوت کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر ہر فعل میں مشابہت ہو، تب ہی حکمِ ممانعت متوجہ ہوگا۔

سوال ہوا کہ:

زید، کوٹ، کالر، نکٹائی اور بوٹ پہنتا اور انگریزی فیشن کے بال رکھتا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ اس میں نصاریٰ سے مشابہت ہے، جب کہ زید کہتا ہے کہ مشابہت کا حکم نہ ہونے کے لئے ادنیٰ فرق ہی کافی ہے (جیسا کہ مذکورہ چیزوں کے علاوہ دیگر امور میں مشابہت نہیں)۔ ان دونوں میں سے کون حق پر ہے؟

جواب دیا گیا:

جو بات کفار یا بد مذہبان اشرار یا فساق وفجار کی علامت ہو، بغیر کسی حاجتِ صحیحہ شرعیہ اور رغبتِ نفس کے ساتھ اس کا اختیار کرنا ناجائز وگناہ ہوتا ہے، اگرچہ وہ ایک ہی چیز ہو، کیونکہ کم از کم اس ایک چیز میں تو کفار سے مشابہت لازم آ ہی رہی ہے، اگرچہ دیگر چیزوں میں مشابہت بالکل نہ ہو، چنانچہ اتنی مقدار بھی ممنوع ہوگی۔ اس کی نظیر گلاب اور پیشاب

---

① الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، فصل ومن اعظامه الخ (نوٹ: اس کتاب کا اُردو ترجمہ میں انتہائی خوبصورت انداز میں مکتبہ اعلیٰ حضرت سے شائع کیا گیا ہے)۔

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ (نوٹ: مذکورہ تفصیل سے پینٹ وغیرہا انگریزی لباسوں کا شرعی حکم بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے)۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہے۔یعنی مثلاً: ایک گلاس میں گلاب ہے۔اس میں ایک قطرہ پیشاب ڈال دیا جائے،تو یقیناً کل ناپاک ہوجائے گا،یہ نہیں کہ پورا گلاس پیشاب سے بھر دیا جائے،تب ناپاکی کا حکم لگایا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ عموماً احادیثِ کریمہ اور ارشاداتِ فقہ میں ہر ایسی چیز پر حرام وممنوع ہونے کا حکم لگایا گیا ہے،نہ کہ سر سے پاؤں تک ہر ہر چیز میں مشابہت اختیار کی جائے،تب ممانعت کی جائے گی۔ایسی سوچ جہالت ہے یا عقل کا فساد اور اگر جان بوجھ کر کہا جائے،تو شریعتِ مطہرہ سے کھلی دشمنی ہے۔اس وہم کو زائل اور باطل قرار دینے کے لئے احادیث وفقہ سے 25 دلائل ملاحظہ فرمائیں:

① حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لعن اللہ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشابهات من النساء بالرجال))

"یعنی عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر اللہ عزوجل کی لعنت۔"[1]

یہ حدیث اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کی مزید مثالیں دیکھئے۔

عرب کی عورتیں جو اوڑھنی اوڑھتی تھیں،حفاظت کی غرض سے سر پر اس کا پیچ دے لیتیں۔اس پر ارشاد ہوا کہ ایک پیچ دیں،دو نہ ہوں کہ مردوں کے عمامہ کے ساتھ مشابہت پیدا نہ ہو۔چنانچہ ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((ان النبی ﷺ دخل علیها وهی تختمر فقال لية لا ليتين))

"یعنی رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے،توانہیں اوڑھنی اوڑھتے

---

① بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهين

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہوئے ملاحظہ کیا، ارشاد فرمایا: سر پر ایک پیچ دو، دو پیچ مت دینا۔"[1]

تیسیر جامع صغیر میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے:

(حذرامن التشبه بالمتعممين)

"(یہ منع فرمانا) عمامہ باندھنے والے مردوں کی مشابہت سے بچنے کی غرض سے تھا۔"

دیکھئے پورا زنانہ لباس مشابہت دور کرنے کے لئے کافی نہ ہوا، بلکہ فقط دوپٹے کے دو پیچ مشابہت پیدا کرنے کے لئے کافی قرار دئے گئے۔

② ایک عورت کندھے سے کمان لگائے ہوئے گزری، اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لعن الله المتشابهات من النساء بالرجال))

"یعنی اللہ عزوجل نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی، جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہیں۔"[2]

* عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ام سعید بنت ام جمیل رضی اللہ عنہا کو کمان لگائے، مردانی چال چلتے دیکھا، تو فرمایا:

(سمعت رسول الله ﷺ يقول ليس منامن تشبه بالرجال من النساء ولامن تشبه بالنساء من الرجال)

"یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ عورت ہم میں سے نہیں، جو مردوں سے مشابہت اختیار کرے اور نہ وہ مرد ہم میں سے ہے، جو

---

① ابو داؤد، کتاب اللباس، باب کیف الاختمار

② المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: 11647.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عورتوں سے مشابہت اختیار کرے۔''[1]

③ عورتوں کو حکم فرمایا گیا کہ ہاتھوں میں مہندی لگائیں تا کہ مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

((ان هندة بنت عتبة رضی الله عنهاقالت یانبی الله با یعنی قال لا ابایعك حتی تغیری كفیك كانهماكفاسبع))

''یعنی عتبہ کی بیٹی ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیك وسلم)! مجھے بیعت فرمالیجئے۔ فرمایا: میں اس وقت تک تجھے بیعت نہ کروں گا، جب تک تو اپنی ہتھیلیوں میں (مہندی وغیرہ) کے ذریعے تبدیلی نہ لائے، تیری ہتھیلیاں تو درندے کی ہتھیلی کی مثل ہیں۔''[2]

مرقاۃ میں ہے:

(شبه یدیهاحین لم تخضبهمابكفی سبع فی الكراهیة لانهاحینئذ شبیهة بالرجال)

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کی بناء پر اس کے غیر رنگین ہاتھوں کو جنگلی درندے سے تشبیہ دی، کیونکہ اس حالت میں وہ مردوں سے مشابہہ ہوگئی تھی۔

(كتاب اللباس، باب الترجل)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ زیادہ نہ ہو، تو ناخن ہی رنگین رکھیں۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((اومأت امراة من وراء ستربیدها كتاب الی رسول الله

---

[1] مسند امام احمدبن حنبل، مسند عبد الله بن عمرو

[2] ابوداؤد، كتب الترجل، باب فی الخضاب للنساء

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ﷺ فقبض النبی ﷺ یده فقال ماادری ایدرجل ام یدامراة قالت بل یدامراة قال لوکنت امراة لغیرت اظفارك بالحناء))

''یعنی ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اشارہ کیا۔اس کے ہاتھ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک خط تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ارشاد فرمایا، مجھے نہیں معلوم کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا۔اس نے عرض کی، نہیں یہ عورت کا ہاتھ ہے۔ارشاد فرمایا: اگر تو عورت ہوتی، تو ضرور اپنے ہاتھوں کی سادگی کو مہندی کے ذریعے تبدیل کرتی۔''[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

(وگفته اندکه وجه کراهت وانکارتشبه برجال ست وسابقامعلوم شدکه زنان را تشبه برجال مکروه ست)

''یعنی ائمہ کرام نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ناپسندیدگی اور انکار کی وجہ مردوں سے مشابہت ہے اور پہلے معلوم ہو گیا کہ عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا مکروہ ہے۔''

(اشعة اللمعات۔کتاب اللباس۔باب الترجل)

میں کہتا ہوں کہ ناپسندیدگی کا یہ سبب خود حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ:

((رواه احمد فی مسنده عن امراة صلت القبلتین مع رسول الله ﷺ قالت دخل علی رسول الله ﷺ فقال اختضنی تترك احدكن الخضاب حتی تكون یدها كید

[1] ابوداؤد، کتاب الترجل، باب فی الخضاب للنساء

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الرجال قالت فماترکت الخضاب حتی لقیت اللہ تعالیٰ وھی بنت ثمانین))

''یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، اپنی مسند میں ایک ایسی عورت سے روایت کرتے ہیں، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں دونوں قبلوں کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی، اس نے کہا میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاتھوں کو خضاب سے رنگین کر، تم میں سے کوئی عورت ہاتھوں کو خضاب سے رنگنا چھوڑ دیتی ہے، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ مردوں کے ہاتھوں کی طرح ہوتے ہیں۔ (راوی کہتے ہیں) پھر اس کے بعد ان خاتون نے خضاب لگانا نہ چھوڑا، حالانکہ ان کی عمر 80 سال ہوگئی تھی۔''

④ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((نظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود))

''یعنی اپنے دروازوں کے سامنے والی زمین کو صاف ستھرا رکھو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو۔''[1]

اس حکم کی وجہ یہ تھی جب یہود پر ذلت اور مسکینی مسلط کی گئی، تو ان کی زمینیں میلی کچیلی رہا کرتیں، چنانچہ مشابہت سے منع کر دیا گیا۔ اور قابل توجہ امر یہ ہے کہ یہاں ایک ایسی بیرونی شے سے بھی مشابہت سے روک دیا گیا کہ جس کا جسم سے کوئی تعلق نہ تھا۔

⑤ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی کہ ((ان امرأۃ تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ ﷺ الرجلۃ من النساء)) ''یعنی ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے؟

---

① جامع ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء فی النظافۃ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی، جو مردانی وضع اختیار کریں۔''[1]

مرقاۃ میں ہے:

((تلبس النعل ای التی تختص بالرجال))

''یعنی عورت وہ جوتا پہنتی تھی، جو مردوں کے لئے خاص تھا۔''[2]

⑥ نماز میں بھی اہل کتاب سے مشابہت ممنوع قرار دی گئی، حالانکہ نماز کے تقریباً تمام افعال، غیر قوموں سے جداگانہ ہیں، اسی لئے امام کا محراب میں کھڑا ہونا، مکروہ ہے۔

ہدایہ میں ہے:

(یکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان)

''یعنی امام کا مکمل طور پر طاق میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ عمل اہل کتاب سے مشابہت رکھتا ہے، اس حیثیت سے کہ امام کو ایک جگہ کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔'' (کتاب الصلوۃ۔باب مایفسدالصلوۃ)

⑦ اسی مشابہت اہل کتاب کی بناء پر امام کا مقتدیوں سے ایسی بلندی پر ہونا مکروہ قرار دیا گیا، جو نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہو۔

ہدایہ میں ہے:

(یکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان لماقلنا)

''یعنی تنہا امام کا کسی بلند جگہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی۔'' (کتاب الصلوۃ، باب مایفسدالصلوۃ)

---

① ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء

② کتاب اللباس، حدیث: 4470۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

البحر الرائق اور ردالمحتار میں ہے:

(علــلــوه بانه تشبه باهل الكتاب فانهم يتخذون لامامهم دكانا)

"یعنی فقہائے کرام نے اس کی علت یہ قرار دی کہ یہ رویہ اہل کتاب سے مشابہت رکھتا ہے، کیونکہ وہ لوگ اپنے امام کے لئے (سب سے جداگانہ) ایک نمایاں، ممتاز اور بلند چبوترہ متعین کرتے تھے۔"[1]

⑧ نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز ٹوٹنے کا سبب ہے، لیکن صاحبین (یعنی آپ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد) نماز کو درست مانتے ہیں، لیکن مشابہتِ اہل کتاب کی بناء پر اس فعل کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

(اذاقرأالامام من المصحف فسدت صلوته عندابی حنيفة وقالاهی تامة الاانه يكره لانه تشبه بصنع اهل الكتاب)

"یعنی جب امام (بحالتِ نماز) دیکھ کر قرآن پڑھے، تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن صاحبین نے فرمایا کہ نماز تمام ہو جائے گی، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ طریقہ اہل کتاب کے عمل کے مشابہ ہے۔" (کتاب الصلوة۔باب مایفسدالصلوة)

⑨ جہاں جاندار کی تصویر کھلی اور تعظیماً رکھی ہو، اگرچہ نمازی کے پیچھے، وہاں نماز مشابہت کی بناء پر مکروہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

---

① کتاب الصلوة، باب مایفسدالصلوة الخ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(علة حرمة التصوير المضاهاة لخلق الله تعالى وعلة كراهة الصلوة بها التشبه)

''یعنی تصویر کے حرام ہونے کا سبب، اللہ عزوجل کی پیدا کرنے والی صفت میں مشابہت ہے اور اس تصویر کے ساتھ نماز پڑھنے کا مکروہ ہونا، (کفار کی عبادات سے) مشابہت کی وجہ سے ہے۔''

(کتاب الصلوة۔باب مایفسد الصلوة)

⑩ یونہی اگر قبلہ کی سمت میں صلیب ہو، تو نصاریٰ سے مشابہت کی بناء پر مکروہ ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

(اقول والظاهر انه يلحق به الصليب وان لم يكن تمثال ذى روح لان فيه تشبهابالنصارى ويكره التشبه بهم فى المذموم وان لم يقصده)

''یعنی میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ صلیب کے حکم کو، تصویر کے حکم کے ساتھ لاحق کیا جائے، اگرچہ صلیب کسی ذی روح کی تصویر نہیں، کیونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے اور قابل مذمت کاموں میں ان کے ساتھ مشابہت مکروہ ہے، اگرچہ یہ مشابہت غیر ارادی طور پر ہو۔''

(کتاب الصلوة۔باب مایفسد الصلوة)

⑪ مرد کو ہتھیلی، تلوے، بلکہ صرف ناخنوں میں بھی مہندی لگانا حرام ہے، کیونکہ عورتوں سے مشابہت ہے۔

شرعۃ الاسلام اور مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

(الحناء سنة للنساء ويكره لغيرهن من الرجال الاان يكون

لعذر لانه تشبه بهن)

''یعنی مہندی، عورتوں کے لئے سنت اور ان کے علاوہ مردوں کے لئے بلا عذر مکروہ ہے، کیونکہ اس میں ان کے ساتھ مشابہت ہے۔'' [1]

میں کہتا ہوں کہ یہ کراہت، کراہتِ تحریمی ہے، کیونکہ گزشتہ حدیث میں گزرا کہ اللہ ﷻ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی، جو عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں، چنانچہ اس ذکرِ وعید کی بناء پر کراہتِ تحریمی کا ثبوت صحیح ہے اور چونکہ مشابہت میں کسی خاص چیز کو خاص نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ ممانعت ناخنوں کے رنگنے کو بھی شامل ہوگی۔

عبارت میں عذر کی صورت کو حکم ممانعت سے خارج کیا گیا ہے، اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ مہندی لگانے کا عذر اس وقت قابل قبول ہوگا کہ جب اس کی جگہ کوئی اور شے قائم مقام نہ ہو۔ نیز مہندی میں کسی ایسی شے کی ملاوٹ نہ ہو سکے کہ جو اس کے رنگ کو زائل کردے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا استعمال صرف بطورِ دوا وعلاج ہو، زیب وزینت وآرائش مقصود نہ ہو۔

⑫ عورت کو اپنے سر کے بال کم کرنا حرام ہے اور کم کرے، تو ملعونہ قرار پائے گی کہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے۔

درمختار میں ہے:

(قطعت شعر رأسها اثمت ولعنت والمعنى المؤثر التشبه بالرجال)

''کسی عورت نے سر کے بال کاٹ ڈالے، تو وہ گناہ گار ہوئی اور اس پر اللہ ﷻ کی لعنت برسی اور اس حکم میں جو سبب کار فرما ہے، وہ مردوں کے ساتھ

---

① كتاب اللباس، حديث: 4428.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مشابہت ہے۔" (کتاب الحظر والاباحۃ)

⑬ مرد کو اپنے سر کا درمیانہ حصہ منڈوا دینا، جسے پان بنانا کہتے ہیں، جائز ہے، بشرطیکہ اطراف کے بال باقی رکھے اور انہیں گوندھے نہیں، ورنہ پیشانی یا گدی کے بال مونڈنا مجوس سے تشبہ ہے اور گوندھنا بعض کفار سے۔

ذخیرہ وتاتارخانیہ وفتاویٰ عالمگیری وردالمحتار میں ہے:

(لابأس للرجل ان يلحق وسط رأسه ويرسل شعره من غيران يفتله وان فتله فذلك مكروه لانه يصير مشابها ببعض الكفرة والمجوس فی ديارنايرسلون الشعرمن غيرفتل ولكن لايلحقون وسط الرأس بل يجزون الناصية)

"یعنی مرد کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے سر کا درمیانی حصہ منڈوائے اور بقیہ بال بغیر گندھے کھلے چھوڑ دے اور اگر اس نے انہیں گوندھ ڈالا، تو ایسا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ بعض کافروں سے مشابہ ہو جائے گا اور ہمارے علاقائی آتش پرست بغیر گوندھے، اپنے بال کھلے چھوڑتے ہیں، لیکن وہ سر کی چوٹی کے بال نہیں مونڈتے، بلکہ پیشانی کے بال کتر ڈالتے ہیں۔ [1]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

---

[1] ردالمحتار۔کتاب الحظر والاباحۃ۔فصل فی البیع (نوٹ: ظاہر یہی ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہوگی کہ جب اتنے بال کٹوائے جائیں کہ مردوں کی مثل چھوٹے ہو جائیں۔ اگر فقط آخر سے تھوڑے سے کاٹے گئے، جیسا کہ عموماً دومنہ بن جانے کی بنا پر کاٹے جاتے ہیں، تب حرج نہیں)۔۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(عن ابی حنیفة یکره ان یلحق قفاه الا عند الحجامة)

"یعنی امام اعظم ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے مروی ہے کہ گدی کے بال مونڈنا مکروہ ہے، مگر جبکہ فصد لگوانے کا ارادہ ہو۔ (کتاب الکراهية۔الباب التاسع عشر)

⑭ مرد کو ساڑھے چار ماشہ سے کم وزن کی ایک انگوٹھی، ایک نگ کی جائز ہے، دو یا زیادہ نگ حرام، کیونکہ اب یہ عورتوں کا زیور ہو گیا۔

جامع الرموز ورد المحتار میں ہے:

(انما یجوز التختم بالفضة لو علی هیأة خاتم الرجال اما لو له فصان او اکثر حرام)

"چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، بشرطیکہ مردانہ انگوٹھی کی شکل پر ہو (مثلاً ایک نگینے والی ہو، چنانچہ) اگر دو یا زیادہ نگینے ہوں، تو حرام ہے۔"

(ردالمحتار۔کتاب الحظر والاباحة۔فصل فی اللبس)

⑮ چاندی کی مردانہ انگوٹھی عورت کو پہننا منع ہے، ہاں اگر پہننا چاہے، تو زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔

(زنان زاتشبه برجال مکروه است تا آنکه انگشتری نقره زنان را مکروه است واگر بکنند بایدکه رنگ کنند بزعفران ومانندآں)

"یعنی عورتوں کو مردوں سے مشابہت اختیار کرنا، مکروہ ہے اور اس کا اس حد تک لحاظ کیا گیا ہے کہ عورتوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی پہننی مکروہ ہے، اگر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کبھی اتفاقاً پہننی پڑے، تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔" [1]

⑯ مرد کو عورت کی طرح چرغہ کاتنا منع ہے کہ زنانہ کام ہے، مشابہت پیدا ہوگی۔

درمختار میں ہے:

(غزل الرجل على هيأة غزل المرأة يكره)

"یعنی کسی مرد کا عورتوں کی طرح چرخے پر سوت کاتنا مکروہ ہے۔"

(كتاب الحظر والاباحة۔فصل فی البيع)

طحطاوی میں ہے:

(لما فيه من التشبه وقدلعن رسول الله ﷺ المتشبهين والمتشبهات)

"یعنی یہ کراہت اس لئے ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور بے شک رسول اللہ (ﷺ) نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت پیدا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔"(كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البيع)

⑰ چبلاضرورتِ صحیحہ عورت کو گھوڑے پر چڑھنا منع ہے کہ مردانہ کام ہے۔حدیث میں اس پر لعنت آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يكون فی اخر امتی نساء يركبن على مرج كاشباه

---

[1] اشعة اللمعات، كتاب اللباس، باب الترجل (نوٹ: یہ حکم اسی مقام پر ہوگا، جہاں چاندی کی انگوٹھی کا پہننا مردوں میں اتنا رائج ہو کہ عورت کے ہاتھ میں اس قسم کی انگوٹھی دیکھ کر ذہن فوراً مردوں کی طرف جائے، ورنہ حرج نہیں)۔١٢ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الرجال الحديث وفي اخره العنوهن فانهن ملعونات))

''میری امت کے آخر میں کچھ ایسی عورتیں ہوں گی، جو مردوں کی طرح جانوروں پر سوار ہوں گی۔ الحدیث۔ اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ ان عورتوں پر لعنت بھیجو، کیونکہ وہ ملعون ہیں۔''[1]

⑱ مرد سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے کہ رافضیوں کا شعار ہے۔

درمختار میں ہے:

(يجعله لبطن كفه في يده اليسرى وقيل اليمنى الا انه من شعار الرافض فيجب التحرز عنه)

''یعنی انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں اس طرح پہنے کہ اس کا نگینہ ہاتھ کی اندرونی سطح کی جانب ہو اور یہ کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ طریقہ رافضیوں کی علامت ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔''

میں کہتا ہوں، لیکن شرح مشکوۃ ملا علی قاری میں امام بغوی کی شرح السنہ کے حوالے سے بخاری و مسلم کی حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

((اتخذ النبي ﷺ خاتما من ذهب وجعله في يده اليمنى ثم القاه))

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اسے سیدھے ہاتھ میں پہنا، پھر اسے پھینک دیا۔''

---

[1] موردالظمان، باب فيما يحرم على النساء مما يصف البشرة

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یہ حدیثِ پاک دو باتوں پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پہنی۔ اس حکم میں تبدیلی یوں ہوئی کہ سونا مردوں کے حق میں حرام ہو گیا۔
اور دوسری یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہنی۔ لیکن آپ کا آخری عمل یہ ہے کہ آپ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔ اور اصول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آخری عمل مبارک کو لیا جاتا ہے اور آخری عمل یہی ثابت ہوا کہ آپ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔

(19) بعض علاقوں میں ایک مخصوص ٹوپی روافض کا شعار تھی، چنانچہ علماء نے اس کا پہننا گناہ قرار دیا۔
منح الروض میں ہے:

(لبس تاج الرفضة مکروه کراهة تحریم وان لم یکن کفرا بناء علی عدم تکفیرهم لقوله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم)

"رافضیوں کی ٹوپی پہننا، مکروہِ تحریمی ہے، اگرچہ کفر نہیں، اس بناء پر کہ ان کی تکفیر مروی نہیں (اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ انہی میں سے ہے۔"

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر۔ فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ)

(20) یہاں تک تو مرد و عورت کا آپس میں مشابہت اختیار کرنا تھا یا کسی گمراہ سے، پھر معاذ اللہ اس معاملے کی خباثت کا کیا شمار جو کفار سے مشابہہ ہو۔ ائمہ دین نے فرمایا، بلا ضرورتِ شرعیہ، مجوس کی ٹوپی پہننی کفر ہے، اگرچہ مذاقاً پہنی جائے اور اگر کوئی پہنے اور اس پر اعتراض کیا جائے، تو کہے کہ دل درست ہونا چاہیے، چاہے لباس کسی بھی وضع قطع کا ہو، تو وہ کافر ہو جائے گا کہ اس نے احکام شریعت کو رد کیا ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خزانۃ المفتین میں ہے:

(اذا وضع قلنسوة مجوس علی راسه الاصح انه یکفر)

"یعنی جب کوئی شخص اپنے سر پر آتش پرستوں کی ٹوپی رکھے، تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔" (فصل فی الفاظ الکفر)

ملتقط پھر منح الروض میں ہے:

(لبس قلنسوة المجوس جادا اوهاز لا یکفر الا اذا فعل خدیعة فی الحرب)

"یعنی جس نے آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی، خواہ سنجیدگی سے یا ہنسی مذاق سے، دونوں صورتوں میں تکفیر کی جائے گی، مگر جب کہ جنگ میں کفار کو فریب دینے کے لئے ایسا کیا جائے۔"

(منح الروض الازهر شرح فقه الاکبر۔فصل فی الکفر صریحا وکنایة)

اسی میں فتاویٰ امام ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

(من وضع قلنسوة المجوسی علی راسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر قال ای لانه ابطل حکم ظواهر الشریعة)

"یعنی جس نے اپنے سر پر آتش پرستوں کی ٹوپی رکھی، پھر اس سے کہا گیا (کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟) تو اس نے کہا، دل سیدھا ہونا چاہیے، تو وہ کافر ہو گیا۔ فرمایا: (اس کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ) اس نے ظاہر شریعت کے حکم کو باطل قرار دیا۔ (ایضاً)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

㉑ رومال کو کفار کی ٹوپی کی طرح سر پر رکھنا بھی حرام ہے، یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا ہے۔

جامع الفصولین میں ہے:

(جعل منديله يشبه قلنسوة المجوسي ووضعه على راسه كفر لاعنداكثرهم)

"یعنی آتش پرستوں کی ٹوپی کے مشابہ رومال بنا کر اپنے سر پر رکھا، تو ائمہ کرام کے نزدیک کافر ہو گیا، لیکن اکثر ائمہ کرام کے نزدیک ایسا نہیں۔"

(الفصل الثامن فی مسائل کلمات الکفر)

㉒ ماتھے پر قشقہ لگانا۔ ㉓ یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے۔

منح الروض میں ہے:

(لو وضع الغل على كتفه فقدكفراذالم يكن مكرهاوفيه عن الملتقط اخذ الغل جادا اوهاز لايكفرالااذافعل خديعة في العرب)

"یعنی اگر کسی نے اپنے کندھے پر صلیب رکھی، تو وہ کافر ہو گیا، بشرطیکہ مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اور اسی میں فتاویٰ ملتقط کے حوالے سے ہے، زنجیر خواہ سنجیدگی سے رکھی یا ہنسی مذاق سے، دونوں صورتوں میں کافر ہو گیا۔"

(منح الروض الازهر شرح فقه الاكبر-فصل في الكفر صريحاوكناية)

میں کہتا ہوں کہ غل کے معنی زنجیر کے ہیں اور یہ صلیب کے معنی میں ہمارے شہروں میں متعارف نہیں۔ جامع الفصولین میں الفاظ یہ ہیں:

(وضع صليباعلى كتفه كفر)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"کسی نے اپنے کندھے پر صلیب رکھی، تو بلاشبہ کافر ہو گیا۔"

(الفصل الثامن فی مسائل کلمات الکفر)

اور یہ بالکل واضح ہے، لہٰذا منح الروض میں جو کچھ مذکور ہوا، وہ کتابت کی غلطی ہے۔

㉔ زنار (یعنی علامتِ کفر کا دھاگہ) باندھنا کفر ہے۔

منح الروض میں ہے:

(لوشدالزنارعلی وسطه فقدکفرای اذالم یکن مکرها)

"یعنی اگر کسی نے اپنی کمر پر زنار باندھا، تو بے شک کافر ہو گیا، بشرطیکہ اس پر زبردستی نہ کی گئی ہو۔"

(منح الروض الازهرشرح فقه الاکبر۔فصل فی الکفر صریحاو کنایة)

اسی میں ملتقط سے ہے:

(شدالزنارجادااوهازلایکفرالااذافعل خدیعة فی الحرب)

"یعنی جس نے سنجیدگی یا مذاق سے زنار باندھا، وہ کافر ہو گیا، مگر جب کہ جنگ میں دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایسا کیا (تو جائز ہے)۔" (ایضاً)

اسی میں محیط سے ہے:

(ان شدالمسلم الزنارودخل دارحرب للتجارة کفر)

"یعنی اگر کسی مسلمان نے زنار گلے میں باندھا اور دارِ حرب میں کاروبار کے لئے گیا، تو کافر ہو گیا۔" (ایضاً)

اسی طرح جامع الفصولین وخزانۃ المفتین والاشباہ والنظائر میں ہے:

(عبادة الصنم کفروکذالوتزنربزنارالیهودوالنصاری

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دخل کنیستھم اولم یدخل)

"یعنی بت کی پرستش کفر ہے اور اسی طرح اگر کسی نے یہودیوں یا عیسائیوں کا زنار گلے میں باندھا (تو حکم کفر ہے)، خواہ ان کے گرجے میں جائے یا نہ جائے۔(الاشباہ والنظائر۔الفن الثانی۔کتاب السیر۔باب الردۃ)

㉕ بلکہ اگر کسی نے رسی کا کوئی ٹکڑا کمر کے ساتھ باندھا، پھر کسی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا، زنار ہے، تو کافر ہو گیا۔

خلاصہ وعالمگیریہ وبزازیہ وظہیریہ وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین میں ہے:

(امرأۃ شدت علی وسطھا حبلا وقالت ھذا زنار تکفر)

"یعنی کسی عورت نے اپنی کمر میں کوئی رسی باندھی اور کہا یہ زنار ہے، تو وہ کافرہ ہو جائے گی۔"(فتاویٰ عالمگیری بحوالہ خلاصہ۔کتاب السیر۔الباب التاسع)

ظہیریہ ومنح الروض میں ہے:

(وحرم الزوج)

"یعنی اس عورت پر شوہر حرام ہو گیا۔"

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر۔فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ)

یہاں اگرچہ صورتاً مشابہت نہ تھی، فقط نام رکھنے سے کفر لازم آیا، تو جہاں نام وصورت سب موجود ہو، حکم تشبہ کیونکر مفقود ہو سکتا ہے؟

کسی ایک بات میں تشبہ کو، بقیہ چیزوں میں تشبہ نہ ہونے کی بناء پر غیر موجود تصور کرنا، فقط مجنون یا بددین کا ہی کام ہو سکتا ہے۔

اس بات کا حاصل یہ ہوگا کہ سو باتیں تشبہ کی ہوں اور ایک نہ ہو، تو تشبہ نہ رہے گا۔ ایسا کہنے والے کی نگاہ میں شریعتِ مطہرہ کی تو جو قدر ہوگی، بالکل واضح ہے، مگر انسانی عقل

وتہذیب کو بھی رخصت کر دیا؟ کیا اس شخص کی مثل نظریہ رکھنے والا اگر مجنون نہیں، تو کیا گوارا کرے گا کہ سر سے پاؤں تک زنانہ لباس، کرتی، کلی والا پاجامہ ہاتھ پاؤں میں مہندی لگا کر صرف ٹوپی سر پر رکھ لے اور پھر کہے کہ عورتوں سے مشابہت باقی نہ رہی کہ ادنیٰ فرق تشبہ دور کرنے کے لئے کافی تھا؟ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

پان کھانا جائز اور اکابرین اسلام سے ثابت ہے۔

ایک سوال کے جواب میں کہا گیا:

پان بلاشبہ جائز ہے اور زمانہ حضرت شیخ العالم فریدالدین گنج شکر و حضرت سلطان المشائخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت اور مسلمانوں میں بلاکسی انکار کے رائج ہے۔ [2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حقہ پینا، کبھی مباح، کبھی مکروہ اور کبھی حرام ہے۔

ارشاد فرمایا:

حقے تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس طرح جہال رمضان میں افطار کے وقت دم لگاتے ہیں، جس سے آنکھیں چڑھ جاتی ہیں، حواس متغیر ہو جاتے ہیں، یہ حرام ہے۔

حدیث میں ہے:

(نہی رسول اللہ ﷺ عن مسکر و مفتر)

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 535

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 253

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور جسم میں سستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا۔''[1]

دوسرا وہ جسے بے احتیاط لوگ پیتے ہیں، جن کے تازہ ہونے کا اہتمام نہ ہو اور تمبا کو کثیف و بدبودار ہو، ایسا حقہ پینا مکروہِ تنزیہی وخلافِ اولیٰ ہے، جیسے کچا لہسن اور کچی پیاز۔

درمختار میں ہے:

(الحاقابالثوم والبصل)

''یعنی حقے کو کچے لہسن اور پیاز کے حکم میں رکھا گیا ہے۔'' (کتاب الاشربہ)

تیسرا وہ کہ اسے بدبو سے بچایا جائے اور شرعاً ممنوعہ اشیاء سے پاک ہو، تو وہ مباح خالص ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿خلق لکم ما فی الارض جمیعا﴾

''یعنی اللہ عزوجل نے جو کچھ زمین ہے، تمہارے نفع کے لئے ہی پیدا فرمایا ہے۔''[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

پان کھانا کبھی واجب اور کبھی حرام بھی ہوسکتا ہے۔

ارشاد فرمایا:

پان کھانا نہ سنت ہے، نہ مستحب، ہاں مباح ہے (یعنی نہ گناہ، نہ ثواب) ہاں بعض

---

[1] ابو داؤد، کتاب الاشربہ، باب ماجاء فی السکر

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 554

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خارجی امور کی بناء پر مستحب ہوسکتا ہے، جیسے نہ کھانے میں میزبان کی دل شکنی ہو یا زوجہ کا بوسہ لینے کے لئے منہ کو خوشبودار کرنے کی نیت سے کھانا۔ بلکہ کبھی واجب بھی ہوسکتا ہے، جیسے ماں باپ کے حکم دینے پر اور نہ ماننے میں ان کی ایذاء کا اندیشہ ہو۔ یونہی مکروہ بھی ہو سکتا ہے، جیسے تلاوتِ قرآن مجید کے وقت، بلکہ حرام بھی، جیسے نماز میں کھانا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بلا عذرِ شرعی کسی جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے یعنی چاہے عکسی ہو یا ہاتھ سے بنی ہو۔ سید الکونین ﷺ کے زمانۂ اقدس میں دونوں قسم کی تصاویر بنائی جاتی تھیں یعنی بعض مجسمات کی شکل میں ہوتی تھیں اور بعض محض عکس اور سایہ کی صورت میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ احادیثِ کریمہ میں بغیر کسی قید کے تصویر سازی کی ممانعت فرمائی گئی اور بغیر کسی تخصیص کے سخت وعید بیان کی گئی، لہٰذا تصویر کی تمام اقسام ممانعت میں داخل رہیں گی۔ ہاں بے سایہ یا عکسی تصویر کو جائز قرار دینا، صرف بعض روافض کا مذہب ہے۔

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ تصویر والا تکیہ خرید لائیں۔ سید الانبیاء علیہ السلام گھر تشریف لائے اور اس پر نگاہ پڑی، تو آگے بڑھنے سے قدم مبارک روک لئے۔ جب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے روئے مبارک پر جلال کے آثار نمایاں دیکھے، تو لرزنے لگیں اور عرض گزار ہوئیں، یارسول اللہ (صلی اللہ علیك وسلم)! میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں، مجھ سے کون سی خطاء سرزد ہوئی؟ آپ ﷺ نے

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 557

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ارشاد فرمایا: یقیناً تصویر بنانے والے قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان ڈالو۔ اور فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو، اس میں فرشتے نہیں آتے۔ (بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب التجارۃ فیمایکرہ)

ظاہر ہے کہ تکئے پر جو تصویر تھی، وہ عکسی اور نقاشی ہی ہوگی نہ کہ تراشیدہ مجسمہ۔ کثیر اہل علم نے بلاقید ہر قسم کی تصویر کے حرام ہونے کو واضح طور پر لکھا ہے۔

چنانچہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایا:

(قال اصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وهو من الکبائر لانه متوعد علیه بهذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط او درهم او دینار او غیر ذلك)

"یعنی ہمارے اصحاب اور دیگر علماء کرام نے فرمایا: حیوانات کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ کیونکہ اس پر شدید وعیدیں ذکر کی گئی ہیں۔ وہ تصاویر کسی تکئے پر بنائی جائیں یا کسی بستر پر، درہم و دینار و سکے پر ہوں، حرام اور شریعت کی خلاف ورزی ہے۔"

(کتاب اللباس، باب التصویر)

علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

(فعل التصویر غیر جائز مطلقاً لانه مضاهاة لخلق الله تعالی)

"یعنی تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں، اس لئے کہ یہ اللہ عزوجل کی تخلیق سے مشابہت ہے۔" (کتاب الصلوۃ۔ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیها)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اسی میں البحر الرائق کے حوالے سے ہے:

(صنعته حرام بكل حال لان فيه مضاهاة لخلق الله تعالى وسواء كان فى ثوب اوبساط اودرهم واناء وحائط وغيرها)

''یعنی تصویر سازی ہر حال میں حرام ہے، کیونکہ اس میں تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے۔ اور یہ عام ہے کہ تصویر کپڑے پر ہو یا بچھونے پر یا دراہم پر یا برتن و دیوار وغیرہا پر۔'' (ایضاً)

غور کریں تو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ تصویر کے حرام ہونے کی علت بناوٹِ الٰہی کے ساتھ مشابہت ہے، چنانچہ اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ تصویر قلم سے بنائی جائے یا عکسی چھاپ کر، کیونکہ علت ہر جگہ موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(اشدالناس عذابايوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله تعالى)

''یعنی بروز قیامت لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب والے وہ لوگ ہوں گے، جو اللہ ﷻ کی تخلیق سے مشابہت کرتے تھے۔''[1]

یہ تمام حکم، تصویر سازی اور تصویر کشی کے بارے میں ہے۔ لیکن تصویر اپنے سامنے رکھنے اور گھر میں محفوظ کرنے میں کچھ تفصیل ہے:

علماء کرام نے چند شرائط کے ساتھ تصویر کو حفاظت سے رکھنا حرام قرار دیا ہے، اگر یہ

---

[1] بخاری، کتاب اللباس، باب ماوطی من التصاویر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شرائط نہ ہوں، تو ان کا رکھنا جائز ہے۔

زندہ چیز کی تصویر، اس کی زندگی کی حالت میں ہو یعنی اس طرح نہ ہو کہ فقط صورت دیکھنے سے اس کا بے جان ہونا ظاہر ہو جائے، جیسا کہ چہرے کی تصویر۔ اس کے برخلاف ایسی تصویر کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک یا کان نہ رکھتی ہو کہ ان اعضاء کا نہ ہونا اعضائے ظاہری سے نکلنے کا سبب ہے۔ چنانچہ اگر یہ سر کے ساتھ نہ بنائے گئے یا بنائے گئے، مگر انہیں کاٹ دیا گیا، تو ایسی تصویر کا رکھنا جائز ہے۔

تصویر انتہائی چھوٹی اور باریک نہ ہو۔ یعنی اگر زمین پر رکھی جائے، تو دکھائی تو دے، لیکن اس کے اعضاء کی تفصیل ظاہر نہ ہو (جیسے کعبۃ اللہ کے گرد طواف والے طغروں میں عموماً صورت بالکل واضح نہیں ہوتی)۔ پس اس قسم کی تصویر بنانا حرام تو ضرور ہے، لیکن اس کا رکھنا جائز ہے۔

ذلت کے مقام پر ہو یعنی پاؤں میں پڑی ہو یا فرش میں ہو یا قالین پر بنی ہو۔

درِّ مختار میں ہے:

(لایکرہ لو کانت تحت قدمیہ اومحل جلوسہ لانہامہانۃ)

''یعنی تصویر رکھنا ممنوع نہیں، جب کہ قدموں کے نیچے ہو یا بیٹھنے کی جگہ پر ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کی تذلیل ہے۔''

(کتاب الصلوۃ۔ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا)

ردالمحتار میں ہے:

(وکذا لو کانت علی بساط یوطأ اومرفقۃ تیکاء علیہا)

''اسی طرح اگر قدموں کے نیچے آنے والے بچھونے پر ہو یا ایسی آرام گاہ پر ہو، جس پر تکیہ لگایا جاتا ہے۔'' (ایضاً)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

درمختار میں ہے:

(اوكانت صغيرة لاتتبين تفاصيل اعضائها للناظر قائما وهي على الارض ذكره الحلبي او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه)

''یعنی زمین پر ہو، مگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضاء کی تفصیل دیکھنے والے پر واضح نہ ہو۔ اسے ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا۔ یا سر کٹا ہو یا چہرہ یا ایسے اعضاء مٹے ہوں کہ جن کے بغیر زندگی قائم نہ رہ سکے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

تعظیماً تصویر رکھنا حرام ہے، چاہے کسی بزرگ کی جانب ہی منسوب کیوں نہ ہو۔

پوچھا گیا:

ان دنوں شہر احمد آباد میں ایک فوٹوگراف کی کاپیاں بک رہی ہیں۔ ایک نمونہ آپ کی خدمت میں بھی ارسال کیا گیا ہے۔ یہ فوٹو حضرت پیر ابراہیم بغدادی سجادہ نشین خانقاہ حضرت غوثِ اعظم کا ہے۔ اس کو احمد آبادی وغیرہ تبرک کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس کا مکانوں میں رکھنا حرام ہے یا نہیں؟ جن مکانوں میں یہ فوٹو ہوگا، اس میں رحمت کے فرشتے آئیں گے یا نہیں؟ اس فوٹو کے رکھنے سے برکت ہوگی یا نہیں؟ اور اس فوٹو کو سامنے رکھ کر شیخ کا تصور قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد ہوا:

اللہ عزوجل ابلیس کے مکر و فریب سے پناہ دے۔ دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یونہی ہوئی

---

[1] ایضاً (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ:561)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بنا کر گھروں اور مسجدوں میں تبرکاً رکھی جانا شروع ہوئیں اور ان کی موجودگی کی بناء پر گمان کیا گیا کہ عبادت کی لذت زائد ہو رہی ہے، آہستہ آہستہ انہیں ہی معبود سمجھ لیا گیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کریمہ:

(وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا)

''یعنی کافروں نے کہا ہرگز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی نہ چھوڑو۔'' (نوح: 23)

کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

(کانوا اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما هلکوا اوحی الشیطان الی قومهم ان نصبوا الی مجالسهم التی کانوا یجلسون انصابا وسموها باسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا هلك اولئك ونسخ العلم عبدت)

''یعنی یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک اور پارسا لوگوں کے نام تھے۔ جب وہ وفات پا گئے، تو شیطان نے بعد والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے، وہیں ان مجالس میں انہیں نصب کردو (یعنی ان کے مجسمے قرینے سے کھڑے کردو) اور ان کے جو نام دنیا میں تھے، وہی نام رکھ دو۔ پس لوگوں نے (جہالت میں) ایسا ہی کیا۔ پھر کچھ عرصے ان کی عبادت نہ ہوئی، یہاں تک کہ جب وہ تعظیم کرنے والے مر گئے اور علم مٹ گیا، تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ (بخاری، کتاب التفاسیر، باب ودا و سواعا......الخ)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عبد بن حمید، اپنی تفسیر میں ابو جعفر بن المہلب سے روایت کرتے ہیں کہ:

(کان ود رجلا مسلما وکان محبوبا فی قومه فلما مات عسکروا حول قبره فی ارض بابل وجزعوا علیه فلما رای ابلیس جزعهم علیه تشبه فی صورة انسان ثم قال اری جزعکم علی هذا فهل لکم ان اصور لکم مثله فیکون فی نادیکم فتذکرونه به قالوا نعم فصور لهم مثله فوضعوه فی نادیهم وجعلوا یذکرونه فلما رأی مالهم من ذکره قال هل لکم ان اجعل لکم فی منزل کل رجل منکم تمثالا مثله فیکون فی بیته فتذکرونه قالوا نعم فصور لکل اهل بیت تمثالا مثله فاقبلوا فجعلوا یذکرونه به قال وادرك ابنائهم فجعلوا یرون مایصنعون به وتناسلوا ودرس امر ذکرهم ایاه حتی اتخذوه الها یعبدونه من دون الله قال وکان اول ماعبد غیر الله فی الارض ود الصنم الذی سموه بود)

''یعنی ''ود'' ایک مسلمان شخص تھا اور اپنی قوم میں محبوب و پسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوگیا، تو لوگ اس کی قبر کے آس پاس جمع ہوگئے اور اس کی جدائی پر بے قرار ہوئے۔ جب شیطان نے اس کی جدائی میں لوگوں کو بیتاب پایا، تو وہ انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور کہنے لگا، میں نے اس شخص کے مرنے پر تمہاری بے قراری دیکھی، کیا تم مناسب سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لئے بالکل اسی جیسی تصویر بنادوں، یہ تصویر تمہاری مجلس میں رہے گی اور تم اسے دیکھ کر اسے یاد کرو؟

لوگوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ شیطان نے ان کے لئے بالکل اسی جیسی تصویر بنادی۔ لوگوں نے اسے اپنی مجالس میں سجالیا اور اسے دیکھ کر ''وَدّ'' کو یاد کرنے لگے۔ پھر جب شیطان نے انہیں اس کے ذکر و یاد کی جانب مائل دیکھا، تو بولا، کیا تم یہ مناسب سمجھتے ہو کہ میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں اس شخص کی ایک تصویر بنادوں تاکہ تم اسے گھر میں ہی یاد کرسکو؟

لوگوں نے اس بات کو بھی مان لیا۔ پس اس نے ہر ایک کے گھر میں اس کا ایک ایک فوٹو تیار کردیا، چنانچہ لوگ اس کی جانب متوجہ ہوگئے اور اس کے اس فوٹو کے ذریعے اسے یاد کرنے لگے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ان کی اولاد نے ان کا یہ دور پایا اور وہ اپنے آباء واجداد کو یہ سب کچھ کرتے دیکھتے رہے۔ پھر ان کی نسلیں آگے بڑھیں اور اس کے ذکر کا سلسلہ کچھ پرانا ہوگیا، یہاں تک کہ جہالت کی بناء پر بعد میں آنے والوں نے اسے اپنا خدا بنالیا کہ اللہ عزوجل کو چھوڑ کر اس کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔ سب سے پہلے زمین پر اللہ عزوجل کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی، وہ یہی بت ہے کہ جس کا نام لوگوں نے ''وَدّ'' رکھا ہے۔'' (الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید۔ تحت آیت مذکورہ)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لما اشتکی النبی ﷺ ذکر بعض نسائه کنیسة یقال لها ماریة وکانت ام سلمة وام حبیبة رضی الله عنهما اتتا ارض الحبشة فذکرتا من حسنها وتصاویرها فیها فرفع ﷺ رأسه فقال اولئك اذا مات فیهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجدا ثم صوروا فیه تلك الصور واولئك شرار خلق

الله عندالله)

"یعنی جب رسول اللہ (ﷺ) بیمار ہوئے، تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر فرمایا، جس کو ماریہ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ام سلمہ اور ام حبیبہ (رضی اللہ عنہما) ملکِ حبشہ میں تشریف لے گئیں، پھرانہوں نے وہاں یہ گرجا دیکھا۔ دونوں نے اس کے حسن اور اس میں موجود تصاویر کا تذکرہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک اُٹھا کر ارشاد فرمایا: جب ان لوگوں میں کوئی نیک شخص مرجاتا، تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے۔ پھر ان تصویروں کو اس میں سجا دیتے۔ وہ لوگ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہیں۔"[1]

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

(صوروا ای صور الصلحاء تذکیرا بھم ترغیبا فی العبادۃ لاجلھم ثم جاء من بعدھم فزین لھم الشیطن اعمالھم وقال لھم سلفکم یعبدون ھذہ الصور فوقعوا فی عبادۃ الاصنام)

"یعنی (حدیث مبارکہ میں ہے) وہ لوگ تصویریں بنا دیا کرتے تھے، یعنی نیک لوگوں کی یاد تازہ کرتے رہنے اور عبادت میں رغبت کے حصول کے لئے ان کی تصاویر بنا کر رکھ لیا لیتے تھے۔ پھر ان لوگوں کے بعد دوسرے لوگ آئے، تو شیطان نے پہلوں کے اعمال ان لوگوں کی نگاہوں میں آراستہ کر کے پیش کئے اور ان سے کہا کہ تمہارے اسلاف ان تصویروں کی پرستش کیا کرتے تھے، تو پھر یہ بھی ان کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔" (کتاب اللباس باب، التصاویر)

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب بناء المسجد علی القبر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب وصورة))

''یعنی اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، جس میں کتا یا تصویر ہو۔''[1]

اس حدیثِ پاک میں مطلقاً تصویر کی مذمت کی گئی ہے، چنانچہ تعظیماً لگانے کے لئے کسی بزرگ کی تصویر ہونا، نہ عذر ہو سکتا ہے، نہ اس وبالِ عظیم سے بچا سکتا ہے، بلکہ معظم شخص کی تصویر زیادہ وبال کا سبب ہے، کیونکہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور کسی جاندار کی تصویر کی تعظیم، بت پرستی کی ایک صورت اور گویا ملتِ اسلامیہ کی بالکل واضح مخالفت ہے۔

ابھی حدیث لکھی گئی کہ وہ لوگ اولیائے عظام کی ہی تصویریں رکھا کرتے تھے، جس پر انہیں اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے بدترین قرار دیا گیا۔

پھر انبیاء (علیہم السلام) سے بڑھ کر کون معظم دینی ہوگا؟ اور نبی بھی کون، حضرت شیخ الانبیاء خلیل کبریاء سیدنا ابراہیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، ان کی اور ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت بی بی بتول مریم علیہم الصلوۃ کی تصاویر دیوارِ کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں۔

بخاری (کتاب المناسک، جلد ۱، ص: 218) میں ہے کہ:

جب مکہ معظمہ فتح ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب مٹوا دیں۔ جب آپ تشریف لائے، تو بعض کے نشانات ابھی بھی باقی ملاحظہ فرمائے، چنانچہ پانی منگوا کر بنفسِ نفیس انہیں دھویا اور بنانے والوں کے لئے فرمایا: اللہ عزوجل انہیں ہلاک کرے۔

kutubistan.blogspot.com

ہاں ہمیں بھیجی گئی اس تصویر کے بارے میں یہ شبہ گزر سکتا ہے کہ صاحبزادہ موصوف کی

---

[1] مسلم، کتاب اللباس، جلد 2، ص: 200۔

یہ تصویر صرف سینے تک ہے اور انسان اتنے حصہ بدن سے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور درمختار میں ہے کہ جب تصویر سے وہ عضو محو کر دیا جائے، جس کے بغیر حیات ممکن نہ ہو، تو وہ ممانعت سے خارج ہے۔ چنانچہ فرمایا:

(اوکانت صغیرة) لا تتبین تفاصیل اعضائها للناظر قائما وهی علی الارض ذکره الحلبی (اومقطوعة الراس او الوجه) او ممحوة عضو لا تعیش بدونه (اولغیر ذی روح) لا یکره)

''یعنی (یا چھوٹی ہو) کہ کھڑے ہو کر دیکھیں، تو اس کے اعضاء کی تفاصیل معلوم نہ ہوں۔ اسے حلبی رحمۃ اللہ نے ذکر کیا (یا اس کا سر یا چہرہ کاٹ دیا گیا ہو) یا اس کے کسی ایسے عضو کو مٹا دیا گیا ہو کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے (یا کسی غیر جاندار کی تصویر ہو) تو ان سب صورتوں میں کراہت نہ ہوگی۔''

(کتاب الصلوة۔ باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها)

لیکن یہاں (درمختار کا) یہ قول (کہ یا اس کے کسی ایسے عضو کو مٹا دیا گیا ہو کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے، تو اس صورت میں کراہت نہ ہوگی) اس کا ہو سکتا ہے کہ جس نے خدمتِ فقہ وحدیث نہ کی، نہ اسے مقاصدِ شرع پر نظر (کی صلاحیت) ملی۔

اولاً تحقیقِ مقام میں سرے سے یہ درمختار کی عبارت ہی محلِ نظر ہے۔ کیونکہ میں نے جس قدر کتبِ فقہیہ متون وشروح وفتاویٰ موجود ہیں، سب کو دیکھا، لیکن اس حکم میں درمختار کے علاوہ کسی کا قول نہ پایا۔ نیز ان کا یہ قول اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ جسم کے دوسرے اعضاء، سر اور چہرے کے معنیٰ میں نہیں، اگرچہ ایسا ممکن ہے کہ زندگی کے دارومدار کے سلسلے میں انہیں سر اور چہرے سے مماثلت حاصل ہو۔ وجہ یہ ہے کہ تصویرِ جاندار میں چہرہ ہی اصل

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہے۔یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی کا نام تصویر رکھا ہے اور شک نہیں کہ عرف میں بھی فقط چہرے کو تصویر کہتے اور بنانے والے بارہا اسی کو بنانا کافی سمجھتے ہیں۔نصاریٰ کے بادشاہ سکے میں اپنی تصویر فقط چہرے تک ہی بنواتے ہیں اور بے شک اکثر مقاصد تصویر، چہرے ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

امام ابو جعفر طحاوی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

(الصورة الرأس فكل شيء ليس له راس فليس بصورة)

''یعنی تصویر سر کا نام ہے، لہٰذا جس چیز کا سر نہ ہو، وہ تصویر نہیں۔''

(شرح معانی الآثار۔کتاب الکراھیة۔باب الصورة تکون فی الثیاب)

غور کریں تو صاحب ہدایہ کی یہ عبارت بھی اسی جانب اشارہ کر رہی ہے:

(اذا كان التمثال مقطوع الراس فليس بتمثال)

''یعنی جب کسی مجسمے کا سر کاٹ دیا گیا ہو، تو پھر وہ مجسمہ نہ رہے گا۔''

(كتاب الصلوة۔باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها)

بلکہ جامع صغیر میں بالکل واضح ہے کہ:

(روى محمد عن يعقوب عن ابى حنيفة رضى الله عنه اذا كان راس الصورة مقطوعا فليس بتمثال)

''یعنی امام محمد، امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے اور وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر تصویر کا سر کاٹ دیا گیا ہو، تو وہ بلاشبہ مورتی نہیں۔

(كتاب الصلوة۔باب فى الامام اين يستحب له ان يقوم)

اور ظاہر ہے کہ نیم قد یا سینہ تک تصویر پر یہ کہنا درست ہے کہ اس کا سر نہ کاٹا گیا، چنانچہ اس سے حکم ممانعت دور نہ ہوگا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اتانی جبریل قال اتیتك البارحة فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انه کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت فرام ستر فیه تماثیل وکلب فمر براسِ التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کهیأة الشجرة ومر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطان ومر بالکلب فلیخرج ففعل رسول الله ﷺ))

"یعنی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ میں گزشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا، لیکن مجھے اندر داخل ہونے سے فقط اس چیز نے روکا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں بھی باریک پردہ تھا کہ جس پر تصویریں موجود تھیں، نیز گھر میں ایک کتا تھا، لہٰذا آپ اس تصویر کے بارے میں فرمادیں کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی مثل ہوجائے اور پردے کے بارے میں حکم فرمادیں کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے اور دو مسندیں بنائی جائیں، جو زمین پر ڈالی جائیں اور پاؤں سے روندی جائیں اور کتے کے بارے میں فرمادیجئے کہ اسے باہر نکال دیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔"[1]

دیکھئے جبریل امین (علیہ السلام) نے بھی عرض کی کہ ان تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم فرما دیجئے، جس سے ان کی ہیأت درخت کی مثل ہوجائے، حیوانی صورت باقی نہ رہے۔

اس کا واضح نتیجہ تو یہی ہے کہ سر کاٹے بغیر ممانعت کا حکم ختم نہ ہوگا، کیونکہ اس کے بغیر تصویرِ جاندار، نہ پیڑ کی مثل ہوسکتی ہے، نہ صورتِ حیوانی سے خارج۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر ذرا نیچے اتریں، تو اس قدر تو لازم ہوگا کہ اسے ایسا کردیجئے کہ جس سے وہ ایک بے جان کی صورت معلوم ہو یعنی اس سے حالتِ بے روحی مفہوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے قول مذکور کی شرح میں فرمایا:

(قوله لا تعيش بدونه انما لا تكره الصلوة اليها لانها صورة ميت وهو لا يعبد)

"یعنی مصنف کا کہنا کہ اس (عضو) کے بغیر زندگی نہ ہو، پس ایسی تصویر کی جانب رخ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں، کیونکہ وہ مردے کی تصویر ہے اور مردے کی عبادت نہیں کی جاتی۔"

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار۔كتاب الصلوة۔باب مايفسد الصلوة)

اور شک نہیں کہ عکسی تصویریں اگرچہ آدھے قد کی یا سینے تک، بلکہ اگر صرف چہرہ کی ہوں، ہرگز نہ مثل شجر ہوتی ہیں، نہ مردہ۔ بلکہ ان سے زندگی رکھنے والا ظاہر ہوتا ہے اور دیکھنے والے کا ذہن بھی حالتِ حیات کی جانب ہی جاتا ہے، کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ یہ مردہ کی صورت ہے اور حکم ممانعت واجازت کا دارومدار اسی زندہ یا مردہ سمجھنے پر تھا، چنانچہ حقیقی زندگی وموت سے تصویر کا کوئی تعلق نہیں۔ غور کیجئے تو ظاہر ہوگا کہ سلاطین نصاریٰ بھی اپنی ایسی ہی ناقص تصویریں سکے پر لکھواتے ہیں، اگر ان سے حالتِ موت مفہوم ہوتی، تو کبھی نہ چاہتے کہ سکے میں اپنی مردنی حالت کی منظرکشی کروائیں۔ چنانچہ انصافاً مذکورہ عبارت درمختار بھی آدھے یا نیم قد کی تصویروں سے حکم ممانعت کی نفی نہیں کرتی، بلکہ ان کا وہ قول اس تصویر کے لئے ہے، جسے توڑ پھوڑ کر ایسی حالت میں کردیں کہ اس میں کسی کی حالتِ زندگی ظاہر نہ ہو رہی ہو، بلکہ جو اسے دیکھے میتِ بے روح کا ہی تصور حاصل کرے۔ [1]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 572

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

تصویر والے کمرے میں نماز پڑھنے کی حرمت کی علت، بتوں کی عبادت سے مشابہت ہے اور ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنا ممنوع اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل، بت اُٹھا کر نماز پڑھنے کی مثل ہے۔

ہدایہ میں ہے:

(لا بأس بان يصلى وبين يديه مصحف معلق او سيف معلق لانهما لا يعبدان وباعتباره تثبت الكراهة)

"یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ نمازی کے سامنے کوئی مصحف شریف یا تلوار لٹکی ہوئی ہو، اس لئے کہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی، جب کہ اسی اعتبار کی بناء پر کراہت ثابت ہوتی ہے۔"

(كتاب الصلوة ۔باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها)

تبیین الحقائق میں ہے:

(لا تعبد اذا كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر والكراهة باعتبار العبادة فاذا لم يعبد مثلها لا يكره)

"یعنی جب تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے پر واضح نہ ہو، تو اب کراہت نہیں، کیونکہ کراہت، باعتبارِ عبادت تھی، پس جب اس قسم کی چیز کی عبادت نہیں کی جاتی، تو کراہت بھی نہ رہی۔" (ایضاً)

ہدایہ و کافی و تبیین میں ہے:

(لو لبس ثوبا فيه تصاوير يكره لانه يشبه حامل الصنم)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یعنی اگر کسی نے تصویر والا کپڑا پہنا، تو مکروہ ہے، کیونکہ یہ بت کو اٹھانے سے مشابہ ہے۔" [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

تصویر کے حرام ہونے کی دو علتیں مزید ذکر کی گئی ہیں: ① فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ② تصویر کی تعظیم۔

ہدایہ میں ہے:

(یکرہ ان یکون فوق راسہ فی السقف او بین یدیہ او بحذائہ تصاویر او صورۃ معلقۃ لحدیث جبرئیل انا لا ندخل بیتا فیہ کلب و صورۃ)

"یعنی یہ مکروہ ہے کہ کسی انسان کے سر پر چھت میں تصویر معلق ہو یا اس کے سامنے یا اس کے مقابل تصویریں ہوں یا کوئی تصویر لٹکی ہوئی ہو۔ اور اس میں کراہت کی وجہ حضرت جبریل (علیہ السلام) کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا اور تصویر ہو۔"

(کتاب الصلوۃ۔باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا)

کافی میں اتنا زائد ہے:

(وبیت لا تدخل فیہ الملائکۃ شر البیوت)

"یعنی جس گھر میں فرشتے داخل نہ ہوں، وہ بدترین گھر ہے۔" (ایضاً)

---

① ھدایہ، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 589)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں تعلیلوں کو جمع فرمایا:

(حیث قال لقوله ﷺ لا تدخل الملا ئکة بیتافیه کلب ولا صورة ولانه یشبه عبادتهافیکره)

"یعنی رسول کریم (ﷺ) کے اس قول کی وجہ سے (مذکورہ صورتوں میں لگی تصاویر کے ساتھ نماز کا مکروہ ہونا اس لئے ہے) کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا یا تصویر ہو اور اس لئے کہ اس میں تصاویر کی عبادت کے ساتھ مشابہت ہے، لہٰذا یہ عمل مکروہ ہے۔"

(تبیین الحقائق۔کتاب الصلوة۔باب مایفسد......الخ)

نیز ان تینوں کتب میں ہے:

(لوکانت الصورة علی وسادة ملقاة اوبساط مفروش لا یکره لانها تداس وتوطأ بخلاف ما اذا کنت الوسادة منصوبة اوکانت علی الستره لانه تعظیم لها)

"یعنی اگر کوئی تصویر پڑے ہوئے تکئے پر ہو یا بچھے ہوئے بچھونے پر، تو کراہت نہیں، کیونکہ اس صورت میں اسے روندا جاتا ہے اور پاؤں میں رکھا جاتا ہے، بخلاف اس صورت کے کہ جب تکیہ کھڑا کیا جائے یا پردے پر کوئی تصویر ہو۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر مہر معجّل ہو، تو عورت شوہر کو قریب آنے اور سفر پر ساتھ لے جانے سے روک سکتی

[1] هدایه۔کتاب الصلوة . باب مایفسد......الخ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید)، جلد 24، صفحہ: 590)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہے، اس صورت میں نافرمان نہ کہلائے گی اور نان نفقہ کی مستحق رہے گی، چاہے ان میں اس سے قبل باہم قربت ہو چکی ہو۔

وقایہ میں ہے:

(لها منعه من الوطی و السفر بها والنفقة لو منعت ولو بعد وطی اوخلوة برضاها)

"مہر معجل وصول کرنے کے لئے بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ شوہر کو جماع اور سفر پر ساتھ لے جانے سے روک دے اور نفقہ وصول کرے، اگرچہ وطی اور خلوت رضامندی سے ہو جانے کے بعد روکے۔" (باب المهر)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رسول اللہ ﷺ کی اکثر ازواج اور بناتِ مکرمات کا مہر، پانچ سو (500) درہم سے زائد نہ تھا۔

پوچھا گیا:

ازواج مطہرات رسول ﷺ اور بی بی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا مہر کس قدر تھا؟ اس دور میں درہم و دینار کا وزن کیا تھا؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

اکثر ازواج مطہرات اور بناتِ مکرمات کا مہر پانچ سو (500) درہم سے زائد نہ تھا۔

صحیح مسلم میں ہے:

((قال ابوسلمة سالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنهاکم کان صداق النبی ﷺ قالت کان صداقه کازواجه ثنتی

عشرة اوقية ونش قالت اتدری ما النش قلت لا قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة دراهم))

''یعنی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا مہر مقرر فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کے لئے بارہ اوقیہ (480 درہم) اور ایک نش مقرر فرمایا تھا۔ پھر فرمایا: جانتے ہو نش کیا ہے؟ میں نے عرض کی، جی نہیں۔ فرمایا، نش، نصف اوقیہ کو کہتے ہیں۔ تو یہ کل پانچ سو درہم ہوئے۔''[1]

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں کہ:

((قال عمر ماعلمت رسول الله ﷺ نكح شيئامن نسائه والا انكح شيئامن بناته على اكثرمن اثنتى عشرة اوقية))

''یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج یا صاحبزادیوں کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو، یہ مجھے معلوم نہیں۔''[2]

لیکن ان ازواج میں سے ام المؤمنین ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) کا استثناء ہے، کیونکہ ابوداؤد کی روایت کے مطابق آپ کا مہر چار ہزار درہم اور المستدرک کے مطابق چار ہزار دینار تھا۔

لیکن یہ روایت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کے خلاف نہیں، کیونکہ یہ مہر رسول اللہ نے نہیں، بلکہ حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی نے مقرر کیا تھا۔

اور سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔ جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے۔

---

① کتاب النکاح، باب الصداق

② ابواب النکاح

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

درہم شرعی کا وزن 3 ماشے 1,1/5 سرخ چاندی ہے۔ اور دینار ایک مثقال یعنی چار ماشے سونا۔ اور باعتبارِ قیمت ایک دینار شرعی دس درہم کا تھا۔

(فصل ثانی، حدیث: 3304)

ردالمحتار میں ہے:

(فی الهداية کل دينار عشرة دراهم فی الشرع)

"یعنی ہدایہ میں ہے کہ ہر دینار شرع میں دس درہم کے برابر ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

عورت اپنے مہر کا مطالبہ جب چاہے کر سکتی ہے، لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔

پوچھا گیا:

عورت کا مہر سوا دس ہزار روپے کا ہے، مرد نے نان نفقہ بند کر دیا ہے، عورت نے مہر کا دعویٰ کیا ہے، تو ایسی صورت میں اسے مہر دلوایا جائے گا یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

اگر طے یہ ہوا تھا کہ مہر شوہر کے پاس جانے سے قبل ہی دینا ہوگا یا کوئی مدت مقرر کی گئی تھی کہ اس کے بعد دیا جائے گا اور وہ مدت گزر گئی، جب تو عورت ابھی دعویٰ کر سکتی ہے اور مہر فوراً دلایا جائے۔

اور اگر کوئی مدت مقرر نہ کی گئی تھی، تو وہاں اس شہر کے عرف و عادت پر عمل ہوگا۔ اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت جب چاہے طلب کرے، ادا کیا جاتا ہے، تو دعویٰ قابل سماعت ہے، مہر فوراً دلوایا جائے۔

---

[1] باب زکوۃ المال (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 135)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر عرف یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب مرد و عورت میں سے کسی کا انتقال ہو یا مرد طلاق دے، فقط اسی وقت مہر کا مطالبہ ہوتا ہے، تو اب انہیں صورتوں میں دلوایا جائے گا، اس سے قبل دعویٰ نہ سنا جائے گا۔

نقایہ میں ہے:

(المعجل والمؤجل ان بينافذاك والافالمتعارف)

"یعنی اگر مہر معجّل اور مؤجل کی مدت بیان کردی گئی ہو، تو وہی مراد ہوگا، ورنہ جو متعارف ہے۔" (مختصر الوقاية فی مسائل الهداية۔فصل اقل المهر)

ہمارے شہروں کا عرف یہی ہے، چنانچہ عورت کو طلاق یا موت سے قبل، مطالبہ مہر کا اختیار نہیں۔

ایسے ہی عرف کے سبب "ردالمحتار" میں ہے:

(حق طلبه انماثبت لهابعدالموت والطلاق)

"یعنی بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق طلاق یا موت کے بعد ثابت ہوگا۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر زوجہ، شوہر کو مہر معاف کردے، تو اجر و ثواب کی مستحق ہوگی۔

پوچھا گیا:

میرا مہر سات سو روپے تھا، میں نے اپنے شوہر کو معاف کردیا، میں نے نیک کام کیا یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

---

[1] کتاب القضاء (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 138)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بے شک نیک کام کیا اور اس میں بڑے ثواب کی امید ہے، ان شاء اللّٰہ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من نفس عن غریمه او محی عنه کان فی ظل العرش یوم القیامة))

"یعنی جو اپنے قرض دار کو مہلت دے یا معاف کر دے، قیامت کے دن عرش کے سائے میں ہوگا۔" [1]

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: "پچھلی اُمتوں میں ایک گناہ گار شخص، اپنے قرض داروں سے درگزر کیا کرتا تھا، جب وہ مرا، تو اللہ عزوجل نے اس کے گناہوں سے درگزر فرمائی۔" [2]

اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

"اللہ عزوجل نے فرمایا: جب یہ اپنے قرض داروں سے درگزر کرتا تھا، تو مجھے تو زیادہ لائق ہے کہ درگزر فرماؤں۔" [3]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی نے زانیہ حاملہ عورت سے، اسے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا، تو نکاح درست، لیکن مہر

---

① مسند امام احمد بن حنبل

② مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة

③ مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 139) (نوٹ: جواب میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ چونکہ مہر بھی شوہر پر، زوجہ کا ایک قرض شمار ہوتا ہے، لہٰذا اس کی معافی پر وہی انعامات مرتب ہونے کی قوی اُمید ہے، جو عام دیے ہوئے قرضے معاف کرنے کی صورت میں حاصل ہونے متوقع ہیں)۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

معاف نہ ہوگا۔

پوچھا گیا:

ایک شخص غیر زانی کا کسی عورت زانیہ حاملہ سے نکاح ہوگیا، کیا یہ نکاح درست ہے اور شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے اسے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا، مہر کو ساقط کرنے کے سلسلے میں عذر ہوسکتا ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دریافت شدہ صورت میں نکاح درست ہے، اب دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر چونکہ یہ حمل اس شخص سے نہیں تھا، لہٰذا جب تک بچہ پیدا نہ ہو، اس عورت سے قربت اور وہ تمام افعال جو قربت کی جانب مائل کریں، جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

(وصح نكاح حبلى من زنا لا حبلى من غيره اى الزنا لثبوت نسبه ولو من حربى او سيدها المقربه وان حرم وطوها او دواعيه حتى تضع)

''یعنی زانیہ حاملہ کا نکاح درست ہے۔ (ہاں) زناء کے علاوہ کسی اور وجہ سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں، کیونکہ اس کا نسب ثابت ہوگا، چاہے کسی حربی سے یا (لونڈی ہے تو) آقا سے، جب کہ وہ اقرار کررہا ہو۔ (اگر چہ زانیہ حاملہ سے نکاح جائز ہے) لیکن اس سے قربت اور اس کی جانب مائل کرنے والے افعال اب بھی حرام ہیں، جب تک وہ عورت بچہ نہ جن دے۔''

(فصل فی المحرمات)

اور یہ عذر کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا، مہر کو معاف نہیں کرواسکتا، کیونکہ کفو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہونے کا اعتبار مرد کے معاملے میں کیا جاتا ہے، عورت کے نہیں۔

اسی درمختار میں ہے:

(لا تعتبر من جانبها لان الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل فى الصحيح)

''یعنی عورت کی جانب سے کفاءت معتبر نہیں، کیونکہ زوجہ، خاوند کے لئے بستر بنتی ہے، لہٰذا مرد کو کسی کمتر عورت کے تحت ہونے سے عار و شرم نہیں ہوتی، صحیح مذہب میں اسی پر اعتماد ہے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شوہر کی نافرمان عورت سخت گناہ گار ہے، لیکن نافرمانی کے باعث بھی اسے مہر سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

عرض کی گئی:

ایک عورت بغیر شوہر کی اجازت کے کئی مرتبہ میکے جا چکی ہے، اکثر شوہر سے لڑتی رہتی ہے، اب کی مرتبہ اس نے شوہر کو مارا بھی ہے، اگر ان وجوہات کی بناء پر شوہر اسے مہر سے محروم کر دے، تو مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ اور اسے اپنے گھر میں رکھے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

وہ عورت فاسقہ و سخت گناہ گار ہے، مگر ان حرکات کی وجہ سے مہر ساقط نہ ہوگا۔ رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے۔ لیکن اگر نہ رکھنا چاہے، تو طلاق دے دے، یہ جائز نہیں کہ نکال دے، نہ طلاق دے، نہ کسی ضرورت کا خیال رکھے۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے نکل

---

[1] باب الکفاءۃ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ 141)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جائے، تو اب اس پر اس کی واپسی تک نان نفقہ واجب نہیں۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کسی غیر مسلم سے قرض لیا، لیکن ادائیگی سے قبل اس کا انتقال ہو گیا، وصیت اور وارث بھی نہیں، تو وہ مال غرباء میں تقسیم کیا جائے، لیکن اس کافر کے لئے ایصال ثواب کی نیت بالکل نہ کی جائے گی۔

پوچھا گیا:

ہندو کفار سے کسی اہل اسلام نے قرض لیا تھا، لیکن ادائیگی سے پہلے کافر مر گیا اور اس کے ورثاء میں سے کوئی باقی نہیں، تو اس کے قرضہ کے ادا کی کیا صورت ہے؟

آپ نے فرمایا:

جو شخص مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے، نہ کسی کے نام وصیت کی ہو، تو اس کے مال کا مستحق، بیت المال (قومی خزانہ) ہے۔ اور جمہور علماء کے مطابق، بیت المال کے اس قسم کے مال کے مستحق، فقراء و مساکین و عاجزین ہیں۔ چنانچہ یہ مال ان کے کھانے پینے، علاج و دوا اور کفن و دفن میں صرف کیا جائے۔

در مختار میں ہے:

(ورابعها الضوائع مثل مالا يكون له اناس وارثونا)

"اور ان میں سے چوتھی ضوائع (گری پڑی اشیاء) ہیں، وہ اس مال کی مثل ہے کہ جس کا لوگوں میں سے کوئی وارث نہ ہو۔"

(كتاب الزكوة-باب العشر-جلد1-صفحه 140)

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 144

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ردالمحتار میں ہے:

(الضوائع ای اللقطات وقوله مثل مالا ای مثل تركة لاوارث لها اصلا اولها وارث لایرد علیه، فمصرفه المشهور اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم فیعطی منه نفقتهم وادویتهم وکفنهم وعقل جنایتهم کما فی الزیلعی وغیره وحاصله ان مصرفه العاجزون الفقراء)

''ضوائع سے مراد لقطے (یعنی گری پڑی اشیاء) ہیں۔ پس ماتن کا قول، مثل مالا یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو، جس پر (بچا ہوا ترکہ) لوٹایا نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف، وہ محتاج بچہ ہے، جو کسی نے (بدنامی یا تنگدستی کے خوف وغیرہ کی بناء پر) باہر کہیں پھینک دیا ہو۔ اور وہ فقراء ہیں، جن کا کوئی والی وکفیل نہ ہو۔ اس مال میں سے ان کو خرچہ، دوائیں، کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی۔ جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں۔''

(کتاب الزکوۃ۔باب العشر۔جلد2۔صفحہ58)

اور یہ حکم، جیسے مال مسلم کے لئے ہے، یونہی مال کافر کے لئے بھی:

عالمگیری میں ہے:

(من مات من اهل الذمة ولاوارث له فماله لبیت المال کذا فی الاختیار شرح المختار)

''ذمیوں میں سے کوئی مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، تو اس کا مال بیت المال

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں رکھا جائے گا۔ اختیار، شرح مختار میں یونہی ہے۔"

(کتاب الفرائض۔الباب الخامس۔جلد6۔454)

پس ایسی صورت میں وہ مال، فقراء کو دے دے۔ لیکن اس نیت سے نہیں کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے، کیونکہ کافر تو قطعاً، ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ مرچکا ہے اور موت، انسان کی ملکیت کو ختم کر دیتی ہے، تو اب وہ اس کا مالک نہ رہا، بلکہ وہ مال، حق بیت المال ہوا، چنانچہ اس بناء پر فقراء کو دیا جائے گا، کیونکہ وہ بیت المال میں موجود مال کے مستحق ہوتے ہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رکشا، ٹیکسی، ویگن یا بس والے کا کرایہ ادا نہ کر سکیں اور اس کا علم بھی نہ ہو، تو مالک کی جانب سے صدقہ کر دیا جائے، لیکن اگر وہ بعد میں مل گیا، تو مطالبے پر ادائیگی لازم ہوگی۔

پوچھا گیا:

زید گھوڑا گاڑی کے ذریعے اسٹیشن سے سرائے میں آیا اور وہاں آکر گاڑی بان کو کرایہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا، تو پیسے نہ تھے۔ اس سے کہا کہ صبح آکر لے لینا۔ زید، صبح دس بجے تک اسٹیشن پر اس کا منتظر رہا، لیکن وہ نہ آیا۔ پھر زید شہر میں اپنا کام کرنے کو چلا گیا۔ کام سے فارغ ہو کر شام کی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر چلا آیا اور وہ کرایہ اس کے ذمے رہا، زید اسے کب اور کیسے ادا کرے؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی قوی رکاوٹ نہ ہو، تو اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں، ہر ریل گاڑی کی آمد و رفت

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 53

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پرضرور اسٹیشن آتی جاتی ہیں۔ اگر زید وہاں تلاش کرتا، تو ملنا آسان تھا۔ اب بھی خود یا بذریعہ کسی امانت دار و قابل اعتماد شخص کے ذریعے تلاش کروائے، اگر ملے، تو پیسے دے دیئے جائیں، ورنہ جب مایوسی و ناامیدی غالب ہوجائے، تو اس کی طرف سے اتنا مال صدقہ کردے۔

پھر اگر صدقہ کرنے کے بعد اس سے ملاقات ہوجائے اور وہ مالک اس تصدق پر راضی نہ ہو، تو اسے اپنے پاس سے اتنا پیسہ دینا ہوگا۔ (کما هو شان اللقطة وسائر الضوائع) ''جیسا کہ لقطہ اور دیگر گری پڑی اشیاء کا حال ہوتا ہے۔''

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(علیه دیون ومظالم جهل اربابها ویئس) من علیه ذالك (من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله) هذا مذهب اصحابنا لانعلم بینهم خلافا کمن فی یده عروض لم یعلم مستحقیها اعتبارا للدیون بالاعیان (و) متی فعل ذٰلك (سقط عنه المطالبة من اصحاب الدیون (فی العقبی)

''یعنی اس پر قرض اور مظالم ہیں، جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے ناامید ہوچکا ہے، تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے، اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہوجائے، ہمارے ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علم میں ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایسا سامان ہو، جس کے مستحقین معلوم نہیں (اسی طرح) قرضوں کو اجناس پر قیاس کرتے ہوئے (یہی حکم دیا جائے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

گا) اور جب اس نے ایسا کر دیا یعنی صدقہ کر دیا، تو آخرت میں قرض خواہوں کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا۔" (کتاب اللقطہ۔ جلد1۔ 366)

انہیں میں ہے:

(فان جاء مالکها) بعد التصدق (خیّر بین اجازة فعله ولوبعد هلاکها) وله ثوابها (او تضمینه)

"یعنی اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آ گیا، تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے صدقہ کرنے والے کے فعل کو جائز قرار دے، اگرچہ یہ اجازت، اس گری ہوئی چیز کی ہلاکت کے بعد ہو، اس کا ثواب مالک کو ملے گا اور اگر چاہے، تو اس کو ضامن ٹھہرائے (یعنی پیسوں کی ادائیگی کا مطالبہ کرے)۔" ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر زوجہ کا مہر باقی ہو، تو چاہے تمام مال متروکہ اس میں صرف ہو جائے اور دیگر ورثہ حصے سے محروم ہو جائیں، پہلے اسے ادا کیا جائے گا۔ نیز مہر کی معافی زوجہ کے اقرار یا ثبوتِ شرعی فراہم کرنے سے ثابت ہوگی۔

پوچھا گیا:

ہندہ کا شوہر زید، فوت ہوا۔ اس نے زیور و کپڑے اور مکانات ترکے میں چھوڑے۔ ہندہ کا مہر اس زید کی متروکہ جائیداد سے زائد ہے۔ زید کی وفات کے بعد ہندہ نے یہ تمام جائیداد، جو اس کے قبضے میں ہی ہے، اپنے مہر کی مد میں لے لی، تو کیا ہندہ کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

---

① کتاب اللقطہ، جلد1، صفحہ: 365 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 55)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دوسرے یہ کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زید کے فوت ہونے کے بعد، ہندہ نے شوہر پر لازم اپنا مہر، معاف کر دیا تھا، جب کہ ہندہ معاف کرنے سے انکار کرتی ہے، تو کیا ہندہ کے مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ اور زید کے مال میں دوسرے وارث کا، وراثت کے سلسلے میں مطالبہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

ارشاد ہوا:۔

سوال کرنے والے کے بیان سے بخوبی ظاہر ہوا کہ جائیداد اگرچہ پہلے سے ہندہ کے قبضے میں ہے، مگر زید نے اپنی حیات میں یہ مال و جائیداد ہندہ کو اس کے مہر میں نہ دیا تھا، بلکہ خود ہندہ نے شوہر کے فوت ہونے کے بعد، اسے اپنے مہر کے طور پر لے لیا۔ چنانچہ سائل کے اظہار کے مطابق، چونکہ مسئولہ صورت میں مہر نے کل مال کو گھیر لیا ہے، اس لئے وارثوں کے لئے ترکہ میں بالکل ملک ثابت نہ ہوگی۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

(الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث)

''جو قرض تمام ترکے کو گھیرے ہوئے ہو، وہ وارث کے مال متروکہ کے مالک ہونے سے رکاوٹ ہے۔'' (الفن الثالث، القول فی الملک۔جلد2۔204)

ترکے میں جس قدر مال تھا، ہندہ کا اسے اپنے مہر کے طور پر لے لینا، صحیح و واجبی ہوا اور اتنے روپے مہر میں سے ادا ہو گئے۔

عالمگیری میں ہے:

(ان ترک المیّت صامتا مثل مھرھا کان لھا ان تاخذ مھرھا من الصامت لانھا ظفرت بجنس حقھا)

''یعنی اگر میت نے اپنی بیوی کے مہر کے برابر نقدی چھوڑی، تو وہ اس میں

سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے، کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر قادر ہوگئی ہو۔" (كتاب الوصايا۔الباب التاسع۔جلد6۔صفحه 153)

باقی مال (یعنی اگر ہندہ کے قبضہ شدہ سے زائد ہوتو) نہ تو اسے وارث، ہندہ کے مہر کی مکمل ادائیگی کے بغیر اپنی میراث میں لے سکتے ہیں، نہ ہی ہندہ ان ورثاء کی رضامندی کے بغیر اپنے مہر میں لے سکتی ہے، بلکہ اسے بیچ کر ہندہ کا باقی مہر اور اسی طرح زید پر موجود دیگر قرضے بھی، ادا کیے جائیں اور کوئی وارث کچھ نہ پائے گا۔ چاہے یوں کرلیں کہ دیگر ورثہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ قرضے ادا کر کے، ترکے کی جائیداد کو بیچنے سے بچالیں۔

اشباہ میں ہے:

(للوارث استخلاص التركة بقضاء الدين ولو مستغرقا)

"یعنی وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ میت کا قرض ادا کر کے، ترکے کو بیچنے سے بچالے، چاہے قرض نے کل مال کو گھیرا ہوا ہو۔"

(الفن الثالث القول في الملك۔جلد2۔صفحه 205)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ جب مہر کی معافی کے سلسلے میں لوگوں کا بیان، کسی ثبوتِ شرعی سے ثابت نہ ہو سکے۔ یعنی:

اگر دو مرد یا ایک مرد، دو عورتیں مسلمان، نمازی پرہیزگار، جو نہ کسی گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوں، نہ کسی گناہِ صغیرہ کو بار بار کرتے ہوں، نہ ہی گھٹیا قسم کے لوگوں کی مثل، غلط وضع قطع اختیار کرتے ہوں، ان کی عقل و یاد قابل اعتماد ہو اور اس معاملے میں ان کا بیان طرف داری کی بدگمانی و تہمت سے پاک ہو، اگر ایسے گواہ، شرعی گواہی دیں کہ ان کے سامنے ہندہ نے مہر معاف کر دیا تھا، تو معافی ثابت ہو جائے گی اور ہندہ، دعویٰ مہر نہ کر سکے گی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر گواہوں میں ان سات شرطوں میں سے ایک بھی کم ہے، تو ان کا بیان غیر مقبول اور ہندہ کے خلاف کیا گیا دعویٰ، ناقابل سماعت و نامعقول قرار پائے گا۔
پھر اگر معافی کا ثبوت شرعی طریقے سے ہو جائے، تو ہندہ کے مہر میں دیگر ورثہ کا دعویٰ درست تسلیم نہ کرنا، محض جہالت ہے۔ کیونکہ معافی کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ مہر زید پر لازم ہونے کے باوجود، ساقط ہو گیا، نہ یہ کہ کوئی مال زید کو ملا، جس میں وارث حصہ دار نہ ہوں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

قرض کو اتارنے کے لئے قسطیں مقرر کیں اور یہ شرط ٹھہرائی کہ اگر ایک بھی قسط کی ادائیگی میں وعدہ خلافی ہوئی، تو کل رقم یکمشت ادا کی جائے گی، تو یہ شرط بالکل درست اور وعدہ خلافی کی صورت میں کل رقم فوری ادا کرنا واجب ہو گی۔

پوچھا گیا:

زید کے نوے روپے، بکر کے ذمے واجب الادا ہیں۔ بکر نے زید سے کہا کہ یہ نوے روپے، نو سال کے عرصے میں دس روپے سالانہ کے حساب سے ادا کیا کروں گا اور یہ دس روپے ہر سال کے آخر میں فصل پر دیا کروں گا۔ اگر کسی سال کا روپیہ، مذکورہ وعدے کے مطابق ادا نہ کروں، تو کل روپیہ یکمشت فوراً ادا کروں گا اور زید کو اختیار ہے کہ ایک بھی قسط کی وعدہ خلافی کی صورت میں، اس قسط کے کل روپے یکمشت مجھ سے لے لے۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ وعدہ خلافی کی صورت میں، کل روپے، یکمشت، واجب الادا ہیں یا نہیں؟

ارشاد فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 55

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مذکورہ مسئلے کی صورت میں بلاشبہ کل روپیہ، یکشت واجب الادا ہو گیا۔

فتاویٰ خلاصہ، فتاویٰ بزازیہ وطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

(لو قال کلما حل نجم ولم تؤد فالمال حال صح وصار حالا)

''یعنی اگر کہا کہ وقتِ مقررہ پر قسط ادا نہ کی گئی، تو مال غیر میعادی ہو جائے گا، تو (یہ شرط ٹھہرانا شرعاً) صحیح ہے اور مال غیر میعادی ہو جائے گا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

کافر کا مال مسلمان پر واجب الادا ہو، تو بروزِ قیامت بعض صورتوں میں اس کے لئے بدلہ ہے، بعض میں فقط مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ نیز بروز قیامت، کافر کی جانب سے کسی حق کا مطالبہ، مسلمان کی جانب سے حقوق کے مطالبے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ نیز کافر کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے سے مراد اس کے عذاب کی ہمیشگی کا ختم نہ ہونا ہے، ورنہ نفس عذاب میں کمی ممکن ہے۔ نیز کافر کو نماز وغیرہ میں نافرمانی کی بھی سزا ملے گی۔

پوچھا گیا:

رحیم الدین پر ہری سنگھ چودھری کا قرضہ واجب الادا تھا۔ دونوں فوت ہو گئے اور کوئی وارثِ شرعی نہیں رکھتے کہ قرض ادا کیا جائے۔ ان کے درمیان بروزِ قیامت فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟ کیونکہ ایسی صورت میں فریقین کی نیکی ایک دوسرے کو دی جاتی ہے یا گناہ ایک دوسرے پر ڈالے جاتے ہیں، لہٰذا اگر مسلمان کی نیکی کافر کو دلوائی جائے، تو اس کا اہل

---

[1] ردالمحتار، کتاب البیوع، مایبطل بالشرط الفاسد الخ، جلد 4، صفحہ: 228

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 61)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہیں اور کافر کی برائی وبدی کفر وشرک ہے، جو مسلمان کی جانب منتقل نہیں کی جاسکتی؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

اگر وہ کافر حربی ہے، تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم ہی نہیں کہ اس کا کوئی فیصلہ درکار ہو۔ (فان اموالھم مباحة غیر معصومة) "کیونکہ حربی کافروں کا مال مباح ہے، معصوم نہیں۔"[1]

ہاں اگر دھوکے اور عہد شکنی کے ذریعے لیا گیا ہو، تو یقیناً گناہ ہے، (لیکن ایسی صورت میں یہ حق العبد نہیں، بلکہ) اللہ کا حق ہے، جس پر گرفت یا عفو ودرگزر، اللہ عزوجل کی مشیت پر موقوف ہے۔

(الا تری ان من دخل دارھم مستأمنافاخذغدراً فاحر زید ارنسا ملك ملكاخبیثا فالخبث للغدر والملك للاستیلاء علی مال مباح فالاحرازانما ھو شرط التملك لانتفاء العصمة ارأیت ان اغار مسلمون علی دارالحرب فغنموا اموالا فماتوا قبل ان یحرزوا ولم تصل الاموال الی من اخذت منه اتكون الحربیون خصماء المسلمین فی ذٰلك عندالله كلا فعلم ان الاثم فی العذر لحق الشرع لالحق الكافر)

"یعنی کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو مسلمان امن لے کر حربیوں کے ملک میں گیا اور ان کا مال دھوکے سے اپنے ملک میں سمیٹ لایا، تو ملک خبیث کے ساتھ

---

[1] یعنی ان کے مال میں بلا اجازت تصرف اس طرح مطلقاً حرام نہیں جیسا کسی مسلمان کے مال میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مالک ہوا۔ خبث تو دھوکے کی وجہ سے اور ملک اس لئے کہ مال مباح پر قابض ہوا ہے۔ لہٰذا عصمت کے فوت ہونے کی بناء پر، اس مال کو قبضہ میں لے کر محفوظ کر لینا، مالک ہونے کے لئے شرط ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر مسلمان دارالحرب پر حملہ آور ہو کر مال غنیمت پائیں اور اس کو جمع کر کے محفوظ مقام تک پہنچانے سے قبل ہی مرجائیں، تو کیا اللہ عزوجل کے ہاں اس مال کے بارے میں وہ حربی کفار، مسلمانوں سے جھگڑا کریں گے؟ ہر گز نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دھوکے کی صورت میں گناہ (کا وجود)، حق شرع کی وجہ سے ہے، نہ کہ حق کافر کی وجہ سے۔"

اور وہ کافر ذمی ہے، تو اگر یہ قرض اس مسلمان نے سچی نیت سے لیا اور اس کی ادائیگی کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مر گیا، تو اس کے باعث عذاب نہ ہوگا کیونکہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا، اس کا فعل نہیں۔ اور اللہ عزوجل بغیر کسی گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔ رہا اس ذمی کا حق، تو اللہ عزوجل جس طرح چاہے گا، اسے راضی فرمادے گا، چاہے کسی عذاب یا ہول کی کمی کے ہی ذریعے۔

کیونکہ ہر کافر پر اس کے کفر اور نافرمانی، کے سبب عذاب ہے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ٥ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ٥﴾

"یعنی مسلمان، کافروں سے کہیں گے، تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا، تو وہ کہیں گے، ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔" (مدثر: 42)

پھر کفر کی سزا، ہمیشہ آگ و عذاب میں رہنا ہے، جس میں شرعاً کسی قسم کی کمی کا امکان نہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(فان التخفيف في التابيد ابطال له رأسا وفيه تبديل القول وهو محال)

''یعنی ہیشگی میں تخفیف وکمی، اس کا ختم ہونا ہے اور اس (ہیشگی کے ختم ہونے کے قائل ہونے) میں قول باری تعالیٰ کی تبدیلی لازم آتی ہے، جو کہ محال ہے۔''

باقی بالائی عذابوں اور ہولوں میں، اللہ عزوجل کے ارادے کے مطابق کمی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((من اخذ اموال الناس يريد اداء هاادى الله عنه))

''یعنی جو لوگوں کا مال، ادائیگی کے ارادے کے ساتھ لے، تو اللہ عزوجل اس کی طرف سے ادا فرمادے۔''[1]

اور فرمان عالیشان ہے:

((من ادان دينا ينوى قضائه اداه الله عنه يوم القيٰمة))

''یعنی جو کوئی اپنے ذمے کوئی قرضہ کرے اور اس کی ادا کی نیت رکھتا ہے، تو اللہ عزوجل روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمائے گا۔''[2]

اور اگر ذمی کا مال بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا، تو ضرور گناہ وحق العبد کا تلف کرنا ہے، کیونکہ ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مسلمانوں کی مثل سمجھا جاتا ہے۔ اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ. وہ اسی

---

① صحيح البخاری، كتاب فی الاستقراض، جلد1، صفحه:321 .

② المعجم الكبير، حديث: 1049، جلد: 23-432 .

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سبب سے فرماتے ہیں کہ ذمی کا حق، مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔

فتاویٰ خانیہ، آخر کتاب الغصب میں ہے:

(مسلم غصب من ذمی مالاا وسرق منه فانه یعاقب به یوم القیٰمة لانه اخذ مالا معصوما والذمی لا یرجی منه العفو و یرجی ذٰلك من المسلم فکانت خصومة الذمی اشدو عند الخصومة لایعطی ثواب طاعة المسلم الکافر لانه لیس من اهل الثواب ولا وجه ان یوضع علی المسلم وبال کفر الکافر فیبقی فی خصومته)

"یعنی کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب یا چوری کیا، تو روزِ قیامت اس کو سزا دی جائے گی، کیونکہ اس نے مال معصوم لیا ہے اور حال یہ ہے کہ ذمی سے معافی کی امید بھی نہیں، کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے، لہٰذا ذمی کا جھگڑا زیادہ شدید ہے۔ اور جھگڑے کے وقت مسلمان کی عبادت کا ثواب کافر کو نہیں دیا جائے گا، کیونکہ وہ ثواب کا اہل نہیں اور نہ ہی کافر کے کفر کا وبال مسلمان پر ڈال دینے کی کوئی وجہ ہے، لہٰذا اس کا مطالبہ برقرار رہے گا۔"

(فصل فی برائة الغاصب الخ۔جلد4۔صفحہ 493)

جواہر الاخلاطی، کتاب الاستحسان میں ہے:

(غصب المسلم من ذمّی اوسرق منه یعاقب المسلم و یخاصمه الذمی یوم القیٰمة فظلامة الکافر اشد من ظلامة المسلم لان الکافر من اهل النار ابدا ویقع له التخفیف بالظلامات التی قبل الناس فلا یرجی منه ان یترکها او

المسلم یرجی منه العفو)

"یعنی اگر مسلمان نے ذمی سے کچھ غصب کیا یا اس کی چوری کی، تو مسلمان کو سزا دی جائے گی اور ذمی، قیامت کے روز اس سے جھگڑا کرے گا، لہٰذا کافر پر ظلم، مسلمان پر ظلم سے سخت تر ہے، کیونکہ کافر دائمی جہنمی ہے اور لوگوں کی اس پر جو زیادتیاں ہیں، ان کے سبب سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی، لہٰذا اس سے یہ امید نہیں کہ وہ ان زیادتیوں کو معاف کرے گا، البتہ مسلمان سے معافی کی توقع جا سکتی ہے۔" (فصل فیمایکرہ لبسہ وفیمالایکثر، صفحہ: 238)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ، بیان آفات الرجل میں ہے:

(الفقهاء قالوا ان العذاب یوم القیٰمة علی الانسان فی حق الحیوان متعین لانه لایمکن المسامحة ولا القصاص بالحسنات والسیئات وکذا الذمی اذاظلمه المسلم فان العذاب فیه متعین ان لم یستحل منه فی الدنیا قال الوالد رحمه الله تعالیٰ فی شرحه علی شرح الدرر مسلم غصب اوسرق مال ذمی یؤخذ به فی الاٰخرة وظلامة الکافر وخصومته اشد لانه امّا ان یحمله ذنبه بقدر حقه اویاخذ من حسناته والکافر لایاخذ من الحسنات ولاذنب للدابة ولاتؤهل لاخذالحسنات فیتعیّن العقاب)

"یعنی فقہاء کہتے ہیں کہ حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کا واقع ہونا متعین ہے، کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں اور ایسا ہی ذمی ہے کہ جس پر مسلمان نے ظلم کیا ہو، کیونکہ اس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسلمان پر عذاب متعین ہے، جبکہ دنیا میں اس سے معاف نہ کرالیا ہو۔ حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح الدرر'' پر اپنی شرح میں فرمایا: کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا، تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا اور ذمی پر ظلم اور اس کا جھگڑا سخت ترین ہے، کیونکہ یا تو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے گا یا اس کی نیکیاں لے گا، حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہے اور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں۔ چار پائے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کا وہ اہل ہی نہیں، لہٰذا عذاب متعین ہوا۔''

(الصنف الثامن من الاصناف التسعة الخ ۔جلد2۔صفحہ 507)

شرح فقہ اکبر، بحث توبہ میں صفحہ: 158 پر ہے:

(اذا غصب مسلم من ذمی مالا اوسرق منه فانه يعاقب به يوم القيٰمة لان الذمی لايرجی منه العفوفكانت خصومة الذمی اشد)

''یعنی جب کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا، تو اس کی وجہ سے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا کیونکہ ذمی سے عفو کی توقع نہیں، لہٰذا ذمی کی خصومت زیادہ سخت ہے۔''

مگر یہ اسی حالت میں ہے کہ جب بدلہ لینا ہی اللہ عزوجل کی مرضی و مشیت ہو، ورنہ عین ممکن ہے کہ وہ کافر کے دل میں معاف کردینے کا خیال ڈال دے یا کسی تخفیف کے بدلے، اس سے معاف کرادے۔

kutubistan.blogspot.com

(فانه اذا جاز التخفيف عنه بظلمات له قبل الناس كما فی الجواهر فليجز ايضاً جزاء العفو تخليصا للمسلم وقد قال

الطحطاوی ثم الشامی عند قول الدر من الحظر قبیل مسائل المسابقة ظلم الذمی اشد من ظلم المسلم مانصّه لانه یشدد الطلب علی ظالمه لیکوٰن معه فی عذابه و لا مانع من طرح سیئات غیر الکفر علی ظالمه فیعذب بها بدله ذکره بعضهم، فکذا لامانع من ان یقال له ان عفوت من المسلم طرحنا منك کذاوکذامن سیئاتك فیعفو)

''یعنی اس لئے کہ جب لوگوں کی ذمی پر زیادتیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف جائز ہے، جیسا کہ جواہر میں ہے، تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ عزوجل مسلمانوں کی خلاصی کے لئے ذمی کو معاف کرنے کا کچھ بدلہ دے کر اس کی خلاصی کرا دے۔ طحطاوی نے کہا پھر شامی نے در کے حظر میں مسابقہ کے مسائل کے بیان سے تھوڑا پہلے قول ''ظلم ذمی، ظلم مسلمان سے اشد ہے'' پر کہا، یہ اس لئے ہے کہ ذمی اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر سخت مطالبہ کرے گا، تاکہ وہ ظالم بھی اس کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور کفر کے سوائے ذمی کے گناہ ظالم پر ڈالنے میں کوئی مانع نہیں، چنانچہ وہ ان کے بدلے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اس کو بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ذمّی کو کہا جائے کہ اگر تو مسلمان کو معاف کر دے تو تیرے یہ یہ گناہ مٹا دیئے جائیں، تو وہ معاف کر دے۔ [1]

---

[1] درمختار، کتاب الحظر و الا باحة، فصل فی البیع، جلد2، صفحه:249) (ردالمحتار، کتاب الحظر و الاباحة، جلد 5، صفحه: 257) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحة، جلد 4، صفحه: 201)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خلاصہ یہ کہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ذمّی پر ظلم کے جواب میں عذاب واجب وقطعی اور لازم الوقوع ہے کہ یہ مذہبِ اہلسنت کے صاف خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کے عذاب کا واقع ہونا لازم نہیں۔

اللہ عزّوجلّ کا ارشاد ہے:

﴿وَيَغْفِرُ مَادُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾

''یعنی اللہ عزّوجلّ نے فرمایا، اور وہ، شرک کے سوا، جس کے گناہ چاہے، معاف فرمادے۔''①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شطرنج کھیلنا ممنوع ہے، اگر اس کے جواز کا حکم ہوتا، تو اس کے لئے کم از کم چھ شرائط کا پورا کیا جانا لازم تھا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:
صحیح یہ ہے کہ شطرنج بھی جائز نہیں، مگر چھ شرائط کے ساتھ:

① شرط لگا کر نہ کھیلا جائے۔
② اس پر قسم نہ کھائی جائے۔
③ دوران کھیل فحش کلامی نہ ہو۔
④ اس کے سبب نماز یا جماعت میں تاخیر نہ کی جائے۔
⑤ کسی راستے میں نہ کھیلا جائے، گھر کے اندر ہو۔
⑥ نادراً یعنی کبھی کبھی ہو، عادۃً نہ ہو۔

---

① نساء: 48 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 62)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ان میں سے پہلی تین شرائط پر عمل، تو آسان ہے، لیکن آخری تین پر عمل نادر ہے، بلکہ چھٹی شرط پر عمل سخت دشوار ہے، شوق کے بعد نادراً ہونا بہت مشکل ہے، لہٰذا راہِ سلامت یہ ہے کہ مطلقاً منع ہے۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

وجد کبھی جائز و محمود اور کبھی ناجائز و حرام ہوتا ہے۔

اس میں تفصیل یہ ہے کہ وجد دو حال سے خالی نہ ہوگا: ① غیر اختیاری ہے۔ ② اختیاری ہے۔

پہلی صورت میں جائز ہے کہ غیر اختیاری فعل پر من جانب شریعت کوئی گرفت نہیں۔ بلکہ اگر اللہ عزوجل کی جانب شوق غالب تھا، تو اسے نعمتِ کبریٰ قرار دیا جائے گا۔

اور اگر اختیاری ہے، تو اس کے جائز و ناجائز کا دارومدار، کرنے والے کی نیت پر ہوگا۔

چنانچہ اگر اس نیت کے ساتھ ہے کہ دیکھنے والوں کے دل میری جانب مائل ہوں اور وہ میری بزرگی کو تسلیم کریں، تو یقیناً ریاء کاری و نفاق و حرام و گناہِ کبیرہ و شرک اصغر ہے۔ اس کی حرمت پر علمائے اسلام کا اجماع ہے، بلکہ اگر کوئی اسے عبادت سمجھ کر کرے، تو اسے کافر

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 141

نوٹ: مذکورہ امور میں سے بعض کی وجوہات درج ذیل ہیں: ٭شرط لگا کر نہ کھیلا جائے۔ کیونکہ اس طرح جوئے والا معنی متحقق ہوتا ہے۔ ٭اس پر قسم نہ کھائی جائے۔ کیونکہ بلاوجہ قسم کھانا مناسب نہیں۔ ٭کسی راستے میں نہ کھیلا جائے، گھر کے اندر ہو۔ (کیونکہ سرِراہ کھیلنے کی صورت میں یہ عمل دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے گا۔ اور ہوسکتا ہے کہ ترغیب پانے والا مذکورہ شرائط کی رعایت نہ کر سکے۔ نیز کھیلنے والوں کی عزت و وقعت میں کمی ہوگی، خاص کر جب کہ کھیلنے والے دینی لحاظ سے معظم ہوں)۔ ٭نادراً ہو، عادۃً نہ ہو۔ کیونکہ عادت کے بعد انسان غلبہ شوق کی بناء پر کھیل ترک نہیں کر پاتا، چاہے عبادات کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

قرار دیا گیا ہے۔

"الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية" میں ہے:

(ويدخل فيهما اى فى الرقص والاضطراب ما يفعله بعض الصوفية الذين ينسبون انفسهم الى مذهب التصوف وهم مصرون على انواع الفسوق والفجور بل هو اشد لانهم يفعلونه على اعتقاد العبادة فيخاف عليهم امر عظيم وهو الكفر باستحلال الحرام قال العلامة ابوبكر الطرطوسى رحمه الله تعالىٰ اما الرقص والتواجد الذى يوجب اللهو عن ذكر الله تعالىٰ فاول ما احدثه اصحاب السامرى لما اتخذلهم عجلا جسداله خوار قاموا يرقصون عليه ويتواجدون اى يظهرون الوجد بالفعل المحرم وهوعبادة غيرالله كمايفعل هؤلاء ياكلون الحشيش ويرقصون من نشاط نفوسهم بالمحرم القطعى والكبرالاعجاب ويتواجدون بالوجدالشيطانى والشهوات النفسانية بين الفسقة المختلطين بالمردان الحسان الوجوه على سماع الطنابير والمزمورفهودين الكفار)

"اور اس رقص واضطراب میں وہ کام بھی داخل وشامل ہیں، جو بعض صوفیاء کیا کرتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو طریقہ صوفیہ سے منسوب کرتے ہیں، حالانکہ وہ کئی قسم کے فسق وفجور اور زیادہ سخت قسم کے جرائم پر اصرار کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ یہ کام عبادت کے اعتقاد کے ساتھ کرتے ہیں، لہٰذا اس عقیدے کے

باعث ان پر امر عظیم کا خطرہ اور خوف ہے اور حرام کو حلال کہنے کی وجہ سے یہ کفر ہے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر طرطوسی ص نے فرمایا: رقص اور اظہارِ وجد جو یادِ الٰہی سے بے خبر اور غافل کر دے، اسے سب سے پہلے ایجاد کرنے والے سامری کے ساتھی تھے۔ جب سامری نے ان کے لئے بچھڑا تیار کیا یعنی بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کیا، تو اس میں سے بچھڑے کی آواز آنے لگی۔ یہ آواز سن کر سامری کے احباب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے آگے ناچنے اور جھومنے لگے اور وجد کا اظہار کرنے لگے یعنی حرام فعل سے اظہارِ وجد کرتے رہے، جو کہ غیر خدا کی عبادت ہے، جیسے یہ لوگ کرتے ہیں کہ بھنگ پیتے ہیں اور اپنے نفوس کے نشاط کے لئے حرام قطعی، کبر اور عجب وخود پسندی کے ساتھ رقص کرتے ہیں، ستار وغیرہ سے راگ سنتے ہیں، فاسقوں کے درمیان شیطانی اور شہوانی جذبات کے ساتھ اظہارِ وجد کرتے ہیں۔ بے ریش خوبصورت لڑکوں سے اختلاط و میل جول رکھتے ہیں، پس یہ کفار کا طریقہ کار ہے۔" (النصف التاسع)

اور اگر یہ وجد تنہائی میں ہو اور فقط اپنے اکابرین وعشاق الٰہی سے مشابہت قائم کرنے کی نیتِ محمودہ کے ساتھ ہو، تو اس میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے۔ بعض ناپسند فرماتے ہیں کہ صدق وحقیقت سے دور ہے۔ لیکن زیادہ قابل ترجیح یہ ہے کہ ان نیتوں کے ساتھ جائز، بلکہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ سچی نیت کے ساتھ نیکوں کی مثل حالت بناتے بناتے، اللہ عزوجل کے فضل وکرم سے واقعیت بھی مل جاتی ہے۔ پھر حدیث کریمہ میں وارد ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))

"جو، جس قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ انہیں میں سے ہے۔"[1]

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما......

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور الحديقة الندية میں ہے:

(اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ فَتَشَبَّهُوْا اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ)

"یعنی اگر تم ان جیسے نہیں ہو، تو ان جیسی صورت بناؤ یعنی ان سے مشابہت اختیار کرو، کیونکہ شرفاء سے مشابہت اختیار کرنا، ذریعۂ کامیابی ہے۔"

نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ وَكَآبَةٍ فَاِذَا قَرَأْتُمُوْهُ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا))

"یعنی یہ قرآن غم و کرب کے ساتھ اترا ہے، تو جب اسے پڑھو، تو رؤو اور اگر رونا نہ آئے، تو رونے جیسی صورت بناؤ۔" ①

خلاصہ یہ کہ اگر نیک لوگ وجد میں مبتلاء نظر آئیں، تو چونکہ کسی کی نیتِ قلب پر مطلع ہونا، ممکن نہیں اور بدگمانی کرنا حرام ہے، لہٰذا اسے نیتِ نیک پر محمول کرنا واجب ہوگا۔ ②

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کافر و بدمذہب اگرچہ رشتہ دار ہو، ان سے بلا ضرورت ابتداءً سلام اور تعظیم کرنا حرام ہے، ضرورتاً ظاہری برتاؤ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے رشتے داری کا تعلق ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔

سوال کیا گیا:

کافر و بدمذہب و بدعتی و مرتد و فاسق سے اگر کوئی رشتہ ہو مثلاً: باپ یا نانا وغیرھا کا، تو

---

① ابن ماجه، باب اقامة الصلوة، باب فی احسن الصوت بالقرآن، ص: 96.

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 152

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

انہیں اپنا والد یا نانا کہنا کیسا ہے، جب کہ دل میں انہیں برا ہی جانتا ہے؟ ایسے لوگوں کو ابتداءً سلام کرنا یا ان سے بخندہ پیشانی ملنا، ہنسنا بولنا یا ایسی دوستی رکھنا جیسے دنیادار ہنسنے بولنے کھیلنے کی رکھتے ہیں اور اسی سلسلہ میں تحائف روانہ کرنا یا ان کے آنے پر تعظیماً کھڑے ہو جانا یا تحریر یا تقریر میں ان کے لئے مشفق، مہربان، جناب، صاحب لکھنا یا اسی طرح کا برتاؤ کرنا کیسا ہے؟

خلاصہ کلام یہ کہ ایسے لوگوں سے ایسا برتاؤ کرنا، جس سے وہ خوش ہوں یا اس میں اپنی تعظیم تصور کریں، اگرچہ ایسا کرنے والے کی نیت اس خوشی یا تعظیم کی نہ ہو، بلکہ مذہبی نقطۂ نظر سے انہیں لائق قبیح ہی سمجھے، جائز ہے یا ناجائز؟

اگر ناجائز ہے، تو کس درجے کا؟ غرض کہاں یہ اعمال اس حدتک نہیں پہنچتے کہ خود تعظیم کرنے والے پر بھی حکم کفر لگا دیا جائے؟

اور اگر یہ تمام افعال فقط دنیاوی غرض سے کیے جائیں، تو کیا حکم ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

ان لوگوں کو بے ضرورت و مجبوری ابتداءً سلام کرنا، حرام ہے۔

نیز بلا وجہ شرعی ان سے میل جول رکھنا اور ظاہری اظہارِ محبت بھی حرام ہے۔ قرآن عظیم میں اس کی واضح ممانعت موجود اور حدیث پاک میں ان سے بخندہ پیشانی ملنے پر قلب سے نورِ ایمان نکل جانے کی وعید ہے۔

افعال تعظیمی جیسے ان کے لئے کھڑے ہو جانا، تو اور سخت تر ہے، یونہی تعریفی کلمات بھی۔

حدیث کریمہ میں ہے:

((اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتزله عرش الرحمن))

"یعنی جب کسی فاسق (مرتکبِ گناہ کبیرہ) کی تعریف کی جائے، تو اللہ عزوجل

غضب ناک ہوتا ہے اور اس کے باعث رحمٰن کا عرش لرز جاتا ہے۔“[1]

ان میں فاسق کا حکم ذرا ہلکا ہے، اس سے میل جول میں مطلقاً حرج نہیں، ہاں دینی مصالح پر نظر کی جائے گی۔ یعنی اگر دین میں خرابی کا اندیشہ نہ ہو، تو میل جول میں حرج نہیں، ورنہ ممنوع ہوگا۔

نیز اگر ضرورتِ شرعیہ متحقق ہو جائے، تو اب تو ہر ایک سے بقدرِ ضرورت میل جول جائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ ضرورتیں، ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔

ان سے رشتہ ظاہر کرنے میں مطلقاً حرج نہیں۔ کیونکہ یہ عمل صحابہ کرام سے بھی ثابت ہے۔

ان کے ساتھ جو برتاؤ قولاً یا فعلاً ممنوع ہے، بلا ضرورت اس کا مرتکب گناہ گار ہے، لیکن ان کا مثل نہیں، جب تک ان کے کفر وفسق وبدعت کو اچھا یا جائز نہ جانے۔[2]

پوچھا گیا:

ایک آبپاشی نہر پر وہابی مقرر ہے، جب کہ ڈاک تقسیم کرنے والا شیعہ ہے۔ ان لوگوں سے بات چیت کرنی پڑتی ہے۔ کبھی اپنی غرض کی وجہ سے روٹی کھلانے کا بھی اتفاق ہوتا ہے، لیکن انہیں دل میں اپنا دشمن ہی خیال کیا جاتا ہے، نیز جہاں تک ممکن ہو، میل ملاقات سے بچا ہی جاتا ہے، فقط کام کے وقت بات کرنی پڑتی ہے؟

امام ”احمد رضا“ خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر واقعی معاملہ اسی طرح ہے، جیسا بیان کیا گیا کہ قلب میں ان سے نفرت وعداوت ہے اور کوئی میل جول نہیں رکھا جاتا، صرف نہر یا خط سے متعلق کوئی بات کر لی جاتی ہے یا کبھی

---

① شعب الایمان، حدیث: 4886۔

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 326 (نوٹ: بدمذہبوں سے ضرورتاً میل ملاقات اور بظاہر اچھے برتاؤ کو مثال سے سمجھنے کے لیے اس فتوے پر غور فرمائیں)۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کسی مصلحتِ صحیحہ کی بناء پر روٹی کھلا دی جاتی ہے، تو حرج نہیں اور اللہ دلوں کا حال جانتا ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر لاعلمی میں رضاعی بھتیجی سے نکاح ہو جائے اور قربت بھی، تو متارکہ لازم اور مہر مثل دینا ہوگا۔

پوچھا گیا:

ایک مسلمان مرد نے مسلمان عورت سے نکاح کیا اور قربت بھی ہوگئی، بعد میں اسے معلوم ہوا کہ میری ماں نے اس لڑکی کے باپ کو اپنا دودھ پلایا ہے۔ ایسی صورت میں جوازِ نکاح اور مہر کا کیا حکم ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

جب دودھ پلانے والا معاملہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے، تو ظاہر ہوگیا کہ وہ عورت اس شخص کی بھتیجی ہے اور نکاح ناجائز و فاسد۔

ردالمحتار میں ہے:

(یحرم من الرضاع اصوله وفروعه وفروع ابویه وفروعه)

"یعنی رضاعت سے، اس کے باپ دادا (اوپر تک) اور بیٹے پوتے (نیچے تک) اور اس کے والدین کے بیٹے پوتے اور ان کے بیٹوں پوتوں کی اولادیں، حرام ہو جاتی ہیں۔" (فصل فی المحرمات)

چنانچہ اس شخص پر فرض ہے کہ اس عورت کو فوراً چھوڑ دے اور اس سے جدا ہو جائے

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 24، صفحہ: 329

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور متارکہ کرے یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا یا تیرے نکاح کو ترک کیا۔

ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالے سے ہے:

(المتارکة فی الفاسدبعدالدخول لاتکون الابالقول کخلیت سبیلك اوترکتك)

''یعنی نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکہ صرف قول مثلاً میں نے تیرا راستہ خالی کیا یا میں نے تجھے چھوڑا، سے ہوتا ہے۔''

(باب المهر۔مطلب فی النكاح الفاسد)

اور اس مقام پر چونکہ قربت ہو چکی ہے، لہٰذا عورت کے لئے مہر مثل لازم آیا، چاہے وہ مقرر کردہ مہر سے زائد ہو۔

نکاح فاسد میں اگرچہ اصل حکم یہ ہی ہے کہ جب کوئی مہر مقرر کیا گیا ہو، تو لازم تو مہر مثل ہی آئے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ مقرر شدہ سے زائد نہ دلوایا جائے گا، مثلاً ہزار روپیہ مہر ٹھہرا تھا، تو اگر مہر مثل ہزار یا ہزار سے زائد ہے، تو ہزار ہی دلوائے جائیں گے اور مہر مثل ہزار سے کم ہے، تو صرف اسی قدر دلوائے جائیں گے، ہزار تک نہ بڑھائیں گے۔

لیکن بعض صورتیں اس حکم سے خارج ہیں، جن میں سے ایک یہی ہے کہ اگر محارم میں سے کسی سے نادانستہ طور پر نکاح ہو جائے، تو وہاں قربت کے بعد پورا مہر مثل لازم آتا ہے، چاہے مقرر کردہ سے زائد ہی کیوں نہ ہو، اس میں مقرر شدہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔

تنویرالابصار میں ہے:

(یجب مهرالمثل فی نکاح فاسدبالوطء لابغیره ولم یزد علی المسمی)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی نکاح فاسد میں مہر مثل فقط قربت سے لازم ہوتا ہے، اس کے علاوہ نہیں اور مہر مثل بھی مقرر شدہ سے زائد نہیں ہوتا۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی شخص نے زندگی میں ہی جائیداد بیچ کر بیوی کے نام کر دی، تو مرنے کے بعد اس کے مال سے کسی کو قرض کے حصول کا حق حاصل نہیں۔ ہاں مال میں سے مہر کی ادائیگی کی وصیت سے دیگر قرض خواہوں کا حق ساقط نہ ہوگا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

اگر زید نے اپنی کل جائیداد، صحت مندی اور عقل کی سلامتی کی حالت میں، اپنی زوجہ کے مہر کی ادائیگی کی غرض سے بیچ دی تھی اور باقی قرض خواہوں کو کچھ نہ دیا، تو اگرچہ زید پر اس کی بدنیتی کی بناء پر گناہ کا وبال ہوا، مگر قرض خواہوں کو اس جائیداد میں سے بالکل مطالبے کا حق حاصل نہیں، کیونکہ اب یہ مال زید کی زوجہ کی ملک ہے، چنانچہ اب انہیں صرف آخرت میں ہی مطالبے کا حق حاصل ہوگا۔

ہاں اگر اس جائیداد کے علاوہ مزید جائیداد یا مال، زید کی ملک میں ثابت ہو جائے، تو اس میں یقیناً قرض خواہ، اپنے اپنے حصے کے مطابق حق دار ہوں گے۔

اور زید کا بیع نامے میں یہ لکھنا کہ اگر میری مزید جائیداد ہو، تو اس سے بھی بقیہ مہر ادا کیا جائے، قابل سماعت نہیں۔ ②

---

① باب المهر (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 12، صفحہ: 156 (نوٹ: مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے، جو کسی عورت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار عورتوں میں سے اس عورت کا ہو، جو اس کی ہم عمر اور صورت و شکل و کنواری و شادی شدہ ہونے اور ان تمام باتوں میں کہ جن سے مہر کم زیادہ ہو جاتا ہے، اس کی مانند ہو)۔ ۱۲ منہ

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 67

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

قدرت رکھنے کے باوجود، قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا، گناہ ہے۔

سوال کیا گیا:

زید ایک یا چند اشخاص کا قرض دار ہے۔ لیکن اس کی جو بھی آمدنی ہوتی ہے، وہ اس کو بفراغت خرچ کر ڈالتا ہے اور زیادہ دستیاب ہونے پر، عمارت بنوانے وتجارت کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ تقاضے اور وعدہ کر لینے کے باوجود، ادائیگی کی فکر نہیں کرتا، بلکہ قرضہ بڑھانے کے خیال میں رہتا ہے۔ اور اس عمل پر چند مثالیں ان بزرگان بے نفس کی کہ جو اتفاقیہ طور پر جزوی قرض دار رہے ہوں یا کسی مجبوری سے قرضے کی حالت میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما ہوئے ہوں، اپنی صفائی میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ کر لینا میرا کام تھا اور پورا کرنا اللہ عزوجل کا کام ہے۔ پس قرضے کو بزرگان دین پر اور وعدہ پر قرضہ کی ادائیگی کی فکر نہ کرنے کو، اللہ عزوجل پر منسوب کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اسی ٹال مٹول میں دونوں قرض خواہ فوت ہو گئے، تو یوم جزا اور روز حساب کیا اور کیونکر اس کا معاملہ طے ہوگا؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لیّ الواجد یحل عرضه ومطل الغنی ظلم))

''یعنی قرض اتارنے پر قادر شخص کا، قرضِ اتارنے میں کوتاہی کرنا، اس کی آبرو کو حلال کر دیتا ہے (یعنی اسے برا کہنا اس پر طعن وتشنیع کرنا جائز ہو جاتا ہے) اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔''[1]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب فی الاستقراض، باب لصاحب الحق مقال الخ، جلد1، صفحہ: 323.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الاشباہ والنظائر میں ہے:

(خلف الوعد حرام) ''یعنی وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔''

(کتاب الحظر والاباحۃ، جلد2، صفحہ: 109)

حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اٰیة المنافق ثلث اذا احدث کذب واذا وعدا خلف واذا أتمن خان))

''یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے، تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے، تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے، تو خیانت کرے۔''[1]

معلوم کی گئی صورت میں زید، فاسق وفاجر، کبیرہ گناہوں کا مرتکب، ظالم، بہت بڑا جھوٹا اور عذاب کا حق دار ہے۔ یہ شخص اپنے لئے اس سے زیادہ اور کیا القاب چاہتا ہے؟ اگر یہ اسی حالت میں مرگیا اور لوگوں کا قرض اس پر باقی رہا، تو اس کی نیکیاں، ان کے مطالبے میں دی جائیں گی اور (معلوم ہے) کس طرح دی جائیں گی؟ تقریباً تین پیسے قرض کے بدلے میں سات سو نمازیں باجماعت۔ (کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذباللہ العزیز الغفار) ''یعنی جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔''

اور جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی، تو ان قرض خواہوں کے گناہ، اس کے سر پر رکھے جائیں گے اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہی عدل کا تقاضا ہے۔

اور اللہ ﷻ حقوق العباد معاف نہیں کرتا، جب تک صاحبِ معاملہ بندہ خود معاف

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب علامة المنافق، جلد1، صفحہ: 10۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہ کرے۔

اور سلف صالحین کے احوال طیبہ کو اپنے ان مظالم کے لئے بطورِ سند پیش کرنا اور زیادہ براو قبیح اور دین متین پر جرأت ہے۔ اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور قرضوں سے پاک ہو، موت کو دور نہ تصور کرے اور یاد رکھے کہ آگ کا عذاب برداشت کرنا ممکن نہیں۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر زندگی کا بیمہ کسی کافر کمپنی کے ذریعے کیا گیا اور اس میں مسلمان کے لئے نقصان کا پہلو غالب ہو، تو ایسا معاہدہ ناجائز ہے۔

پوچھا گیا:

ایک کمپنی جس کے مالک ومختار سب کے سب کرسچن مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا اعلان ہے کہ جو شخص 30 برس کی عمر سے 45 سال کی عمر تک یعنی کامل 15 سال تک ہر سال 76 روپے، 8 آنے کمپنی کو دیا کرے، تو 15 برس کی مدت گزرنے کے بعد، کمپنی اس کو 1000 ہزار روپے دے گی۔ اگر معاہدے کے بعد، لیکن مدتِ معینہ ختم ہونے سے پہلے مثلاً 2 مہینے یا 2 سال یا 4 سال کے بعد وہ شخص مر گیا، تو کمپنی اس کے وارثوں کو پورے 1000 ہزار روپیہ دے گی۔ جو رقم معاہدے کی رو سے 15 سال میں جمع کروانی ہے، اس کا مجموعہ 1147 روپے، 8 آنے بنتا ہے، ایسی صورت میں روپیہ جمع کرنا اور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 68

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یہ صورت جوئے کی ہے اور عمر کی مدت وہ رکھی گئی ہے، جس میں عموماً زندگی باقی رہتی ہے۔

حدیث میں فرمایا:

((اعمار امّتی مابین الستین الی السبعین))

"یعنی میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی۔"[1]

اور زندگی کی حالت میں یقیناً، مسلمان کو 145 روپے، 8 آنے کا نقصان ہے۔ اور کافر کے ساتھ ایسا معاملہ، جس میں غالب پہلو اپنے نقصان کا ہو، جائز نہیں۔ (کما نص علیه فی فتح القدیر) "یعنی جیسا کہ فتح القدیر میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے۔"[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

اگر قرض دار، قرض ادا کئے بغیر مر گیا اور اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، تو وہ اسے بیچ کر اپنا قرض وصول کرسکتا ہے۔ زائد قیمت کو مشروط طور پر صدقہ کر دیا جائے۔

پوچھا گیا:

کسی مسلمان نے ایک مکان کو دھوکے سے اپنا ظاہر کر کے، دوسرے مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بعد میں جب تحقیق کی گئی، تو معلوم ہوا کہ وہ مکان ایک ہندو کا تھا، جو مر چکا ہے، اس نے اس مسلمان سے قرض لیا ہوا تھا، جس کے بدلے میں یہ مکان اس کے پاس رہن رکھوا دیا تھا۔ ہندو کی کوئی اولاد نہیں ہے، تو خریدنے والے کا اس مکان کو خریدنا،

---

① ابن ماجه، ابواب الزهد، باب الامل والاجل، صفحه: 322۔

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 70

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شریعت کے نزدیک، قابل گرفت تو نہیں؟ اور وہ اس مکان کو اپنی ملک تصور کرے گا یا نہیں؟ یا اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

فتویٰ اس پر ہے کہ اس زمانے میں، جو مال ادھار دیا گیا تھا، اس کی جنس کے غیر سے بھی قرض وصول کیا جا سکتا ہے۔ اب جبکہ وہ ہندو اس کا مقروض تھا اور مر گیا تو یہ مسلمان، اس مکان کے ذریعے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔

اب اگر اس مکان کی قیمت، قرض کے برابر یا اس سے کم ہے، جب تو ظاہر ہے کہ مسلمان کا، اس مکان کو اپنی ملک ظاہر کر کے بیچنا بالکل درست اور خریدنے والا مالک ہو گیا۔

ہاں اگر مکان کی قیمت، قرض سے زائد ہے، تو جتنا قرض تھا، وہ اتنے حصے کا مالک ہو سکتا ہے، چنانچہ اپنا قرضہ اس سے وصول کرے اور جو زائد بچے، فقراء پر صدقہ کر دے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کسی نے مجبوراً سود ادا کیا ہو اور پھر اس شخص پر، اسی سودی قرضہ دینے والے کا بلا سود قرض ہو جائے اور دینے والے کا انتقال ہو جائے، تو یہ شخص اس سود کے بدلے میں موجودہ قرض دبا سکتا ہے۔ اور کافر کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کرنا، کفر ہے۔ نیز جب کسی

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 71 (نوٹ: یہ صدقہ اس نیت سے ہرگز نہیں کیا جائے کہ ثواب کافر کو پہنچے، کیونکہ یہ کفر ہے، بلکہ صرف حکم شرع بجا لانے کی نیت کرنی ہوگی۔ امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں، آپ کسی مسلمان فقیر کو کہ مالک نصاب نہ ہو، بیس روپے دے دیجئے، نہ اس نیت سے کہ اس کافر کو ثواب پہنچے کہ یہ حرام، بلکہ کفر ہے، بلکہ اپنے والد پر سے مطالبہ اتارنے کی نیت کیجئے۔ (جلد 25، صفحہ: 72)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مرحوم قرض خواہ کی جانب سے اس کا قرض صدقہ کرنا چاہیں، تو غیر کو دینا لازم نہیں، بلکہ گھر کے کسی شرعی فقیر کو بھی دے سکتے ہیں۔

پوچھا گیا:

میری ماں نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے والد نے ایک مشرک سود خور سے، 20 روپے، 24 روپے واپس دینے کے وعدے کے ساتھ قرض لئے تھے، جس کو تقریباً 30 برس کا عرصہ ہو چکا ہوگا۔ والد صاحب اس کے چند روز بعد، قرض ادا کرنے سے قبل ہی انتقال کر گئے تھے۔ اس مشرک سے والدہ نے کہا کہ میں محنت کر کے ادا کروں گی، کیونکہ کوئی سرمایہ اس وقت موجود نہ تھا۔ مشرک نے کہا تھا کہ تمہارے بچے ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں، ان سے میں کیا لوں۔ ہم سب بہن بھائی چھوٹے تھے، اب والدہ صاحبہ کے فرمانے پر مجھے خیال ہوا کہ میں بفضلہٖ تعالیٰ، بطفیل نبی کریم ﷺ اس وقت، اس قابل ہوں کہ یہ قرض ادا کروں، لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جس سے قرض لیا تھا، وہ اور اس کا لڑکا بھی مر چکا ہے۔ جس ضامن مسلمان کی معرفت قرض لیا گیا تھا، اس کا بھی انتقال ہو گیا ہے، یہ بھی نہیں معلوم کہ اس ضامن مسلمان نے تو ادا نہیں کر دیا۔ والدہ کو اس کا بھی علم نہیں ہے۔ ایک سال سے برابر تلاش کیا کہ اس کے کسی وارث کا پتہ چل جائے، تو ادا کروں، اب تک اس کا کوئی وارث نہیں معلوم ہو سکا۔ ایسی حالت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ میرے باپ پر قیامت میں اس قرض کا وبال نہ رہے۔ اس مشرک سے ہمیشہ بلاسودی لین دین تھا، سوا اس روپیہ کے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

چونکہ یہ قرض تھا، لہٰذا آپ کے والد پر اصلاً 20 روپے ادا کرنے واجب تھے۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ؕ﴾

''یعنی اے ایمان والو! وعدے پورے کرو۔'' (المائدہ: 1)

اور جب کہ پہلے کبھی اس مشرک کو سود وغیرہ کوئی رقم ناجائز نہ دی تھی، لہٰذا موجودہ قرضے کے کل یا بعض کو اس کے بدلے میں رکھنا بھی ممکن نہیں۔

اور اس کا یہ کہنا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان سے کیا لوں، آپ کے والد کو مطالبۂ قرض سے بری الذمہ نہیں کرے گا۔

اور مسلمان ضامن، اگر یہ قرضہ ادا کر دیتا، تب اس مسلمان کا قرضہ والد پر باقی رہتا اور وہ اس سے آسان تھا، لیکن یہاں وہ بھی معلوم نہیں۔

چنانچہ اب جبکہ بنیا اور اس کا بیٹا مر گیا اور اس کے کسی اور وارث کا بھی پتہ نہیں، تو یہ مال فقراء کے لئے ہوا۔ آپ کسی مسلمان فقیر کو کہ مالکِ نصاب نہ ہو، یہ 20 روپے دے دیجئے۔ لیکن اس نیت سے نہیں کہ اس کافر کو ثواب پہنچے، کیونکہ یہ حرام، بلکہ کفر ہے، بلکہ صرف اپنے والد پر سے مطالبہ اتارنے کی نیت کیجئے۔ اور یہ فقیر کوئی غیر شخص ہونا ضروری نہیں، بلکہ اگر آپ کی والدہ شرعی فقیر ہیں، تو انہیں کو قرضہ اتارنے کی نیت دے دیجئے، بعونہٖ تعالیٰ وہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

قرض کو، قرض خواہ کو فروخت کرنا جائز، لیکن کسی دوسرے کو بیچنا ناجائز ہے۔

پوچھا گیا:

مجھ پر میرے سالے نے، میری زوجہ یعنی اپنی بہن کے مہر کا دعویٰ کیا ہے۔ جب کہ

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 72

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

زوجہ کا دو برس کے قریب انتقال ہو چکا ہے۔ سالے نے دعوے میں تحریر کیا ہے کہ میری بہن نے مہر جو مبلغ پانچ سو روپے کا تھا، مجھے فروخت کر دیا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا مہر کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور سالے کو مہر وصولی کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مہر، دیگر قرضوں کی مثل، ایک قرض ہے اور قرض کو، قرض خواہ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ بیچنا، باطل ہے۔ لہٰذا اس بنا پر مدعی کو دعویٰ کا بالکل حق حاصل نہیں۔ ہاں اگر اپنی بہن کے ترکے میں سے اس کا حصہ بنتا ہو، تو یقیناً اپنے حصے کا دعویٰ کر سکتا ہے، یہ ایک الگ بات ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

(بیع الدین لایجوز ولو باعه من المدیون او وهبه جاز)

''یعنی دین کی بیع ناجائز ہے، ہاں اگر قرض خواہ کو بیچا یا اسے ہبہ کر دیا، تو جائز ہے۔'' (الفن الثالث۔ القول فی الدین۔ جلد 2۔ صفحہ 213) [1]

اسی طرح فتاویٰ بزازیہ وغیرہا میں ہے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کوئی بھی ایسی چیز جو زیادہ مقدار میں نشہ لائے، اس کا حد نشہ تک استعمال حرام ہے۔ اور حد نشہ سے کم اگر شوقیہ ہو، تب بھی ممنوع اور علاج کی غرض سے جائز۔ دوا کی ضرورت کی بناء پر، افیون کی اتنی قلیل مقدار کہ جس سے نشہ و سرور یا عقل و حواس

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 74

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں تغیر وفتور بالکل پیدا نہ ہو، استعمال کرنا جائز ہے۔

اور شوق کی راہ سے بطور مشغلہ کھانا، جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگا لیتے ہیں، مطلقاً جائز نہیں، اگرچہ نشہ نہ کرے، اگرچہ بوجہ اپنی قلت کے نشہ دینے کے قابل ہی نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

(البنج والافیون استعمال الکثیر المسکر منه حرام مطلقا واما القلیل فان کان اللهو حرم وان للتداوی فلا)

"یعنی بھنگ اور افیون کا کثیر استعمال، جو نشہ لائے، مطلقاً حرام ہے اور اس میں قلیل، اگر شوق ولت پوری کرنے کے لئے ہے، تو حرام اور اگر علاج معالجہ کے لئے ہے، تو حرام نہیں۔" (کتاب الاشربه، جلد5، صفحه: 294)

کھانے والے کی خاص نیت سے خدا، باخبر ہے۔ بعض لوگ دوا کا صرف بہانہ ہی بناتے ہیں، انہیں مفتی کا فتویٰ نفع نہ دے گا۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾

"یعنی اور اللہ عزوجل خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو، سنوارنے والے سے۔"

(سورہ2، آیت: 220)

اور اس خبیث چیز کی بری خصلت ہے کہ چند روز میں گھر کر لیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے، یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی کر لیتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

اطباء لکھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلیوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے، ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(کمانقلہ العلامۃ الشامی عن تذکرۃ داؤد الانطاکی)

''جیسا کہ علامہ شامی نے داؤد انطاکی کے تذکرہ سے اس کو نقل کیا ہے۔''

(ردالمحتار، جلد5، صفحہ: 295)

لہٰذا حتی الامکان بچنا چاہیے اور اگر ایسی ہی ضرورت شدیدہ ہو، تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی نسخہ میں اتنا جزء شریک کرلیں کہ ایک دن میں بطورِ دوا پیئے جانے والے شربت میں، اس کی بہت قلیل مقدار آئے، جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو۔ اس صورت میں، اس فعل کی ظاہری صورت بھی، اہل شوق کی استعمال کی جانے والی صورت سے جدا ہو جائے گی اور اس شخص کا خود کو مقام تہمت پر کھڑا کرنا بھی لازم نہ آئے گا۔

حدیثِ مبارکہ میں ہے:

((من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التہم))

''یعنی جو اللہ عزوجل اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ہر گز تہمت والی جگہوں پر، کھڑا نہیں ہوتا۔''[1]

حدیث میں ہے:

((ایاك ومایسوء الاذن))

''یعنی اس چیز سے بچ جو کانوں کو گنہگار کرے۔''[2]

حدیث میں ہے:

---

① مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی، باب ادراك الفریضہ، صفحہ: 249)

② مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابی الغاویۃ، جلد4، صفحہ: 76۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

((اياك وما يعتذر))

"یعنی اس کام سے بچ، جس سے معذرت کرنی پڑی۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اگر کھانے والی چیزوں میں کوئی نشہ آور شے ملائی گئی، تو وہ چیز بعض صورتوں میں حرام اور بعض صورتوں میں حلال رہے گی۔ نیز جب کسی چیز کی ذات بالکل بدل جائے، تو شرعاً اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے۔

پوچھا گیا:

یہاں کلکتہ میں نمکین بسکٹوں میں نشہ دینے والی تاڑی (یعنی تاڑ کا نشہ آور رس)، خمیر کی غرض سے ملائی جاتی ہے۔ میٹھی بسکٹوں میں نہیں، مگر میدہ گوندھنے کے برتن دونوں کے ایک ہی ہیں اور وہ تخت جس پر بسکٹ بنائے جاتے ہیں، وہ بھی ایک ہی ہوتا ہے۔ نمکین بسکٹ کے سیر بھر آٹے میں، ایک پاؤ تاڑی ملائی جاتی ہے۔ بتایئے کہ نمکین کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور میٹھی بسکٹوں کا کیا حکم ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو، مذہبِ صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ نہ صرف حرام، بلکہ نجس بھی ہے: (هذا هو قول محمد وهو الصحيح وعليه الفتوىٰ) "یہ ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، یہی صحیح ہے اور یہی بطورِ فتویٰ رائج ہے۔"

پس دریافت شدہ صورت میں نمکین بسکٹ، مطلقاً حرام و نجس ہیں اور شیریں میں تین صورتیں ہیں:

---

[1] المستدرك للحاكم، جلد4، صفحه: 326 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 77)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

① اگر ثابت ہو کہ ان کے میدہ یا خمیر میں بھی اس نجاست کے اجزاء ضرور شامل ہوتے ہیں، تو یہ بھی حرام و ناپاک ہیں۔

② اگر تحقیق ہو کہ یہ محفوظ رہتے ہیں، مثلاً: بنانے والوں کی دائمی عادت وطریقہ یہی ہے کہ جب نمکین کے بعد شیریں بناتے ہیں، تو ہاتھ اور برتن کو اچھی طرح، شرعی تقاضے کے مطابق دھو ڈالتے ہیں اور اس کے بعد شیریں کا میدہ گوندھتے بناتے ہیں، تو شیریں بالکل پاک و حلال ہیں۔ اگرچہ اس دھونے سے ان کی نیت پاک کرنا نہ ہو، بلکہ صرف اس خیال سے کہ ان میں نمکینی نہ آجائے یا اور کسی وجہ سے، (لیکن) یہ دھونا، اس انداز سے واقع ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء، ہاتھ اور برتن سے زائل ہو جاتے ہیں۔

③ اور اگر ہاتھ یا برتن کا ناپاکی سے محفوظ رہنا مشکوک ہو، مثلاً: اس طرح کہ ایک دن میں جس قدر یکے بعد دیگرے بنتے ہیں، ان میں تو دھونا اور احتیاط نہیں ہوتی یا ہوتی ہے، تو ناکافی اور اتنی جو پاک کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ مگر دوسرے دن جو بنانا شروع ہوتا ہے، تو رات کے باسی برتن خوب دھو لئے جاتے ہیں اور ہمیشہ پہلے نمکین بنانے کا اہتمام نہیں ہوتا، بلکہ کبھی نمکین اور کبھی شیریں سے ابتدا کرتے ہیں، تو اس صورت میں شیریں کا معاملہ مشکوک رہے گا، کیونکہ ممکن ہے کہ پاک کرنے کے بعد پہلے انہیں ہی بنایا گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے نمکین بنا کر، پھر انہیں بغیر پاکی حاصل کئے بنایا گیا ہو اور ان میں اجزائے نجاست مل گئے ہوں، اس صورت میں جن خاص میٹھے بسکٹوں کے بارے میں معلوم ہو کہ ان میں نجاست شامل ہوئی ہے، وہ حرام اور جن کی بارے میں تحقیق ہو کہ ان میں سے نہیں، وہ طیب و حلال اور جن کے بارے میں کچھ علم نہ ہو، انہیں حرام و ناپاک نہیں کہہ سکتے۔

(فان الاصل ھو الحل والطھارۃ فلا یعارضہ الاحتمال ولیس للیقین بالشک زوال) ''یعنی بیشک (اشیاء میں) اصل، حلال و پاک ہونا ہے، چنانچہ صرف شک واحتمال، اس کے مقابل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ ہی یقین کے لئے،

شک کی بناء پر کوئی زوال ہے۔"

ان مشکوک بسکٹوں کا حکم، ہندوؤں کی بنائی ہوئی مٹھائی، دودھ، دہی اور ملائی وغیرہا اشیاء کا ہی ہوگا کہ کھانا حلال اور بچنا بہتر۔ یعنی باعتبارِ فتویٰ، جائز اور بلحاظِ تقویٰ، بچنا بہتر۔

یہ تمام حکم (یعنی یقینی نجاست کے وقوع کی بناء پر چیز کا حرام ہونا، یقینی طور پر نجاست سے دوری کی صورت میں پاک ہونا اور شک کی صورت میں اس کا کھانا جائز ہونا، لیکن بچنا بہتر ہونا) اس صورت میں ہے کہ وہ لوگ نمکین بسکٹوں میں لازماً یہ نشہ دینے والی تاڑی ڈالتے ہوں، خواہ یوں کہ بازار میں نشے دینے والی ہی ملتی ہے اور یہ وہیں سے لیتے ہیں یا یوں کہ جس غرض سے ڈالتے ہیں، وہ نشہ دینے والی ہی سے حاصل ہوتی ہے، اس کا غیر یہ کام نہیں کرتی۔

اور اگر یہ دونوں معاملات نہ ہوں، بلکہ وہ کبھی نشہ دینے والی اور کبھی نشہ نہ دینے والی، ہر قسم کی تاڑی ڈالا کرتے ہیں، کسی ایک قسم کا خاص اہتمام نہیں ہوتا، تو اب نمکین بسکٹوں پر مطلقاً حرمت کا حکم نہیں، بلکہ ان کا حال وہ ہوگا، جو تیسری صورت میں شیریں کا تھا کہ جس خاص کا حال معلوم، حکم بھی معلوم، ورنہ کھانا جائز اور بچنا افضل و اولیٰ۔

تاڑی، چند ساعت دھوپ کی حرارت پا کر جوش لاتی ہے اور نشہ دینے والی ہو جاتی ہے یا جس وقت میں لی گئی، اس میں پہلی تاڑی کا اثر ہو، تو اپنی شدت لطافت کے سبب یوں بھی نشہ لے آتی ہے، ورنہ اگر تاڑی کا نیا گھڑا، وقتِ مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں، تو اس میں جوش نہیں آتا، چنانچہ اگر یہی آخری صورت ثابت ہو، تو اس وقت تک وہ حلال و طاہر ہوتی ہے، لیکن جب جوش لائی، ناپاک و حرام قرار پائے گی۔

پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے نشہ آور ہو جانے کے بعد بھی، اس کی یہ حالت دیرپا نہیں رہتی، بلکہ کچھ مدت کے بعد ترش ہو کر سرکہ بن جاتی ہے، جس طرح تذکرۂ طبیب، داود انطاکی میں نارجیل کی نسبت ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(قد يفسد طلعه او جريده ويلقم كوزا فيسيل منه لبن ويُسَمّى السيندى يبقى يوما على الحلاوة والدسومة وله افعال اشد من الخمر وهو خير منها ثم يكون خلا بالغا قاطعا)

''یعنی کبھی اس کا گابھا یا ٹہنی، فاسد ہو جاتے ہیں اور کوزے کا منہ بند ہو جاتا ہے، تو اس سے دودھ بہنے لگتا ہے، جس کو سیندھی کہا جاتا ہے، اس کی حلاوت اور چکنائی ایک دن باقی رہتی ہے، اس کے افعال، شراب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں اور یہ اس سے بہتر ہے، پھر یہ تند و تیز سرکہ بن جاتا ہے۔''

(تذکرہ اولوا الالباب، حرف النون، ذکر نارجیل، جلد 1، صفحہ: 327)

مگر میر محمد مومن کے لفظ، تحفہ میں یہ ہیں:

''حلاوتِ او تاک روز باقی ست، بعد از یک روز، مانند سرکہ تُرش می شود۔ یعنی اس کی حلاوت ایک دن باقی رہتی ہے، پھر وہ سرکے کی طرح ترش ہو جاتی ہے۔''

(تحفة المؤمنين ولی هامش مخزن الادوية، تحت لفظ نارجيل، صفحه: 553)

لیکن سرکہ ہو جانے اور مثل سرکہ، ترش ہو جانے میں فرق ہے، غرض اگر ثابت ہو کہ تاڑی ایک وقت تک نشہ دینے والی نہیں ہوتی یا ایک وقت کے بعد، نشہ دینے والی نہیں رہتی اور بسکٹ بنانے والوں کی جانب سے خاص نشے دینے والی تاڑی کی ملاوٹ کا ہی اہتمام نہیں کیا جاتا، بلکہ دونوں طرح کی استعمال کرتے ہیں، جب تو یہی حکم ہے، جسے تین صورتوں میں ہم نے اُوپر بیان کیا۔

اور اگر ثابت ہو کہ اس مدتِ مقررہ کے بعد، اس تاڑی کے اجزاء، چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی، سرکہ بن جاتے ہیں، اگرچہ آٹے میں مل کر تنور میں پک چکے ہوں، تو اس مدت

کے گزرنے پر بسکٹ، مطلقاً حلال ہو جائیں گے۔

(لان الحرمة كانت لمجاور وقد تبدل عينه)

"کیونکہ (کسی چیز کا) حرام ہونا، حرام شے سے ملنے کی وجہ سے تھا اور (اب) اس (حرام شے) کی ذات بدل گئی ہے۔"

درمختار میں ہے:

(لو عجن خبز بخمر صب خل فيه حتى يذهب اثره فيطهر)

"یعنی اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی، حتیٰ کہ شراب کا اثر جاتا رہا، تو وہ پاک ہو جائے گی۔ (كتاب الطهارة، باب الانجاس، جلد1، صفحه: 56)

ردالمحتار میں ہے:

(لانقلاب مافيه من اجزاء الخمر خلا)

"یعنی اس لئے کہ اس کی حقیقت بدل کر، سرکہ بن گئی ہے۔"

(كتاب الطهارة، باب الانجاس، جلد1، صفحه: 223)

اور اگر یہ (شراب کے سرکے میں بدلنے والے) امور، ثابت نہ ہوں، تو حکم وہی ہے، جو پہلے تین صورتوں میں مذکور ہوا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شراب پینا حرام وگناہ کبیرہ ہے۔ اس کا پینے والا سخت سزاؤں کا مستحق ہے۔ ایسے شخص کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ بچوں کو شراب پلانے والا بھی مستحق عذاب جہنم ہے۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 98

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ شراب پینے کے حکم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

شراب حرام، پیشاب کی طرح ناپاک، اس کا پینا سخت گناہِ کبیرہ اور پینے والا فاسق و فاجر و ناپاک و بیباک و مردود و ملعون و مستحق عذابِ شدید اور دردناک انجام کا مستحق ہے، اللہ عزوجل اس سے محفوظ فرمائے۔

اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اس پر سخت عذاب کے وعدے اور ہولناک دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔ ہم یہاں صرف بعض پر اکتفا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لایشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن))

''یعنی شراب پیتے وقت، شرابی کا ایمان درست نہیں رہتا۔''[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ وساقیھا وبائعھا واکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتراۃ لہ))

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی: (1) جو شخص شراب کے لئے شیرہ نکالے۔ (2) جو نکلوائے۔ (3) جو پیئے۔ (4) جو اُٹھا

---

(1) بخاری، کتاب الاشربہ، جلد2، صفحہ: 836۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی، جلد1، صفحہ: 55۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کرلائے۔⑤ جس کے پاس لائی جائے۔⑥ جو پلائے۔⑦ جو بیچے۔⑧ جو اس کی قیمت کھائے۔⑨ جو خریدے۔⑩ جس کے لئے خریدی جائے۔"[1]

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((من زنى وشرب الخمر نزع الله منه الايمان كمايخلع الانسان القميص من راسه))

"یعنی جو زنا کرے یا شراب پئے، اللہ عزوجل اس سے اس طرح ایمان کھینچ لیتا ہے، جیسے آدمی اپنے سر سے قمیص اتار دیتا ہے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((ثلثة لايدخلون الجنة مدمن الخمر وقاطع الرحم ومصدق بالسحر ومن مات مدمن الخمر سقاه الله جل وعلا من نهر الغوطة قيل ومانهر الغوطة قال نهر يجرى من فروج المومسات يؤذى اهل النار ريح فروجهن))

"یعنی تین شخص جنت میں نہ جائیں گے۔① شرابی۔② اپنے قریب رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا۔③ جادو کی تصدیق کرنے والا۔ اور جو شرابی بغیر توبہ کے مرجائے، تو اللہ عزوجل اسے وہ خون اور پیپ پلائے گا، جو دوزخ میں فاحشہ عورتوں کی شرمگاہوں سے اس قدر بہے گا کہ ایک نہر ہو جائے گا اور

---

① ابن ماجه، ابواب الاشربه، باب لعنة الخمر الخ، صفحه: 250 . ترمذى، ابواب البيوع، باب ماجاء فى بيع الخمر الخ، جلد1، صفحه: 155 .

② المستدرك للحاكم، كتاب الايمان، جلد1، صفحه: 22 .

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ان عورتوں کی شرمگاہوں کی بدبو، دوزخیوں کو اذیت دے گی۔"[1]

شرابی مسلمان ذرا آنکھیں بند کر کے غور کرے کہ شراب چھوڑنا قبول ہے یا اس پیپ کے گھونٹ نگلنا۔ والعیاذباللہ رب العٰلمین

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مد من الخمر ان مات لقی اللہ کعابد وثن))

"یعنی عادی شرابی، اگر بے توبہ مرجائے، تو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس طرح آئے گا، جیسے کوئی بت پوجنے والا۔"[2]

رحمتِ کونین ﷺ فرماتے ہیں:

((ما من احد یشربھا فیقبل اللہ لہ صلوۃ اربعین لیلۃ ولا یموت وفی مثانتہ منھا شیٔ الا حرمت بھا علیہ الجنّۃ فان مات فی اربعین لیلۃ مات میتۃ جاھلیۃ))

"یعنی جو کوئی بھی شخص شراب پئے، تو اللہ عزوجل چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ فرمائے گا اور جو اس حال میں مرجائے کہ اس کے پیٹ میں شراب کا ذرا سا بھی جزو ہو، تو اس کی بناء پر، اس پر جنت حرام کردی جائے گی۔ اور جو شراب پینے کے بعد چالیس دن کے اندر اندر مرگیا، تو وہ زمانۂ کفر کی موت مرے گا۔"[3]

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، عن ابی موسی اشعری، جلد 4، صفحہ: 399۔

[2] مسند امام احمد بن حنبل، عن ابن عباس، جلد 1، صفحہ: 272۔

[3] المستدرک للحاکم، کتاب الاشربہ، جلد 4، صفحہ: 147۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

((اقسم ربی بعزته لا یشرب عبد من عبیدی جرعة من خمر الا سقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا او مغفور له، ولا یسقیها صبیا صغیرا الا سقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا او مغفور او لایدعها عبد من عبیدی من مخافتی الا سقیتها ایاه من حظیرة))

''یعنی میرے رب نے اپنی عزت کی قسم یاد فرمائی ہے کہ میرا جو بندہ ایک گھونٹ شراب کا پیئے گا، تو میں اس کے بدلے میں اسے جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا، (پھر وہ) یہ عذاب پاتا رہے گا یا اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ اور جو کسی چھوٹے بچے کو پلائے گا، تو میں اس کے بدلے میں اسے جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلاؤں گا، (پھر وہ) یہ عذاب پاتا رہے گا یا اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ اور میرا جو بندہ میرے خوف سے شراب چھوڑ دے گا، تو میں اسے اپنی بارگاہ میں پلاؤں گا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ہر اس حقے یا سگریٹ کا استعمال ناجائز ہے، جو نشہ لائے، ورنہ اگر منہ میں بدبو پیدا کرتا ہو، تو مکروہ، نہ کرتا ہو، تو جائز ہے۔ نیز حقے کے استعمال والے کو زیارتِ رسول ﷺ سے محروم سمجھنا جہالت وافتراء ہے۔

پوچھا گیا:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، عن ابی امامة، جلد 5، صفحہ: 257 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ 100)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

علمائے دین نے حقہ کو حرام مطلق قرار دیا ہے یا مکروہ؟ کیا وہ شخص زیارت حضور سرورِ کائنات ﷺ سے مشرف نہ ہوگا، جو حقہ پیتا ہے، اگرچہ درود شریف بکثرت پڑھتا ہو اور کیا اس کا تحفہ حضور اقبول نہ فرمائیں گے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

دم لگانا، جس سے ہوش وحواس میں فرق آتا ہے، حرام ہے، سادہ حقہ ہرگز حرام نہیں، نہ اس کا پینا کسی طرح کا گناہ ہے، ہاں اگر بو رکھتا ہے، تو خلافِ اولیٰ (یعنی خلافِ مستحب) ہے، جیسے کچی پیاز کھانا۔

اور یہ جاہلانہ خیالات کہ حقہ پینے والا زیارتِ اقدس حضور پرنور رحمۃ للعلمین (ﷺ) سے معاذ اللہ محروم ہے یا رحمتِ عالم (ﷺ) معاذ اللہ اس کا تحفۂ درود شریف قبول نہ فرمائیں گے، یہ سب بے نور جھوٹ اور حضور سید عالم (ﷺ) پر الزام تراشی ہے۔ بہت سے بندگان خدا، حقہ پینے والے، خواب میں زیارتِ جمالِ مصطفیٰ (ﷺ) سے بارہا مشرف ہوئے اور حضور رؤف ورحیم (ﷺ) نے انتہائی درجے کے، کرم ومہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے:

﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾

''یعنی اے محبوب! آپ فرمادیں، اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے، تو انہیں بھی روک رکھتے، اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔'' (بنی اسرائیل، آیت: 100)

اگر باد شاہ بر در پیرزن بیاید

تو اے خواجہ سبلت مکن

''یعنی اگر بادشاہ، بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے، تو اے سردار! تو مونچھیں

مت اکھاڑ۔"①

ہاں درودِ مبارک کے ورد کے وقت حقہ نہیں پینا چاہیے اور کوئی پی چکا ہو، تو کلی و مسواک کے ذریعے منہ صاف کر کے وِرد شروع کرے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

نشے کی غرض سے افیون کھانی حرام ہے۔ کسی حرام کام میں تعاون، اس کے ارتکاب کے ہی مثل ہے۔ لیکن ایسے نشے باز کی، کھانے پینے کی غرض سے امداد ممنوع نہیں۔ ہاں اگر غالب گمان ہو کہ پیسے نشے میں استعمال کرے گا، تو نہ دئے جائیں۔

پوچھا گیا:

افیون کھانی کیسی ہے؟ افیونی فاسق و مستحق عذاب ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کی ہمراہی کریں، اس کی مدد کریں، وہ کیسے ہیں؟ افیونی کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانے کے علاوہ پیسے مانگے، تو دئے جائیں یا نہیں؟ جبکہ اس کی عادت معلوم ہے کہ وہ ان پیسوں کو افیون پینے میں صرف کرے گا۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

(نشے کی غرض سے، افیون استعمال کرنے کا عادی) افیونی، ضرور فاسق و مستحق عذاب ہے۔

صحیح حدیث میں ہے:

((نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن کل

---

① نوٹ: مذکورہ آیتِ کریمہ اور فارسی شعر کے بیان سے مقصود، ان لوگوں کو تنبیہ ہے، جو ایک بے بنیاد بات کے ذریعے کسی مسلمان کو رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے محروم رکھنے کی سعیٔ لاحاصل کر رہے تھے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 104)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسکر ومفتر))

''یعنی رسول اللہ (ﷺ) نے ہر نشہ دینے اور عقل میں فتور ڈالنے والی چیز سے منع فرمایا۔''[1]

اور مخالفتِ شرع میں کسی کی مدد کرنی، ہمراہی لینی، (گویا) خود مخالفتِ شرع کرنی ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ولا تأخذكم بهما رأفة فى دين الله﴾

''یعنی اور تمہیں اللہ کے دین میں، ان پر ترس نہ آئے۔'' (سورہ 5، آیت: 2)

ہاں، افیونی اگر بھوکا محتاج ہو، تو اس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے حرج نہیں، بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا پیٹ بھرنا باعثِ اجر ہے، تو آدمی تو پھر آدمی ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((فى كل كبد حراء رطبة اجر))

''یعنی ہر تر جگر والی (یعنی زندہ) شے میں (یعنی اس کے ساتھ حسن سلوک میں) ثواب ہے۔''[2]

اور کھانے کے علاوہ پیسے نہ دیئے جائیں، جبکہ (یقیناً) معلوم ہو کہ انہیں افیون میں خرچ کرے گا۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

---

① مسند امام احمد بن حنبل، عن ام سلمه، جلد 6، صفحه: 309 .

② بخاری، ابواب المظالم والقصاص، باب الآبار على الطريق الخ، جلد 2، صفحه: 222 .

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص﴾

"یعنی اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

شراب کی حرمت کی وجہ، اس کا شراب ہونا ہے، چاہے نشہ لائے یا نہ لائے۔ دوائیوں کو جوش دیا جائے، تو اگر ان میں بھی نشہ پیدا ہو جائے، تو استعمال حرام، ورنہ جائز ہوگا۔

پوچھا گیا:

شراب کا حرام ہونا، اس کے نشے کی وجہ سے ہے یا دواؤں کے سڑ کر تیار ہونے کی وجہ سے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

شراب کا شراب ہونا، جوش آنے اور نشہ لانے کی حالت پر موقوف ہے۔ دوائیں، اگر سڑائی جائیں اور ان میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو، تو وہ شراب نہ ہوں گی، جیسے بعض مصفّٰی عرقوں میں ادویہ کو سڑایا جاتا ہے۔

ہاں بغیر سڑائے، اگر صرف آنچ دینے یا دھوپ دکھانے یا گرم ہوا میں ٹھہرنے سے وہ جوش آجائے، جیسے انگور، کھجور، تربوز کے پانی، مرکب شکر اور تاڑی وغیرہ میں، تو وہ شراب ہو جائے گی۔

پھر جب وہ شراب ہو جائے، تو اس کا حرام ہونا، اس قدر پینے پر موقوف نہ رہے گا، جو نشہ لائے، بلکہ وہ نجاستِ غلیظہ اور مطلقاً حرام ہے، اگرچہ ایک ہی بوند ہو (کما حققہ

---

[1] المائدہ: 2 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 105)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

الائمة فی عامة الاسفار) ''یعنی جیسا کہ عام کتابوں میں ائمہ کرام نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

پچھلی شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی، نشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔

پوچھا گیا:

رسول اللہ ﷺ سے پیشتر جو نبی گزرے ہیں، ان کے وقت میں شراب حلال تھی یا حرام؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

پچھلی شریعتوں میں، بلکہ خود شریعتِ اسلام کی ابتداء میں، شراب حرام نہ تھی، ہاں نشہ، ہمیشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حضرت علی و امیر حمزہ (رضی اللہ عنہما) کی جانب، نشے کی نسبت کرنا، جھوٹ و افتراء ہے۔

پوچھا گیا:

ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) نے آنحضرت ﷺ کے وقت میں شراب پی اور حالتِ نشہ میں سورہ غلط پڑھی؟ اور یہ بھی بیان کیا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے، حالتِ نشہ میں ایک بغیر ذبح کی ہوئی اونٹنی کا، دل اور جگر کھایا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 106

[2] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 204

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امیر المومنین سیدنا و مولا نا علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کے بارے میں، مذکورہ فعل بیان کرنے والا، اگر اس سے شان اقدس مرتضوی پر طعن چاہتا ہے، تو خارجی ناصبی مردود اور جہنمی ہے، ورنہ بلا ضرورتِ شرعیہ، عوام کو پریشان کرنے والا، سفیہ، احمق و بے عقل اور بے ادب ہے۔

یہی حال سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ہے، بلکہ کہنے والے نے اس میں جھوٹ ملایا ہے، اسے توبہ لازم ہے۔[1] (لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ماں باپ کی اطاعت واجب ہے، اگرچہ وہ خود گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں۔ کسی کا توبہ سے انکار اور گناہ پر اصرار کا ارادہ، کبھی کبھی کفر بھی ہوتا ہے۔ بڑا بھائی، ماں باپ کے برابر نہیں، ہاں قابل تعظیم ضرور ہے۔

پوچھا گیا:

والدین اور بھائیوں کا کہنا ماننا، واجب ہے یا فرض؟ اور اگر وہ گناہِ کبیرہ مثلاً: زنا کرنا، چوری کرنا، ڈاڑھی منڈانا یا کتروانا، کریں، تو کیا اب اطاعت ترک کرنا واجب ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے؟ اور اگر وہ یہ گناہ کرلیں اور اس کے بعد لڑکا، اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی، بڑے بھائی سے کہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ تو ضرور کروں گا، تو اس حالت میں اطاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ باپ یا بھائی، توبہ سے انکار کرے، تو کافر ہوا یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 104

اطاعتِ والدین جائز باتوں میں فرض ہے، اگرچہ وہ خود گناہِ کبیرہ کرتے ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے، مگر اس کے سبب، جائز کاموں میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا۔

ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں، تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، (کیونکہ) (لا طاعة لاحد فی معصية الله تعالیٰ) ''اللہ عزوجل کی نافرمانی میں کسی بھی شخص کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔''

ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں، تو ان سے نرمی اور ادب کے ساتھ درخواست کرے، اگر مان لیں، تو بہتر، ورنہ سختی نہیں کرسکتا، بلکہ ان کے لئے دعا کرے۔

اور ان کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ تو ضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا، دوسرا سخت کبیرہ گناہ ہے، مگر مطلقاً کفر نہیں، جب تک کہ کسی حرام قطعی کو حلال جاننا یا حکم شرع کی توہین کے طور پر نہ ہو۔ لیکن اس صورت میں بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت کی جائے گی۔

ہاں اگر معاذ اللہ یہ انکار، کفر کی صورت میں ہو (جیسے کسی قطعی حرام شے مثلاً: شراب پینے کو حلال جاننا یا شرعی احکام کی توہین)، تو وہ مرتد ہو جائیں گے اور مرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔

رہا بڑا بھائی، تو وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر و برابر نہیں۔ ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہے اور بغیر کسی شرعی وجہ کے تکلیف واذیت پہنچانا، تو کسی بھی مسلمان کو حلال نہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بہنے والی تمام نشہ آور چیزوں کی قلیل و کثیر مقدار کا استعمال شرعاً حرام اور حد جاری

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 204

ہونے کا سبب ہے اور ان کا ایک ایک قطرہ نجس و ناپاک ہے۔ جب کہ ٹھوس نشہ دینے والی اشیاء کی صرف نشہ کا سبب بننے والی زائد مقدار ہی منع ہے۔

پوچھا گیا:

اس زمانے میں جو شراب، مہوہ [1] سے بناتے ہیں اور عرق کی طرح کھینچے جاتے ہیں اور اس کا نام شراب ہے اور تمام ملک میں مستعمل ہے۔ ایک حکیم، جو صاحبِ فقہ اور اہل علم ہے، ان کی رائے ہے کہ اس عرق کو تیزاب کی طرح نکالا جاتا ہے، یہ عرق اگرچہ، نشہ آور ہونے کی بناء پر حرام تو ہے، لیکن دوا میں استعمال کرنا یا دوا کے واسطے پینا جائز ہے اور فقہ کی کتب میں جو آٹھ قسم کی شرابوں کا تذکرہ ہے، یہ شراب ان میں سے کسی میں نہیں، چنانچہ نشہ دے، تو حرام ہے، جب کہ دوا میں پینا یا کسی بیماری میں تھوڑا پینا حرام نہیں اور ایسے پینے والے پر حد بھی جاری نہ ہوگی۔ حکیم صاحب کا یہ قول، صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ صاحب اس پر درمختار کتاب کا افیون کے بارے میں بیان کردہ ایک مسئلہ بھی پیش کرتے ہیں کہ:

(الافیون حرام الا لصاحب التداوی وغیرہ)

''یعنی افیون حرام ہے، سوائے اس شخص کے جو بطور دوا استعمال کرے۔''

چنانچہ اس شراب کو افیون کی طرح سمجھنا یا خمر کے موافق یہ شراب کیسے ہے اور حکم اس کا کیا ہے؟

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

صحیح یہ ہے کہ جتنی بھی چیزیں، رقیق و بہنے والی ہو کر نشہ لاتی ہیں، خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یا گڑ، ناج، لکڑی یا کسی بلا سے، وہ سب شراب ہیں، ان کا ہر قطرہ حرام اور پیشاب کی

[1] نوٹ: مَہُوہ، ایک درخت ہے، جس کا پھل کھایا جاتا ہے، بیجوں کا تیل نکالتے ہیں اور اس کے پھولوں سے شراب تیار ہوتی ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

طرح نجس وناپاک ہے۔ نیز ان سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے، بخلاف ان چیزوں کے جو بہنے والی ہوئے بغیر، نشہ رکھتی ہیں، جیسے افیون، مشک وزعفران وغیرہ کہ یہ ناپاک نہیں، لیکن نشے کی حد تک استعمال کی جائیں، تو مطلقاً حرام ہیں۔ یونہی شوقیہ اور ارادۂ فساد کے ساتھ ان کا استعمال بھی مطلقاً حرام ہے، اگرچہ اس صورت میں نشے کی حد تک نہ بھی پہنچی ہوں۔

ہاں ان کی قلیل مقدار، جو کسی صحیح غرض مثلاً دوا وغیرہ کے لئے ہو اور ان کے استعمال میں فاسقین سے مشابہت بھی اختیار نہ کی گئی ہو، حلال ہے۔ چنانچہ درمختار کی پیش کردہ عبارت کا، مہوہ کی شراب سے کوئی تعلق نہیں۔

درمختار میں ہے:

(حرمها محمد مطلقا قليلها وكثيرها وبه يفتي وهو نجس ايضا ولو سكر منها المختار في زماننا انه يحد وبه يفتي اما عند قصد التلهي فحرام اجماعا)

"یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور وہ نجس بھی ہے۔ اور اگر اس سے نشہ آئے، تو ہمارے زمانے میں پسندیدہ قول یہ ہے کہ ان لوگوں پر حد جاری کی جائے گی، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور لہو ولعب کے ارادے سے پینا، بالاجماع حرام ہے۔

(کتاب الاشربہ، جلد2، صفحہ: 260)

ردالمحتار میں ہے:

(والحاصل انه لايلزم من حرمة الكثير المسكر حرمة قليله ولا نجاسته مطلقا الا في المائعات لمعنى خاص بها واما

الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولا یلزم من حرمته نجاسته)

"یعنی خلاصہ یہ ہے کہ کسی نشہ دینے والی چیز کی کثیر مقدار کے حرام ہونے سے، اس کی قلیل مقدار کا حرام و نجس ہونا لازم نہیں آتا، سوائے مائعات کے، اس مفہوم کی بناء پر، جو ان مائع چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن ٹھوس اشیاء میں سے صرف کثیر اور نشہ دینے والی مقدار ہی، حرام ہے۔ اور اس کے حرام ہونے سے، اس ٹھوس شے کا ناپاک ہونا لازم نہیں آتا۔

(کتاب الاشربہ، جلد5، صفحہ: 293)

درمختار میں ہے:

(المحرم شرعا لا یجوز الا نتفاع به للتداوی)

"یعنی جو چیز شرعاً حرام ہے، اس سے علاج معالجہ کے لئے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

جو چیزیں خشکی کی حالت میں نشہ لاتی ہیں، ان کا حدِ نشہ تک استعمال حرام، لیکن خود وہ اشیاء پاک ہیں، نجس نہیں۔ ایک حرام سے دور کرنے کے لئے، دوسرے حرام کام کی اجازت دینا گمراہی ہے۔ حرام کرنا اور اس کی رائے دینا دونوں گناہ ہیں۔

پوچھا گیا:

---

[1] کتاب البیوع، باب المتفرقات، جلد 2، صفحہ: 50 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد25، صفحہ: 205)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بھنگ کا حرام ہونا، شراب کے حرام ہونے کی طرح ہے یا اس سے کم ہے؟ اور بھنگ پینے والا، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے یا صغیرہ کا؟ اور اسے حلال جاننے والا، کافر ہے یا بدعتی یا زندیق؟ اگر کوئی ڈاکٹر، کسی شراب پینے والے کو، شراب کے استعمال کے بجائے بھنگ تجویز کرے اور اس ڈاکٹر کی نیت یہ ہو کہ بھنگ کے استعمال سے، شراب کا پینا چھوٹ جائے گا، تو یہ حلال ہوگا یا حرام؟ اور وہ ڈاکٹر گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور بھنگ کا نشہ، ان احادیث کے مضمون کے تحت آتا ہے یا نہیں؟

((کل مسکر حرام)) "ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"[1] اور ((ما اسکر کثیره فقلیله حرام)) "جس کا کثیر نشہ آور ہو، اس کا قلیل بھی حرام ہے۔"[2]

اور اگر کوئی شخص اس کے رنگ سے کپڑا رنگے اور اس کپڑے سے نماز پڑھے، تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے تو واضح طور پر اس کی نجاست سمجھ میں آتی ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ:

(قال محمد رحمة الله علیه ما اسکر کثیره فقلیله حرام وهو نجس ایضا قالوا وبقول محمد ناخذ)

"یعنی امام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: جس کا کثیر نشہ دے، اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ نجس بھی ہے۔ علماء کرام نے کہا کہ ہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں۔"

(فتاوٰی بزازیه، علی هامش الفتاوی الهندیة، کتاب الاشربة، ج 6، ص: 127)

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب امر الوالی اذا وجّه امیرین الی موضع جلد2، صفحه: 1063.

[2] جامع الترمذی، باب ماجاء ما اسکر کثیره فقلیله حرام، جلد2، صفحه: 8.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شراب کا حرام ہونا قطعی و یقینی، بلکہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ اس کے ایک قطرے کی حرمت کا منکر، قطعاً کافر ہے۔ باقی نشہ دینے والی چیزوں میں یہ حکم نہیں۔ ہاں بھنگ وغیرہ کسی چیز سے نشے کے حرام ہونے کا انکار کرنے والا، گمراہ اور اکابرین اسلام کے اتفاق کا مخالف ہے۔

شراب کا حرام ہونا خود اس کی ذات کے سبب سے ہے، جب کہ بھنگ کی حرمت، نشہ دینے کی وجہ سے ہے۔

نشے بازی، بھنگ یا افیون کسی بلا سے ہو، مطلقاً گناہِ کبیرہ ہے۔ شراب کسی طرح کی ہو، صرف حرام ہی نہیں، بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس و ناپاک ہے۔ (ھو الصحیح وعلیہ الفتوی) ''یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

اور بھنگ و افیون وغیرہما اشیاء، جن کی خشکی کی حالت میں بھی نشہ ہے، ان کا نشہ دینے والا ہونا، ان کے مائع و سیال پانی کی مثل بہنے والی ہونے پر موقوف نہیں، وہ نجس نہیں، ہاں ان کا نشہ حرام ہے۔

یہیں سے ظاہر ہوا کہ بھنگ کے رنگ سے یا جس کپڑے میں بھنگ بندھی ہو، اس میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ وہ حدیث کل مسکر حرام میں داخل ہے۔ مگر حدیث ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں، صرف بہنے والی نشہ آور اشیاء مراد ہیں، جن کا نشہ لانا، انہیں مائع کی شکل میں تبدیل کرنے سے ہوتا ہے، ورنہ مشک و عنبر و زعفران بھی مطلقاً حرام و نجس ہو جائیں کہ ان کا حد سے زیادہ کھانا بھی نشہ لاتا ہے۔

اور نشہ یقینی طور پر، اتفاقِ علماء کے ساتھ، حرام قطعی ہے، شراب سے ہو، چاہے بھنگ وغیرہا کسی شئی خراب سے، تو شراب کے بجائے، بھنگ تجویز کرنا محض جہالت، اور ضرور گناہ ہے۔ حرام کا کرنا اور اس کی رائے دینا، دونوں حرام ہیں۔ دوسرے کو ایک حرام سے بچانے کے لئے خود بھی حرام کا ارتکاب اور اسے بھی دوسرے حرام میں ڈالنا، کیا عقل و

دیانت کا یہی تقاضا ہے؟

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ ؕ﴾

''یعنی اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو، تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔'' (المائدہ، آیت: 105)

ردالمحتار میں ہے:

(والحاصل انه لایلزم من حرمة الکثیر المسکر حرمة قلیله ولانجاسته مطلقاً الا فی المائعات لمعنی خاص بها اما الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولا یلزم من حرمته نجاسته)

''یعنی خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے، اس کے قلیل کی حرمت ونجاست مطلقاً لازم نہیں آتی سوائے مائعات یعنی بہنے والی اشیاء کے، اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے، رہیں جامدات یعنی ٹھوس اشیاء، تو ان میں سے صرف کثیر نشہ آور مقدار ہی حرام ہے اور اس کی حرمت سے، ان اشیاء کا ناپاک ہونا لازم نہیں آتا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اسپرٹ پینا اور اس کا خارجی استعمال، دونوں حرام ہیں۔ انگلش دواؤں کا استعمال،

---

[1] کتاب الاشربہ، جلد 8، صفحہ: 293 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید، 208)

جب کہ ان میں اسپرٹ کی آمیزش ہو، ممنوع ہے۔ ہاں خشک دوائیں کہ جن میں حرام کی آمیزش معلوم نہ ہو، استعمال کی جا سکتی ہیں، لیکن ان سے بھی بچنا افضل ہے۔

پوچھا گیا:

انگریزی دوائیں استعمال کی جائیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہوں، تو وہ کون سی ہیں، جنہیں بلا تکلف استعمال کر لیں۔ ایسا عام فتویٰ مطلوب ہے، جس سے کل ادویات کی نسبت معلوم ہو جائے کہ قابل استعمال ہیں یا نا قابل استعمال۔ آیا کل ادویہ ممنوع ہیں یا وہ صرف جن میں شراب کا اثر ہے، خواہ پینے کی ہو، خواہ مالش کی ہو۔ اور عطریات (اسپرے سینٹ) کا حکم بھی معلوم ہو جائے کہ کل عطر منع ہیں، جس میں آمیزش شراب کی ہو۔ کیونکہ بظاہر شراب کی آمیزش ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے عطریات کی مالش کی جائے یا سونگھے جائیں، تو حکم کیا ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

انگریزی رقیق دوائیں، جو ٹنچر کہلاتی ہیں، ان میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب، بلکہ شراب کی نہایت بدتر اقسام میں سے ایک ہے۔ یہ ناپاک ہوتی ہے۔ اس کا کھانا اور لگانا حرام ہے۔ بدن یا کپڑے یا دونوں پر ملا کر، اگر ہتھیلی کی گہرائی کے برابر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہو، تو نماز نہ ہوگی۔

ہاں خشک دوا، جس میں کسی نجاست کی ملاوٹ کا حال معلوم نہ ہو، لگانا جائز ہے اور اگر کسی حرام شے کی ملاوٹ کا علم نہ ہو، تو کھانے کی بھی اجازت ہے، لیکن افضل احتیاط ہی ہے۔

انگریزی عطروں کا حال فقیر کو معلوم نہیں۔ ہاں بہنے والی اشیاء میں، ان کی قوت رکھنے کے لئے، ڈاکٹری نسخوں میں اسپرٹ ہی کا مطلقاً استعمال ہے، لہٰذا ان سے بچنا ہی چاہئے۔ اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان میں اسپرٹ ہے، تو ان کا نہ صرف لگانا، بلکہ سونگھنا بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ناجائز ہے کہ شراب کے خریدنے والے، اُٹھانے والے پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اسپرٹ کا خارجی استعمال منع ہے، لیکن عموم بلوی کی صورت میں جائز ہے۔

پوچھا گیا:

اسپرٹ کا استعمال کھانے پینے والی اشیاء میں یارنگ وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ اس کو شراب کہتے ہیں۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

اسپرٹ واقعی شراب، بلکہ سب شرابوں سے تیز وتند ہے، حتیٰ کہ اپنی تیزی کے سبب، زہر ہوگئی ہے۔ قابل اعتماد اور فتویٰ کے لئے صحیح قول یہ ہے کہ ہر بہنے والی نشہ آور چیز کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے، لہٰذا اشیائے خوردنی، نیز ادویہ میں اس کا استعمال، مطلقاً حرام ہے۔

انگریزی ٹنچروں میں عموماً اسپرٹ ہو، تو کھانے پینے کے سوا رنگنے وغیرہ میں، جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے، وہ بھی ممنوع وناجائز ہے۔ صرف کپڑوں (کو رنگنے کے مسئلے) میں فقیر کے نزدیک عموم بلوی (کی بناء پر) پاکی کا حکم ہے۔[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

حرام مائع کی آمیزش یقینی طور پر معلوم ہو، تو ایسی غذا کھانا حرام ہے۔ جس چیز کا حرام

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 209

② نوٹ: عموم بلویٰ سے مراد عوام وخواص کا کسی ایسے معاملے میں بکثرت مشغول ہونا ہے، جس کا تعلق کسی ایسی ممانعت سے نہ ہو، جس کے بارے میں نص قطعی وارد ہوئی ہو۔ ۱۲ منہ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 210)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہونا، قطعی دلیل سے ثابت نہ ہو، اسے حلال جاننے والا کافر نہ ہوگا، بصورتِ دیگر ہو جائے گا۔ فی زمانہ شبہہ والی چیزوں سے بچنا بہتر، لیکن نہ بچیں، تو گرفت نہیں۔

پوچھا گیا:

پاؤ روٹی، جو ہندوستان میں اکثر جگہ تاڑی (تاڑ کے رس سے تیار کردہ شراب) کو لگا کر پکاتے ہیں، اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر معلوم نہ ہو کہ یہ روٹی تاڑی سے بنی ہے، اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور جو، تاڑی شامل روٹی کو جان بوجھ کر کھائے، تو اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص حرام شے کو حلال سمجھنے والا ہوا یا نہیں؟

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

مذکورہ (جان بوجھ کر تاڑی شامل روٹی کو کھانے والے) مسئلے کا، حرام کو حلال جاننے (پر کافر ہو جانے) والے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں، جب تک کہ وہ شخص نشے کو حلال نہ مانے۔

(لانها فی الحرمة القطعية وليست فی تلك المشروبات الا فی الخمر المسكر حرام قطعاً اجماعاً)

"اس لئے کہ یہ (یعنی حرام کو حلال ماننے پر کافر ہو جانے والا مسئلہ) حرمتِ قطعیہ میں ہے، حالانکہ ان (تاڑی وغیرھا) مشروبات میں حرمت، قطعیہ نہیں، سوائے نشہ آور خمر (یعنی انگوری شراب) کے کہ وہ بالاجماع حرام قطعی ہے۔"

اور جب یہ معلوم نہ ہو کہ روٹی میں تاڑی ملائی گئی ہے یا نہیں، تو اس کا کھانا بھی حرام نہیں۔ (لان الاصل الاباحة ولا يثبت حكم بالشك) "کیونکہ اصل اباحت ہے۔ (یعنی ہر چیز کا، اس کی ابتدائی حالت کے اعتبار سے استعمال، جائز ہے) اور شک کے ساتھ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا)۔" ہاں اہلِ تقویٰ کو بچنا بہتر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

kutubistan.blogspot.com

((فمن اتقی الشبہات فقد استبرألدینہ وعرضہ))

''یعنی جو شبہات سے بچا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔''[1]

اور نہ بچیں، تو (شرعاً) گرفت نہیں۔

• اشباہ و در مختار میں ہے:

(لیس زماننازمان اتقاء الشبہات)

''یعنی ہمارا زمانہ، شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں۔''

(الاشباہ والنظائر، الفن الثانی، کتاب الحظر والاباحۃ، جلد2، صفحہ: 108)

اور جہاں تاڑی کی ملاوٹ کا علم ہو، تو وہاں اس سے بچنا لازم ہے۔ لان کل مائع مسکر نجس وحرام (کیونکہ ہر بہنے والی نشہ آور شے، حرام اور نجس ہے)۔

لیکن اگر ثابت ہو کہ اس میں جو تاڑی ملائی جاتی ہے، وہ نشے کی حالت تک نہیں پہنچتی یا اس طرح ملائی جاتی ہے کہ نمک وغیرہ کی وجہ سے اس کا نشہ قطعاً زائل ہو جاتا ہے، تو اس وقت اس کے جائز ہونے کا حکم ہوگا۔

لیکن نشہ زائل ہونے والی صورت میں معمولی سا یہ خیال کافی نہیں کہ شائد نشہ ختم ہو گیا ہوگا (بلکہ اس کے لئے یقین کامل درکار ہے)۔ (لان الیقین لایزول بالشك) ''کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے۔'' اس صورت میں جو اسے کھائے گا، اس پر توبہ اور ہاتھ، منہ اور برتن پاک کرنا بھی لازم ہوگا، جبکہ یہ روٹی شیر یا شوربے میں کھائی گئی ہو (کیونکہ اس صورت میں روٹی کی بناء پر شیر یا شوربہ اور ان کی وجہ سے ہاتھ، منہ اور برتن بھی ناپاک ہو جائیں گے)۔[2]

---

[1] بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدینہ، جلد1، صفحہ: 13۔

[2] ماخوذ از فتاوی رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 211

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

نشہ ہر حالت میں حرام ہے۔ کوئی جائز چیز، نشے بازوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے پینا بھی، ممنوع ہے۔

پوچھا گیا:

شراب کے علاوہ، بھنگ، افیون، تاڑی، چرس کوئی شخص اتنی مقدار میں پئے کہ اس سے نشہ نہ آئے، وہ شخص حرام کا مرتکب ہوا یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

نشہ اپنی ذات کے اعتبار سے حرام ہے (یعنی کسی مخصوص شے کے ساتھ ہو، تبھی حرام ہونے کا حکم لگایا جائے، لازم نہیں، بلکہ جس طرح بھی پایا جائے، حرام ہے)۔

نشہ آور چیزیں پینا، جس سے نشے بازوں کی مشابہت ہو، اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے، تب بھی گناہ ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ خالص پانی، شراب کے جام پینے کی طرح پینا بھی، حرام ہے۔

ہاں اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں، افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جزء ڈالا جائے، جس کا عقل پر بالکل اثر نہ ہو، تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن افیون میں اس سے بھی بچنا چاہیے کہ اس خبیث کا اثرِ بد ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے، جو افیون کے سوا کسی اور بلا سے نہیں بھرتے، چنانچہ پھر چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی مقدار بڑھانی پڑتی ہے۔ [1]

والعیاذ باللہ تعالیٰ

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

اللہ کا واسطہ دے کر کوئی چیز طلب کرنے والے کو اس کی طلب کے مطابق، بعض

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 213

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صورتوں میں دینا جائز و مستحب اور بعض میں گناہ ہے۔

پوچھا گیا:

ایک سائل کوچہ و بازار میں ہر ایک سے سوال کرتا پھرتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے روٹی یا کپڑا یا پیسہ دو۔ بعض دیتے ہیں اور اکثر نہیں دیتے۔ پہلے تو ان اکثروں کے بارے میں کیا حکم ہے، جو اسے نہیں دیتے؟ اس کے علاوہ ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ تو اپنی بیٹی کا، اللہ کے واسطے، میرے ساتھ نکاح کر دے۔ لیکن وہ نہیں کرتا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ نیز ایک شخص کسی مال دار سے کہتا ہے کہ ایک ہزار روپے، مجھے اللہ کے واسطے دے دے، مگر وہ نہیں دیتا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بعض سائل ان الفاظ میں سوال کرتے ہیں کہ خدا اور سول (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کے واسطے مجھے کچھ دو یا کوئی شخص کسی سے کہہ بیٹھے کہ خدا اور سول (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کے واسطے مجھے معاف کر دو۔ ان میں سے ہر شخص کے واسطے، از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((ملعون من سأل بوجه الله وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم يسأل هجرا))

''یعنی وہ شخص ملعون ہے، جو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ مانگے اور وہ بھی ملعون ہے، جس سے خدا کا واسطہ دے کر مانگا جائے، پھر وہ اسے کچھ نہ دے، جبکہ اس نے قطع تعلق کا سوال نہ کیا ہو۔''[1]

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی، کتاب الادعیة، باب السوال بوجه الله الکریم، جلد 10، صفحہ: 163۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

((من سأل بالله فاعطى كتب له سبعون حسنة))

"یعنی جس سے خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگا جائے اور وہ دے دے، تو اس کے لئے ستر نیکیاں لکھی جائیں گی۔"①

اور مروی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((من سألكم بالله فاعطوه وان شئتم فدعوه))

"یعنی جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے، اسے دو اور اگر نہ دینا چاہو، تو اس کا بھی اختیار ہے۔"②

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا يسئل بوجه الله الا الجنّة))

"یعنی اللہ کے واسطے سے، سوائے جنت کے، کچھ نہ مانگا جائے۔"③

علمائے کرام نے ان تمام احادیث کے مضامین میں مطابقت پیدا فرمانے کے بعد، یہ حکم نکالا کہ:

اللہ ﷻ کا واسطہ دے کر، اخروی دینی شے کے علاوہ کچھ نہ مانگا جائے۔ اور اگر مانگنے والا، خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کو اس شے کے دینے میں، کوئی دینی یا دنیوی حرج محسوس نہ ہو، تو افضل و مستحب، دینا ہے، ورنہ نہ دے۔ بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے، تو مجھے یہ پسند ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ وہ شخص یہ عادت چھوڑ دے۔ اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب، واضح ہو گیا۔

---

① كنز العمال بحواله طبرانی، كتاب الادعية، حديث 16725، جلد6، صفحه:502.

② كنز العمال بحواله الحكيم عن معاذ، حديث: 16294، جلد 6، صفحه:407.

③ ابوداؤد، كتاب الزكوة، باب كراهية المسئلة بوجه الله تعالىٰ، جلد1، صفحه: 235.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

چنانچہ:

جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے نکاح کرنا، کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے یا کوئی دوسرا رشتہ، اس سے بہتر ہے، تو ہرگز نہ مانا جائے کہ بیٹی کے لئے، بہتری اور زیادہ مناسب رشتے کا لحاظ کرنا، اس بیباک شخص سے اہم و اعظم ہے۔

اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت و حالت اور سائل کی کیفیت و حاجت پر نظر رکھنی ہوگی۔ چنانچہ اگر وہ سائل، قوی و تندرست، پیشہ ور بھکاری اور جوگیوں کی طرح ہے، تب تو اسے ہرگز ایک پیسہ بھی نہ دیا جائے، کیونکہ ایسے شخص کو سوال کرنا حرام تھا اور اسے دینا، ایک حرام کام میں مدد دینا ہے، چنانچہ دینے والا گناہگار ہوگا۔

اور اگر مانگنے والا واقعی حاجت مند ہے اور جس سے مانگا، اس کا کوئی عزیز و قریبی رشتہ دار بھی حاجت مند ہے اور اس کے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کو برابر برابر دے سکے، تو رشتے داروں کو اہمیت دینا لازم ہے، ورنہ بقدرِ طاقت و وسعت ضرور دے اور روگردانی نہ کرے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

علمائے کرام سے سوال کرتے ہوئے بے ادبی کے الفاظ ذکر کرنا، سخت ممنوع ہے۔

ایک سائل نے سوال پوچھنے کے بعد آخر میں لکھا:

یہ سوالات خالصتاً اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر کیے گئے ہیں، چنانچہ ان میں کسی کی رورعایت نہ پائی جائے، جو شریعت کا حکم ہو، وہ بیان فرمائیے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھنے کے بعد آخر میں فرمایا:

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 213

یہ سوالات کا جواب تھا اور اتنی بات مزید گزارش ہے کہ جواب طلب کرنے والے کو بے ادب نہیں ہونا چاہئے۔ سوال تو ان الفاظ میں کیا جائے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، اور آخر میں یہ ہدایت کی جائے کہ رو رعایت کسی کی نہ پائی جائے، یہ کھلی گستاخی ہے۔

علمائے دین ومفتیان شرع متین کو کسی کی رُو و رعایت سے کیا تعلق؟ جو احکام الٰہیہ ہیں، بیان کر دیتے ہیں، جو کسی کی رو رعایت سے معاذ اللہ قصداً حکم غلط بتائیں، وہ علمائے دین کب ہوئے، وہ تو نائبان شیطان ہوئے۔ عوام پر علمائے دین کا ادب، باپ سے زیادہ فرض ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((ثلثة لایستخف بحقهم الاالمنافق بین النفاق ذوالشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر))

"یعنی تین شخص ہیں، جن کے حق کو کھلا منافق ہی ہلکا جانے گا۔ بوڑھا مسلمان، عادل حاکم اور نیکی کی تعلیم دینے والا (عالم)۔"[1]

پہلے بھی ایک سوال میں سائل نے اسی قسم کے تنبیہ وتوبیخ والے کلمات لکھے تھے، لیکن اس پر چشم پوشی کی گئی، اب یہ دوسری بار ہے، لہٰذا اطلاع دی گئی۔ سائل کو اگر ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی، تو شروع سوال میں مطلقاً یوں نہ لکھے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ جس سے توہین علماء پیدا ہو، بلکہ خاص اس فقیر کا نام لکھ کر، آخر میں جیسے الفاظ چاہے لکھے۔[2]

---

① المعجم الکبیر، حدیث 7819، جلد 8، صفحہ: 238۔

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 213

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رہن (یعنی اپنا قرض وصول کرنے کی غرض سے بطورِ ضمانت) رکھوائی گئی چیز سے کسی بھی قسم کا نفع لینا سود میں شامل ہوگا۔

پوچھا گیا:

رہن رکھی ہوئی شے کو اپنے استعمال میں لانا یا اس میں سکونت کرنا، کسی طور سے جائز ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

کسی طرح جائز نہیں۔

حدیث میں ہے:

((کل قرضٍ جر منفعة فهو ربوا))

''یعنی قرض کے ذریعے جو نفع حاصل کیا جائے، وہ سود ہے۔''[1]

علامہ طحاوی، پھر علامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

(الغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الا نتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهو ممايعين المنع انتهى)

''یعنی لوگوں کا عموماً واکثر حال یہ ہے کہ وہ رہن رکھوائی گئی شے دیتے وقت، نفع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اگر یہ نفع اٹھانا مطلوب نہ ہوتا، تو وہ قرض

---

[1] كنز العمال بحواله الحارث عن على، الباب الثانی، حديث: 15516، جلد6، صفحه: 238.

کے لئے درہم ہی نہ دیتے۔ چنانچہ یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا۔ اس لئے کہ جو چیز معروف ہو، وہ مشروط کی مثل ہوتی ہے اور یہ بات، ممانعت کو معین کرتی ہے۔ (کلام پورا ہوگیا)۔" (ردالمختار، کتاب الرہن، جلد5، صفحہ: 311)

(اقول ولاشك ان هذابعينه حال اهل الزمان يعرفه منهم كل من اختبرو معلوم ان احكام الفقه انما تبنى على الكثير الشائع ولا تذكرحال شذت وندرت فيه الجوازكما نص عليه المحقق حيث اطلق فى فتح القديروغيره من العلماء الكرام فالحكم فى زماننا هو اطلاق المنع لا يرتاب فيه من له المام بالعلم، والكلام ههناوان كان طويلا فجملة القول ماذكرنا)

"یعنی میں کہتا ہوں کہ بیشک بعینہٖ یہی حال ہمارے زمانہ والوں کا ہے، جس کو ہر باخبر شخص جانتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد، کثرت سے واقع ہونے والے مروّجہ احوال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیا جاتا، جس میں جواز شاذ و نادر ہو۔ جیسا کہ اس کو محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دیگر علماء کرام نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں مرہون (رہن رکھوائی گئی) شے سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت کا مطلقاً حکم ہے اور اس میں اس شخص کو کوئی شک نہ ہوگا، جس کا علم سے ذرا سا بھی تعلق ہے۔ یہاں گفتگو اگرچہ طویل ہے، مگر خلاصہ وہی ہے، جو ہم نے ذکر کردیا۔"[1]

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 217

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رہن رکھی ہوئی شے کو آگے رہن یا کرائے پر دینا ناجائز و گناہ اور بعض صورتوں میں معاملۂ رہن کو ختم کر دینے والا ہے۔

پوچھا گیا:

ایک مکان، زید نے عمرو کے پاس 100 روپے کے بدلے میں رہن رکھا۔ عمرو نے اس خیال سے کہ مجھ کو اس رہن کے مکان میں رہائش اختیار کرنا ناجائز ہے، یہ حیلہ اختیار کیا کہ بکر ہندو سے 100 روپے قرض لے کر وہی مکان اس کے پاس رہن رکھ دیا۔ پھر اس مکان کو بکر ہندو سے کرایہ پر لے کر اس میں رہائش اختیار کر لی، یہ معاملۂ مذکورہ، شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

شرع مطہر نے، معاملۂ رہن کو صرف اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ قرض دینے والے کو اپنے روپے کی وصولی کا اطمینان ہو جائے اور وصول نہ ہونے کا اندیشہ جاتا رہے۔ اس چیز کی مالیت سے، رہن رکھنے والے کا ایک حق ضرور متعلق ہو جاتا ہے، لیکن اس میں سوائے اپنی حفاظت میں روک لینے کے، مزید کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ مرہون (رہن رکھی ہوئی) شے کو آگے کسی اور کے پاس رہن رکھنے یا کرائے پر دینے کا اُسے اختیار نہیں، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں، بلکہ وہ شے صرف اس کی قید میں مقید ہے۔

درمختار میں ہے:

(لہ حبس رھنہ لاالانتفاع بہ مطلقا لاباستخدامہ ولا سکنی ولا لبس ولا اجارۃ ولا اعارۃ الخ)

"یعنی راہن (رہن رکھنے والے) کو، رہن رکھی ہوئی شے کے روک رکھنے کا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اختیار ہے، لیکن اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانے کی اجازت نہیں، نہ اس سے خدمت لینے کی، نہ سکونت کی، نہ پہننے کی، نہ اُجرت پر دینے کی اور نہ عاریت پر دینے کی الخ۔" (کتاب الرھن۔جلد2۔صفحہ 266)

ردالمحتار میں ہے:

(لیس للمرتھن ان یرھن الرھن)

"یعنی مرتہن (رہن رکھنے والے) کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون (رہن رکھی ہوئی) شے کو رہن پر دے دے۔"

(کتاب الرھن۔باب التصرف فی الرھن۔جلد5۔صفحہ 329)

یہاں تک کہ اگر راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت کے بغیر، ان تصرفات کا ارتکاب کرے گا، گنہگار ہوگا اور غاصب ٹھہرے گا۔

(کمانص علیه فی غایته ولذالو ھلك ھلك بالقیمه بالغة مابلغت لابالدین)

"یعنی جیسا کہ غایۃ البیان میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرہون (رہن رکھی ہوئی شے) ہلاک ہوجائے، تو وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہوگی، چاہے جتنی بھی قیمت ہو، نہ کہ قرض کے بدلے میں۔ (یعنی اس شے کی ہلاکت کے بدلے میں رہن رکھنے والے سے، اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا، کیونکہ وہ اس کی ملک میں نہیں تھی۔ نہ کہ اسے قرض کے بدلے میں تصور کرکے اتنا قرضہ معاف کروالیا جائے)۔"

درمختار میں ہے:

(ضمن بایداعه واعارته واجارته واستخدامه وتعدیه کل قیمته)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یعنی راہن (رہن رکھوانے والا)، مرہون (رہن رکھی ہوئی) شے کی کل قیمت کا ضامن ہوگا، (جبکہ) وہ مرہون شے کو امانت رکھے، عاریت پر دے، کرائے پر دے (اور اس دوران وہ چیز ہلاک ہو جائے یا) اس سے خدمت لے یا اس میں زیادتی کرے الخ۔" (کتاب الرھن، جلد2، صفحہ: 267)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(عین الرھن امانة فی یدالمرتھن بمنزلة الودیعة ففی کل موضع لوفعل المودع بالودیعة لایغرم فکذلك اذافعل المرتھن ذلك بالرھن)

"یعنی مرہون شے بعینہٖ، مرتہن (رہن رکھنے والے) کے ہاتھ میں امانت ہے، جیسا کہ عام امانت۔ چنانچہ ہر وہ مقام کہ جہاں امانت میں تصرف کرنے سے امین پر تاوان لازم نہیں آتا، اسی طرح ان مقامات میں، مرتہن (رہن رکھنے والے) کے، مرہون شے میں تصرف کرنے سے بھی تاوان لازم نہیں آئے گا۔" (کتاب الرھن، الباب الثامن، جلد5، صفحہ: 465)

اور اگر یہ تصرفات، راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت سے واقع ہوں، تو اگرچہ جائز و نافذ ہوں گے، مگر وہ رہن زائل ہو جائے گا اور مذکورہ مرتہن (رہن رکھنے والا)، مرتہن نہ رہے گا۔

درمختار میں ہے:

(الاجارة والرھن من اجنبی اذاباشرھااحدھماباذن الاٰخر یخرج عن الرھن ثم لایعود الابعقد مبتدأ لانھاعقود لازمة بخلاف العاریة)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یعنی راہن (رہن رکھوانے والا) یا مرتہن (رہن رکھنے والا)، اگر دوسرے فریق کی اجازت سے اس مرہون شے کو (کسی) اجنبی شخص کو کرائے پر دے یا (اس سے) رہن (کا معاملہ کرے)، تو وہ شے، رہن سے خارج ہو جاتی ہے، پھر سوائے نئے سرے سے معاملہ کرنے کے، وہ رہن کی طرف نہیں لوٹتی، اس لئے کہ مذکورہ بالا معاملات (یعنی کرائے پر دینا یا رہن رکھنا) لازم ہونے والے ہیں، بخلاف عاریت (یعنی کچھ دن نفع اٹھانے کی غرض سے دینے) کے (کہ اس سے رہن زائل نہیں ہوتا) الخ۔"

(کتاب الرھن، باب التصرف فی الرھن، جلد2، صفحہ: 274)

بہر حال یہ حیلہ اختیار کرنا، عمرو کو کچھ فائدہ نہ دے گا، کیونکہ اگر زید کی اجازت نہ تھی، تو یہ عقود (یعنی رہن پر دے کر، اسی مکان کو کرائے پر لے لینا) مال غیر میں بے جا تصرف اور گناہ ہے، نیز اس مکان میں رہنا بھی ناجائز اور اگر زید کی اجازت سے واقع ہوئے یا اس کی اجازت کے بغیر واقع ہونے کے بعد اس نے جائز کر دیئے، تو بعدِ اجازت، کرائے پر دینا صحیح اور مکان میں سکونت حلال، لیکن جو کرایہ آئے گا، اس کا مالک زید ہوگا اور مکان، معاملۂ رہن سے نکل گیا۔

شرح طحاوی، تاتارخانیہ اور ردالمحتار میں ہے:

(ان رھن باذن الراھن صح الثانی وبطل الاول)

"یعنی اگر مرتہن (رہن رکھنے والے) نے، راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت سے، مرہون شے، (کسی اور کے پاس) کے پاس رہن رکھی، تو دوسرا رہن صحیح اور پہلا باطل ہو گیا۔ (ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ عن شرح الطحاوی، کتاب الرھن، جلد5، صفحہ: 329)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

(ان آجر المرتهن من اجنبی بامر الراهن يخرج من الرهن وتكون الاجرة للراهن)

"یعنی اگر مرتہن (رہن رکھنے والے) نے، راہن (رہن رکھوانے والے) کے حکم پر، مرہون شے، کسی کو کرائے پر دی، تو وہ رہن سے نکل جائے گی اور کرایہ، راہن کا ہوگا۔" (کتاب الرهن، الباب الثامن، جلد5، صفحہ:464)

اس مسئلے کی بکثرت صورتیں ہیں:

(لان رهن المرتهن اما ان يكون باذن الراهن اولا وعلى الثاني امان يجيز اويرد اولا ولا فهٰذه اربعة وعلى كل منها مثلها فى الاجارة فتكون ستة عشروان جعل الاولان من التشقيقين واحد الا تحاد الحكم فان الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة كما فى الخيرية، فتبقٰى تسعة)

"کیونکہ مرتہن (رہن رکھنے والے) کا، مرہون شے کو رہن رکھنا، راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت سے ہوگا یا نہیں۔ دوسری صورت میں (یعنی جب کہ اجازت نہ دی ہو، بعد میں) راہن، اجازت دے دے گا یا منع کردے گا یا نہ اجازت دے گا اور نہ ہی رد کرے گا، تو اس طرح چار صورتیں ہو جائیں گی۔ پھر ان میں سے ہر ایک میں، یوں ہی چار شکلیں، کرائے پر دینے کی صورت میں بھی بنیں گی، چنانچہ مجموعی خیالی متوقع صورتیں 16 ہو جائیں گی۔ اور اگر رہن و کرایہ، دونوں معاملات کی پہلی صورت کو، حکم کے ایک ہونے کی وجہ سے ایک مان لیا جائے، کیونکہ معاملے کے بعد اجازت دینا، معاملے سے قبل،

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس معاملے کا وکیل بنا دینے کی طرح ہی ہوتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ خیریہ میں ہے، تو پھر باقی نو صورتیں بچیں گی۔

لیکن اس معاملے میں شرعی حکم کا خلاصہ صرف یہی ہے کہ یا تو رہن ختم ہو جائے گا یا یہ کرائے پر دینا بے جا اور عمرو کا اس مکان میں رہائش اختیار کرنا ناجائز ہوگا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مرہون شی کو خود راہن (رہن رکھوانے والے) کو کرائے پر دینا ناجائز ہے اور کسی اجنبی کو دی، تو کرایہ خود استعمال کرنا گناہ اور اللہ ﷻ کی راہ میں یا رکھوانے والے مالک کو دینا لازم۔ ایسا مکان جان بوجھ کر لینا بھی گناہ ہے۔

پوچھا گیا:

مرتہن (رہن رکھنے والے) سے، رہن رکھے ہوئے مکان کو، کرائے پر لینا، شے کے مالک یا غیر مالک کو، جائز ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

مرتہن (رہن رکھنے والے) سے، خود راہن (رہن رکھوانے والے) کا، مرہون شے کو کرائے پر لینا، بالکل درست نہیں، کیونکہ مالک کا خود اپنی ہی چیز کو کسی دوسرے سے کرائے پر لینا، محض بے معنی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(آجرھا من الراھن لا تصح الاجارۃ)

"یعنی مرتہن (رہن رکھنے والے) نے، مرہون شے، خود مالک کو اجرت پر دی،

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 218

تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔"

(کتاب الرھن، الباب الثامن، جلد 5، صفحہ:464)

اور کسی اجنبی کے لیئے بھی، اسے کرائے پر لینا جائز نہیں کہ مرتہن، غیر مالک ہے اور اسے کرائے پر دینے کا بالکل اختیار نہیں رکھتا۔ چنانچہ جس طرح مرتہن، اس فعل سے گناہ گار ہوگا کہ اس نے غیر کی ملک میں، بے جا تصرف کیا، اسی طرح وہ اجنبی بھی جو یہ جانتا ہے کہ مکان اس شخص کی ملک نہیں، بلکہ رہن رکھا ہوا ہے، اس سے کرائے پر لے کر گناہ گار ہوگا، کیونکہ یہ کسی غیر کے مکان میں، بلا اس کی اجازت کے رہا اور رہن رکھنے والے کے گناہ میں معاون بنا۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص﴾

"اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔" (المائدہ:2)

(ومن القواعد المقررة ان ماحرم اخذه حرم اعطائه)

"اور مسلمہ قواعد میں سے ہے کہ جس چیز کا لینا حرام، اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔"

(الاشباه والنظائر، الفن الاول، القاعدة الرابعةعشر، جلد1، صفحہ: 189)

اور اس صورت میں مرتہن کے لئے وہ کرایہ، حلال نہ ہوگا، بلکہ شریعت اسے حکم دے گی کہ (ثواب کی نیت کے بغیر) خیرات کر دے یا مالک شے کو دے دے اور یہی زیادہ بہتر ہے۔ (کماحققناہ فی تحریر مستقل) "جیسا کہ ہم نے ایک علیحدہ تحریر میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔"

ہاں اگر یہ کرائے پر دینے کا معاملہ مالک کی اجازت سے واقع ہوا یا وہ، اس معاملے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کے واقع ہونے کے بعد اجازت دے دے، تو بے شک یہ معاملہ جائز و نافذ اور اس مکان میں رہنا، حلال و مباح ہو جائے گا۔

مگر اس صورت میں، در حقیقت اس شے کو اصل مالک سے کرائے پر لیا گیا ہے، نہ کہ رکھنے والے سے۔ اور اسی سبب سے بعد اجازت جو کرایہ آئے گا، اس کا مالک راہن ہوگا اور اس صورت میں رہن والا مکان، رہن سے نکل جائے گا۔ (كما في الهندية وغيرها) ''جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں ہے۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مرہون شے سے نفع اٹھانا، کبھی جائز بھی ہو جاتا ہے۔

پوچھا گیا:

گروی زمین و مکانات سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

اس بارے میں تحقیق شدہ اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ قرض کو بنیاد بناتے ہوئے، کسی قسم کا نفع لینا، مطلقاً سود و حرام ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((كل قرض جر منفعة فهو ربا))

''یعنی ہر وہ قرض، جو کوئی نفع کھینچے، تو وہ سود ہے۔''[2]

اور اگر قرض کو بنیاد بنا کر نفع نہ لیا جائے، بلکہ ویسے ہی، آپس میں اچھے سلوک کے طور

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 218

[2] كنز العمال بحواله الحارث عن علی، حدیث 15516، جلد 6، صفحه: 238۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پر کوئی نفع پہنچانا اور نفع حاصل کرنا پایا جائے، تو وہ راہن (رہن رکھوانے والے) کی مرضی پر موقوف ہے، چنانچہ خالص اس کی رضا و اجازت سے ہو، تو جائز، ورنہ حرام۔

اب اس بات کا فیصلہ کہ یہ نفع اٹھانا، قرض کو بنیاد بنا کر لیا گیا ہے یا بطورِ حسن سلوک، تو اس کے لئے معیار، شرط اور اس معاملے کو طے کرتے ہوئے ذکر کردہ اصول ہیں، یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے، تو وہ، قرض کو بنیاد بنا کر حاصل شدہ نفع قرار پائے گا اور حرام ہوگا۔

اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا، بلکہ آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت، بطورِ احسان و مروّت حاصل ہوئی، تو وہ حسن سلوک کی بنیاد پر ہوگی، نہ کہ قرض کی وجہ سے۔

تو اس نفع کے جائز و ناجائز ہونے کے معاملے کا دارومدار، شرط پر ٹھہرا یعنی اگر نفع مشروط ہے، تو سود اور غیر مشروط ہو، تو سود نہیں، بلکہ مالک کی اجازت کے سبب مباح (یعنی نہ گناہ، نہ ثواب)۔

پھر شرط کی دو صورتیں ہیں: ① واضح طور پر نفع لینا طے کر لیا جائے۔ ② زبان سے کچھ نہ کہیں، مگر وہاں کا رواج ہی ایسا ہے کہ رہن کے معاملے میں ضرور نفع لیا جاتا ہے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ نفع، حرام و سود ہے۔

(فان المعهود کالمشروط لفظا)

"یعنی کیونکہ جو معاملہ معاشرے میں رائج ہو، وہ ایسا ہی ہے، جیسے الفاظ کی شکل میں شرط ٹھہرالیا گیا ہو" (ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فیمایدخل فی البیع تبعاً الخ، جلد 4، صفحہ: 39)

درمختار میں ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(قالوا اذا لم تكن المنفعة مشروطة ولا متعارفة فلاباس)

"یعنی مشائخ نے فرمایا کہ جو نفع، مشروط نہ ہو اور نہ ہی (معاشرے میں) رائج ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" (کتاب الحوالہ۔جلد2۔صفحہ70)

فتح القدیر میں ہے:

(فی الفتاوی الصغری وغیرهاان كان النفع مشروطافی القرض فهوحرام والقرض بهذاالشرط فاسد والاجازالا تری انه لو قضاه احسن مما عليه لايكره اذالم يكن مشروطاوقالواوانما يحل ذٰلك عند عدم الشرط اذالم يكن فيه عرف ظاهرفان كان يعرف ان ذٰلك يفعل لذٰلك فلا)

"یعنی فتاویٰ صغریٰ وغیرہ میں ہے کہ اگر قرض میں نفع کی شرط لگائی گئی، تو وہ نفع حرام ہے اور قرض اس شرط کے ساتھ فاسد ہوگا اور اگر شرط نہیں لگائی گئی، تو جائز ہے۔ کیا تم ملاحظہ نہیں کرتے کہ جس پر قرض ہو، اگر وہ قرض سے زیادہ بہتر واپس کرے، تو یہ مکروہ نہ ہوگا، بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ مشائخ نے فرمایا: شرط نہ ہونے کی صورت میں یہ نفع، تب ہی حلال ہوگا کہ جب زیادہ واپس کرنے کا رواج عام نہ ہو اور اگر یہ عام ہو، تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں۔"

(كتاب الحواله، جلد6، صفحه: 356)

منح الغفار میں جواہر الفتاویٰ کے حوالے سے ہے:

(اذا كان مشروطاصارقرضافيه منفعة فهو رباو الا فلا باس به)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی جب شرط لگادی گئی، تو یہ ایسا قرض ہو گیا، جس میں نفع ہے، لہٰذا وہ سود ہے اور اگر مشروط نہیں، تو کوئی حرج نہیں۔'' (ردالمحتار بحوالہ جواہر الفتاویٰ، کتاب الرھن، جلد5، صفحہ: 310)

ردالمحتار میں ہے:

(مافی الجواھر یصلح للتوفیق وھو وجیہ وذکروا نظیرہ فیما لو اھدی المستقرض للمقرض ان کانت بشرط کرہ والا فلا)

''یعنی جو کچھ جواہر الفتاویٰ میں ہے، وہ موافقت کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ وجیہ ہے۔ اس کی نظیر مشائخ نے ذکر کی کہ جب مقروض، قرض دینے والے کو ہدیہ دے، تو اگر اس کی شرط لگائی گئی ہے، تب تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں۔''

(کتاب الرھن، جلد5، صفحہ: 311)

جب یہ اصل اصول معلوم ہو گیا، تو مسئلے کا حکم بھی واضح ہے کہ:

اگر مکان وغیرہ مرہون شے سے، مرتہن (رہن رکھنے والے) کا، بذریعہ سکونت وغیرہ نفع لینا، مشروط ہو چکا ہے، جیسا کہ رہن ناموں کے کاغذات میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا جاتا ہے، جب تو اس کا صریح سود اور حرام ہونا ظاہر ہے، ورنہ لوگوں کی عادت اور رسم ورواج زمانہ کو بنیاد بناتے ہوئے حکم معلوم کیا جائے گا۔

ہمارے زمانے کے دنیادار لوگ، اسی نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے دینے والے سب بغیر ذکر کئے، اسے طے شدہ ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر مرتہن (رہن رکھنے والے) کو گمان ہو کہ مجھے اس شے سے نفع نہ ملے گا، تو ہرگز رہن رکھ کر قرض نہ دے اور یونہی راہن (رہن رکھوانے والا)، اگر قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا نہ ہو، تو کبھی بخوشی، نفع اٹھانے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی اجازت نہ دے۔ اسی سبب سے، مرتہن، اس نفع وسود کو اپنا لازمی حق سمجھتے ہیں اور مالک کو اس پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ نفع اٹھانا، اگرچہ الفاظ میں مشروط نہیں، لیکن رسم ورواج وعادت کے اعتبار سے بیشک مشروط ومقرر شدہ ہے، چنانچہ مطلقاً حرام وممنوع ہونے کا حکم ہوگا۔

علامہ احمد طحطاوی، پھر علامہ محمد شافعی قدس سرہما، ایسا ہی حواشی در میں فرماتے ہیں کہ:

(الغالب من احوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع ولولاه لمااعطاه الدراهم وهذابمنزلة الشرط لان المعروف كالمشروط وهومما يعين المنع)

"یعنی لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو، تو قرض پر درہم ہی نہ دیں گے اور وہ بمنزلہ شرط کے ہے، کیونکہ لوگوں میں رائج چیز کا حکم، مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے اور یہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔" (ردالمحتار، کتاب الرهن، جلد 5، صفحہ: 311)

ہاں اگر مرتہن، نفع کا لحاظ کئے بغیر قرض دے اور صرف قرض کی وصولی کو پختہ کرنے کے لئے رہن رکھے، جو کہ شارع کا، رہن کے معاملے کو جائز قرار دینے سے مقصود بھی ہے اور عاقدین معاملہ طے کرتے وقت، واضح طور پر شرط کرلیں کہ رہن رکھنے والا، کسی طرح نفع اٹھانے کا حقدار نہ ہوگا، تو حکم جواز ہے۔

(وذلك لان ماصار معروفا لايصير مرفوعا بالسكوت فلايكفى عدم الشرط بل شرط العدم كى يفوق الصريح الدلالة)۔

یہ اس لئے ہے کہ جو چیز معروف (ومشہور ورائج) ہوچکی ہو، وہ ذکر نہ کرنے کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بناء پر، ختم نہیں ہو جاتی، لہٰذا (رہن کا معاملہ کرتے وقت فقط) شرط کا نہ ہونا کافی نہیں، بلکہ نفع نہ ہونے کی (واضح) شرط ضروری ہوگی، تاکہ صریح، دلالت پر فوقیت پا جائے (یعنی واضح بات، اشارۃً سمجھی جانے والی بات پر فوقیت پا جائے)۔"

ہاں اگر راہن (رہن رکھوانے والا)، اپنی خوشی سے، رکھنے والے کو نفع اٹھانے کی اجازت دے اور یہ شخص صرف اجازت کی بناء پر نفع حاصل کرے، اسے اپنا حق تصور نہ کرے، جس کی علامت یہ ہوگی کہ اگر وہ شخص، مالک کی رضا اور غبت واجازت سے مکان میں آکر بیٹھا ہی تھا، اس نے منع کر دیا، تو فوراً رک جائے اور بالکل جھگڑا واختلاف نہ کرے، تو اس قسم کا نفع اٹھانا، جب تک مالک کی اجازت کے ساتھ حاصل کیا جائے، حلال ہوگا۔ مگر ہندوستان میں اس کی صورت کہاں؟ اللہ عزوجل مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔[1] آمین

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ہندوؤں کے ہاں کا گوشت اور دیگر کھانے، مشروط طور پر حلال ہیں۔ بوڑھی یا جوان خادمہ کو ساتھ لے کر سفر کرنا بھی، بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

پوچھا گیا:

جو شخص وعظ و نصیحت کرنے والا ہونے کے باوجود، گاؤں در گاؤں، ہندوؤں کے یہاں کھانا کھائے اور ایک عورت کو ساتھ لئے پھرے، تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 222

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

ہندوؤں کے ہاں کا گوشت حرام ہے، سوائے اس گوشت کے کہ جو ایسے جانور کا ہو، جسے مسلمان نے ذبح کیا اور مسلمانوں کے پاس پہنچنے تک، مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہوا ہو۔ دیگر کھانوں میں، اگر کوئی حرام ہونے کی وجہ معلوم نہ ہو، تو حلال ہیں۔

اور ایک عورت کو ساتھ لئے پھرنا، نہایت گول مول الفاظ ہیں۔ کیونکہ کسی عورت کو ساتھ لئے گھومنا کئی طرح ہو سکتا ہے، مثلاً خادمہ یا زوجہ بنا کر یا معاذ اللہ کسی غلط طریقے پر۔

پھر اگر خادمہ ہے، تو دیکھا جائے گا کہ نوجوان ہے یا حدِ شہوت سے گزری ہوئی بڑھیا۔ پھر اس کا بھی لحاظ رکھا جائے گا کہ اس سے فقط پکانے وغیرہ کی معمولی خدمت لیتا ہے یا تنہائی میں یکجائی کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔ اور اگر زوجہ ہے، تو پردے میں رکھتا ہے یا بے پردہ لئے گھومتا ہے۔

چنانچہ اگر حدِ شہوت سے گزری ہوئی بڑھیا ہے یا جوان ہے، لیکن اس سے معمولی خدمت لیتا ہے اور ساتھ میں دیگر افراد ہوتے ہیں، جس کی بناء پر تنہائی میں اکٹھے ہونے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا یا زوجہ ہے اور اسے پردے میں ساتھ رکھتا ہے، تو ان صورتوں میں کوئی حرج نہیں (اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے)۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بدمذہب یا ایسے شخص کی غیبت جائز ہے کہ جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ صحیح العقیدہ مسلمان عالمِ دین کے حق کو معمولی سمجھنا، منافق کا طریقہ ہے۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 23، صفحہ: 95

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پوچھا گیا:

ایک جاہل نے، کسی مسجد کے پیش امام عالم کی غیبت کی اور اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی اور جن گھروں سے امام صاحب کے لئے کھانا بھیجا جاتا تھا، ان لوگوں سے امام کی برائیاں بیان کر کے سب ختم کرا دیا۔ لیکن جب لوگوں نے امام کی برائی پر اس سے گواہ طلب کیے، تو وہ پیش نہ کر سکا۔ ان سب صورتوں میں وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ گناہ گار ہونے کی صورت میں، شریعت کے مطابق، اس پر کیا سزا لازم آتی ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

یہ سوال بہت تفصیل طلب ہے اور موجودہ معاشرے کے حالات انتہائی خراب ہیں۔ اب ہر شخص عالم کہلانے لگا ہے، حالانکہ بعض ایسے ہیں، جو عقائد کے اعتبار سے گمراہ ہیں۔ یقیناً ایسا بدمذہب شخص، اپنی بدمذہبیت کی بناء پر، ایک فاسق و جاہل سے ہزار ہا درجے، بدتر ہے۔

آج کل بہت سے لوگ جو بدعقیدہ و بدعتی ہیں، صرف روٹی کے حصول کے لئے خود کو صحیح العقیدہ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سوال چونکہ دوسرے ملک سے آیا ہے اور غیب کا علم خدا کو ہے، چنانچہ اگر صورتِ واقعہ یہی ہو کہ عالم بننے والا پیش امام، جھوٹ موٹ صحیح العقیدہ مسلمان بن کر، مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہو اور کسی صحیح العقیدہ مسلمان کو اس کے پوشیدہ احوال کی خبر مل گئی، تو ایسے بدمذہب شخص کی بدمذہبیت کو ظاہر کرنا اور اسے مسلمانوں کی مسجد سے نکالنے کی تدبیر کرنا، جیسا کہ اس شخص نے کی، اجرِ عظیم کا باعث ہے۔ اور ایسی صورت میں اس شخص کے، گواہ نہ پاسکنے میں اس پر کوئی الزام نہیں، کیونکہ دھوکہ دے کر خود کو مسلمان ظاہر کرنے والے بدمذہب کی حالت پر گواہوں کا ملنا، بہت دشوار ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

((اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحزره الناس))

"یعنی کیا تم بدکار شخص کا تذکرہ کرنے کے سلسلے میں رعایت کرتے ہو، تو پھر لوگ اسے کب پہچانیں گے، لہٰذا بدکار جو جرم کرے، اس کا ذکر کرو، تاکہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں اور بچ سکیں۔"①

اور اگر حقیقت میں وہ عالم دین، صحیح العقیدہ مسلمان ہے، لیکن اس شخص نے اس عالم کے جس عیب کی اشاعت کی، اس کے پوشیدہ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا، جب کہ اطلاع دینے کی صورت میں اس اذیت کی دوری متوقع تھی اور اس شخص نے، اس عالم کے ضرر سے مسلمانوں کو بچانے اور ان کی خیر خواہی کی نیت سے ہی یہ کاروائی کی، جب بھی اس پر کوئی الزام نہیں، نہ شرعاً ایسی غیبت، ممنوع ہے۔

اور اگر یہ معاملہ بھی نہ تھا، بلکہ صرف اس عالم کی بلاضرورت غیبت اور اسے (ذہنی وروحانی) اذیت پہنچانے کی غرض سے ہی ایسی حرکت کی گئی، تو اب یہ شخص، سخت کبیرہ گناہ کا مرتکب اور حاکم شرع کے نزدیک، سخت سزا کا مستحق ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((ثلثة لا یستخف بحقهم الا منافق ذوالعلم وذوالشیبة فی الاسلام وامام مقسط))

"یعنی تین اشخاص ایسے ہیں کہ جن کے حق کو صرف منافق ہی حقیر و معمولی سمجھے گا۔ (صحیح العقیدہ، مسلمان) عالم، اسلام میں بوڑھا ہونے والا اور عادل

---

① تاریخ بغداد، ترجمہ محمد بن احمد 348، جلد1، صفحہ: 382.

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بادشاہِ اسلام۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مرہون چیز، کرائے پر نہیں دی جاسکتی۔

پوچھا گیا:

زید نے عمرو سے دوہزار روپے، بلاسود قرض لئے اور اپنی ایک زرعی زمین بطورِ رہن، عمرو کے قبضے میں دے دی۔ اس زمین سے حاصل ہونے والی بچت تقریباً تین سو روپے ہے۔ زید چاہتا ہے کہ عمرو اس زمین سے متعلقہ تمام کاموں کی دیکھ بھال کرے اور انہیں سرانجام دے، جس کے بدلے میں وہ اسے ماہانہ، دس روپے کے حساب سے ایک سو بیس روپیہ سالانہ دے گا۔ پس عمرو کا، رہن والی چیز کی اس اجرت کو لینا، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے کاموں کا انجام دینا اور بچت وصول کرکے پہنچانا، درست ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

رہن واجارہ (یعنی کرائے پر لینا دینا)، آپس میں، ایک دوسرے سے جدا، دو ایسے مالی معاملات ہیں، جو شرعاً جمع نہیں ہوسکتے۔ اُن میں سے جو بھی دوسرے کی موجودگی میں نافذ ہوگا، اسے باطل کردے گا۔ (كما نص عليه الكبار في معتمدات الاسفار) ''جیسا کہ اس پر معتمد کتابوں میں علماء کبار نے نص فرمائی ہے۔''

تو رہنِ دیہات کا یہ طریقہ کہ زمین، کھیتی باڑی کا کام کرنے والوں کے کرائے پر رہے اور گاؤں کسی اور شخص کے پاس رہن ہو، محض باطل و بے معنی ہے۔ بلکہ یہ رہن، ان سابقہ کرائے داروں کی اجازت پر موقوف رہے گا، چنانچہ اگر وہ باطل کردیں گے، باطِل ہو

---

[1] المعجم الكبير، حديث 7818، جلد 8، صفحه: 2138 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 23، صفحہ: 98)

جائے گا اور اجازت دیں گے، تو ان کا کرائے داری کا معاہدہ باطل ہو جائے گا اور یہ عمل، ان کی طرف سے کرائے والے معاملے میں معذرت شمار ہوگی۔

پھر جب سابقہ کرائے والے معاملے میں معذرت شرعاً مقبول ہوئی، تب رہن صحیح ہوا اور اب زمین زراعت پر نہیں اٹھ سکتی۔ چنانچہ اگر راہن (رہن رکھوانے والا)، مرتہن (رہن رکھنے والے) کی اجازت کے بغیر، زمین کرائے پر دے گا، تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گی، اگر باطل کر دے گا، اجارۂ زمین باطل ہو جائے گا، رہن قائم رہے گا، اجازت دے گا، تو رہن باطل، اجارۂ زمین صحیح ہو جائے گا۔ بہر حال رہن واجارہ دونوں جمع ہوں، یہ ہرگز نہ ہوگا۔ (كل ذلك مصرح به في الكتب الفقهية) ''ہر ایک کو فقہ کی کتابوں میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔''

پس دریافت شدہ صورت میں کہ زید نے اپنا گاؤں عمرو کے پاس رہن رکھا، ظاہر ہے کہ مزارعین سے معذرت نامہ نہ لیا ہوگا۔ (كما هو المعروف والمعهود في هذا العهود) ''جیسا کہ اس زمانے میں مشہور ومعروف ہے۔'' تو شرعاً وہ رہن صحیح ہی نہ ہوا۔

اور اگر بالفرض معذرت نامہ لے بھی لیا جائے، تو فی الحال چونکہ زمین، مزارعوں کے پاس کرائے پر ہے، تو ضروری ہے کہ رہن کے بعد یہ معاہدہ ہوا ہو یا راہن نے کیا ہو اور مرتہن نے اسے جائز قرار دے دیا ہو یا پھر مرتہن نے کیا ہو اور راہن نے اسے جائز قرار دیا ہو، بہر حال، ہر صورت میں زمین رہن سے نکل گئی، اب نہ زید راہن اور نہ عمرو مرتہن اور نہ اسے نوکری کا اختیار ہے اور قرضہ زید الگ باقی رہا۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

اگر مرتہن (رہن رکھنے والا)، مرہون شے کو، راہن (رہن رکھوانے والے) کی

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 226

اجازت کے بغیر بیچ دے، تو چند شرائط کے ساتھ وہ، بیع مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ ایک مسئلے کے جواب میں لکھتے ہیں:

مرتہن، جب راہن کی اجازت کے بغیر، مرہون شے کو بیچ دے، تو وہ بیع، مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے، بشرطیکہ شے ابھی تک موجود ہو اور اگر مشتری (خریدنے والے) کے پاس ہلاک ہو جائے، تو راہن کو اختیار ہوتا ہے کہ مرتہن یا مشتری، جس سے چاہے اپنی چیز کا تاوان لے لے۔

شرح الطحاوی، پھر جامع الرموز، پھر حاشیہ شامی میں ہے:

(توقف علیٰ اجازۃ الراھن بیع المرتھن فان اجازہ جاز والافلاولہ ان یبطلہ ویعیدہ رھناولوھلك فی یدالمشتری قبل الاجا زۃ لم تجزالاجازۃ بعدہ وللراھن ان یضمن ایھما شاء)

"یعنی مرتہن (رہن رکھنے والا) اگر مرہون شے کو بیچ دے، تو یہ بیع راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اگر راہن نے اجازت دے دی تو جائز، ورنہ نہیں۔ راہن کو اختیار ہے کہ بیع کو باطل کر کے اسے رہن کی طرف لوٹا دے۔ اگر مرہون شے، مشتری کے قبضے میں، راہن کی اجازت سے قبل ہلاک ہو جائے، تو اس کے بعد کی اجازت جائز نہیں اور راہن کو اختیار ہوگا کہ مرتہن اور مشتری میں سے جسے چاہے، ضامن ٹھہرائے۔" (کتاب الرھن، باب التصرف فی الرھن، جلد5، صفحہ: 327)

درمختار ورد المحتار میں ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(ضمن بتعديه (كالبيع بلا اذن) كل قيمته (اى بالغة ما بلغت لانه صار غاصبا) فيسقط الدين بقدره)

"یعنی مرتہن اپنی زیادتی کی وجہ سے (جیسا کہ بلا اجازت بیع) کل قیمت کا ضامن ہوگا (یعنی وہ قیمت جس قدر بھی ہو، کیونکہ وہ اس وقت مال غصب کر لینے والے کی طرح ہے) لہٰذا اس قیمت کے برابر قرض ختم ہو جائے گا۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

رہن بغیر قبضے کے مکمل نہیں ہوتا۔ نہ ہی راہن (رہن رکھوانے والے) کی اجازت کے بغیر قبضہ جائز ہے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رہن بغیر قبضے کے مکمل نہیں ہوتا (یعنی جب تک رہن رکھنے والا، مرہون شے کو اپنے قبضے میں نہ لے لے، وہ شے، مرہون نہ کہلائے گی)۔

قدوری میں ہے:

(الرهن يتم بالقبض) "یعنی رہن کی تکمیل، قبضے سے ہوتی ہے۔"

(كتاب الرهن، صفحه: 100)

کچھ آگے فرماتے ہیں:

نہ بے اجازتِ راہن، مرتہن (رہن رکھنے والا، مرہون شے پر) قبضہ کر سکتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

---

[1] كتاب الرهن، باب التصرف فى الرهن، جلد 2، صفحه: 267 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 237)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(قال محمد رحمه الله تعالیٰ فی کتاب الرهن لایجوز الرهن الا مقبوضا کذا فی المحیط وشرط صحة القبض ان یاذن الراهن فان قبض بغیر اذن الراهن لم یجز قبضه)

''یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الرھن'' میں فرمایا: قبضے کے بغیر رہن جائز نہیں۔ اسی طرح محیط میں ہے۔ اور قبضہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے، اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا، تو اس کا قبضہ جائز نہ ہوا۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

کافر غیر ذمی سے، سود کی شکل میں مال، درست نیت کے ساتھ لینا جائز ہے۔

پوچھا گیا:

میں نے ایک مکان اور دکان تین سو روپے پر رہن رکھی اور قبضہ کرلیا۔ یہ دونوں چیزیں ایک ہندو کی ہیں۔ اس شخص نے، مجھ سے یہ مکان و دکان، تین روپے مہینہ کرائے پر لے لی ہیں۔ قرض اتارنے کی مدت دو سال کی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر دو سال کے اندر اندر مکان و دکان نہ چھڑا سکا، تو یہ رہن نامہ، بیعنامہ سمجھا جائے گا یعنی گویا کہ قرض کے بدلے میں میں نے اسے خرید لیا۔ مجھے علم نہ تھا کہ یہ فعل ناجائز ہے۔ اب بتایئے کہ کرائے کے روپے لوں یا نہ لوں؟ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ روپیہ، کسی غریب یا کسی حاجتمند کو دیا جا سکتا ہے یعنی کسی کام میں یہ روپیہ کرایہ کا صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ روپیہ کسی کام میں آسکتا ہے تو خیر، اور اگر کسی کام میں نہیں آسکتا، تو اتنے روپے کا کیا کیا

---

[1] کتاب الرھن، جلد 5، صفحہ: 433 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 251)

جائے یا جس کے یہ روپیہ ملے، اسی کو واپس کیا جائے؟ ایک شخص مجھ سے کہتا ہے کہ اگر یہ روپے ناجائز ہے اور آپ اپنے صرف میں نہیں لاسکتے ہیں، تو میں قرضدار ہوں، جس کی ادا میرے امکان سے باہر ہے، مجھ کو دے دیجئے کہ میں قرضہ ادا کروں۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

مرہون شے کا راہن کو کرائے پر دینا ناجائز اور اس سے کرایہ لینا سود ہے اور سود لینا حرام۔ مگر جب کہ وہ شخص ہندو ہے، اگر اس نے کسی مسلمان سے سود لیا ہو، تو اس سے یہ رقم صرف اس نیت سے لینا کہ اس نے جو ناجائز رقم ایک مسلمان سے لی تھی اور از روئے شرع مسلمان کا حق ہے، جو اس تک واپس پہنچنا چاہیے اور میں وصول کر کے اس تک پہنچا رہا ہوں، تو لینا جائز ہے، لیکن اس میں سود لینے کی بالکل نیت نہ کی جائے۔ اس صورت میں اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ ایک (شریف مسلمان) لوگوں میں سود خور کے نام سے مشہور ہو جائے گا اور جس طرح برا کام، برا ہے، برا نام بھی پسندیدہ نہیں، تو اس طرح کافر کا مال لینا، بالکل خالص طور پر جائز ہوتا اور اس میں کوئی کراہت نہ ہوتی۔

یونہی (اگر اس کافر نے، کسی مسلمان سے سود نہ لیا ہو، تب) بھی اس سے یہ مال لینا جائز ہوگا، بشرطیکہ سود لینے کی نیت نہ کی جائے، بلکہ ایک، غیر ذمی کافر کا مال، جائز و قانونی طریقے (یعنی بغیر دھوکے یا جھوٹ کے، اس کی اجازت) سے لے کر، اس محتاج مقروض مسلمان کی مدد کا ارادہ کیا جاتا، جو آپ سے مدد طلب کر رہا ہے اور دیگر مسلم مساکین کے استعمال میں بھی لاتے، تو کوئی حرج نہ ہوتا۔ غرض ان نیتوں کے ساتھ کافر سے مال وصول کرنا، حرام نہیں، ہاں بدنامی کی وجہ سے بچنا چاہیے۔ [1]

---

(1) ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 253

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

قربانی کی کھال ہر نیک وثواب کے کام میں صرف ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر بیچی، تو اس کا فقط ایک مصرف ہے۔

پوچھا گیا:

کیا قربانی کی کھال کے پیسے سے، شارع عام پر ایک کنواں کھدوایا جا سکتا ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

قربانی کی کھال، ہر نیک ثواب کے کام میں صرف ہو سکتی ہے۔

حدیث میں ہے:

((کلوا وادخروا واتجروا))

"یعنی کھاؤ، ذخیرہ کرو اور کارِ ثواب میں خرچ کرو۔"[1]

ہاں جس نے صرف پیسے حاصل کرنے کے لئے بیچی ہوئی ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ پیسے، فقط فقیروں ہی کو دے۔

حدیث میں ہے:

((من باع جلد اضحیة لا اضحیة له))

"یعنی جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی، اس کی قربانی نہیں۔"[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

قرض کے لئے کوئی مدت متعین، لازم نہیں ہو سکتی، قرض خواہ کو ہر وقت مطالبے کا حق

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نبیشة الهذلی، جلد 5، صفحہ: 75۔

[2] کنز العمال بحوالہ ك، هق عن ابی هریرة، حدیث: 12205، جلد 5، صفحہ: 94۔
(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 277)

kutubistan.blogspot.com

حاصل ہے۔

پوچھا گیا:

زید نے بکر سے ایک بیگہ زمین 100 روپے قرض دے کر لے لی، اس شرط پر کہ جب تک روپیہ ادا نہیں کریں گے، زمین ان کے قبضے میں رہے گی، اس سے نفع بھی اٹھائیں گے اور اصل مال میں سے سالانہ دو روپے کم کرتے جائیں گے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

یہ صورت رہن و اجارہ (یعنی کسی چیز کے نفع کے بدلے میں مال مقرر کرنا) کے جمع کرنے کی ہے اور یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

رہن اس وجہ سے باطل ہوا کہ رہن والی زمین سے سالانہ دو روپے بطورِ اجرت، نفع مقرر کیا گیا (اور یہ اجارہ ہے)۔

اور اجارہ یوں فاسد ہوا کہ مدت غیر معلوم رہی، کیونکہ طے یہ ہوا کہ اس وقت تک نفع حاصل کیا جاتا رہے گا، جب تک کہ پورا روپیہ ادا نہ ہو جائے۔

لہٰذا شرعاً یہ جائز نہیں، گناہ ہے، چنانچہ اس کا فوراً ختم کرنا، دونوں پر واجب ہے، زمین فوراً واپس کی جائے یا اس اجارۂ فاسدہ کو ختم کرکے، نئے سرے سے صحیح اجارہ کیا جائے، جس میں مدت متعین ہو یعنی اس میں یوں شرط نہ ہو کہ تا ادائے قرض، زمین پر قبضہ رہے گا۔

اور جہاں تک قرض خواہ کے قرض کا تعلق ہے، تو اسے اختیار ہے کہ فوراً ابھی وصول کر لے یا جب چاہے، قرض کے لئے کوئی میعاد لازم نہیں ہو سکتی۔ [1]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 298

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مورث کی جانب سے کسی اجنبی کے لئے تہائی مال کی وصیت نافذ ہوگی، چاہے ورثاء اس کی اجازت نہ دیں۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ سے، دادا کی جانب سے پوتے کے لئے تہائی مال کی وصیت بارے میں سوال کیا گیا، جب کہ باپ (یعنی دادا کا بیٹا اور پوتے کا باپ) بھی زندہ ہو، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

(یہ وصیت درست ہے، کیونکہ) احمد بن محمد (پوتا)، حامد (باپ) کے ہوتے ہوئے وارث نہیں بن سکتا اور وصیت بھی تہائی مال سے زیادہ کی نہیں کی گئی کہ ورثاء کو کوئی اعتراض کا حق حاصل رہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

(ویجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلک)

''یعنی کسی اجنبی کے لئے ایک تہائی مال کی وصیت جائز ہے، اگرچہ وارث اس کو جائز نہ رکھیں۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

وصیت کا آدھا حصہ باطل ہو، تو بقیہ آدھا نافذ العمل ہوگا۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک وصیت کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

① کتاب الوصایا، جلد2، صفحہ: 317 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 307)

مگر اس (غلط و باطل وصیت) کے وصیت نامے میں مذکور ہونے سے بقیہ وصایائے مذکورہ کیوں باطل ہونے لگیں۔ (ھذا باطل صریح) ''یہ واضح طور پر باطل ہے۔'' علماء، واضح طور پر ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ایک شے کی اپنے وارث اور کسی اجنبی کے لئے، نصف نصف کی وصیت کی، وہ وصیت وارث کے حق میں باطل اور اجنبی کے نصف میں صحیح اور نافذ رہے گی۔

تنویر الابصار میں ہے:

(ولاجنبی ووارثه اوقاتلهٗ له نصف الوصية وبطل وصيته للوارث والقاتل)

''یعنی اجنبی اور وارث یا اجنبی اور قاتل کے لئے وصیت کی، تو اجنبی کو وصیت کا نصف ملے گا، جبکہ وارث اور قاتل کے بارے میں اس کی وصیت باطل ہوگی۔'' (كتاب الوصايا، جلد 2، صفحه: 326)

جب ایک مالی معاملے میں، ایک ہی لفظ کے ساتھ، ایک ہی شے، دو شخصوں کے نام وصیت کی گئی اور جس کے لئے شرع نے اجازت نہ دی تھی، وصیت صرف اسی کے حق میں باطل ہوئی اور اس بطلان نے نصف باقی تک سرایت نہ کی، تو جہاں معاملات ایک سے زائد ہوں، لفظ بھی ایک سے بڑھ کر، جس چیز کے بارے میں وصیت کی گئی، وہ بھی ایک سے زیادہ، تو اگر ان میں سے ایک معاملہ باطل ہو، تو صرف ایک کاغذ میں ساتھ ذکر کردینے سے دوسرے حصے میں اس کا بطلان کیوں سرایت کر جائے گا؟ ایسی بے اصل وجہ سے وصایائے مذکور کو باطل قرار دینا، کسی عاقل سے متصور نہیں ہوسکتا۔ [1]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 310

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

باپ زندگی میں بیٹی کو اس کی وراثت کی مقدار کے برابر دے کر وعدہ لے لے کہ وہ بعد میں اپنا حصہ طلب نہ کرے گی، تو یہ معاہدہ جائز ہے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح کے ایک مسئلے کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

رہا یہ مسئلہ کہ جس میں مورث بزرگ نے اپنی زندگی میں بیٹی کو کچھ عطا فرما کر میراث سے علیحدہ کر دیا اور وہ بھی راضی ہو گئیں کہ میں نے اپنا حصہ پالیا اور مورث کے انتقال کے بعد، ترکے میں میرا کوئی حق نہیں، تو الاشباہ والنظائر میں، طبقات علامہ شیخ عبدالقادر سے اس صورت کا جائز ہونا نقل کیا گیا ہے۔ اور اسے علامہ ابوالعباس ناطفی، جرجانی صاحب خزانہ، شیخ عبدالقادر، فاضل زین الدین صاحب اشباہ اور علامہ سید احمد حموی نے ثابت و تسلیم شدہ رکھا۔ اور فقیہ ابوجعفر محمد بن یمانی نے اسی جواز کا فتویٰ دیا۔ اور ایسا ہی فقیہ محدث ابوعمر وطبری اور اصحاب احمد بن ابی الحارث نے روایت کیا۔

ابوالعباس ناطفی کہتے ہیں کہ:

(رأیت بخط بعض مشائخنا رحمهم الله فی رجل جعل لاحد بنيه دارا بنصيبه على ان لايكون له بعد موت الاب ميراث جاز وافتى به الفقيه ابوجعفر محمد بن اليمانی احد اصحاب محمد بن شجاع البلخی وحكى ذلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابو عمرو الطبری)

''یعنی میں نے بعض مشائخ رحمہم اللہ کے خط میں اس شخص کے بارے میں لکھا دیکھا، جس نے اپنا کوئی مکان اپنے ایک بیٹے کو حصہ کے طور پر دے دیا، اس

شرط پر کہ وہ باپ کی موت کے بعد وارث نہیں بنے گا، تو یہ جائز ہے۔ فقیہ ابو جعفر محمد بن یمانی نے اسی قول کے مطابق فتویٰ دیا۔ یہ محمد بن شجاع بلخی کے اصحاب میں سے ہیں اور احمد بن ابوالحارث اور ابوعمر وطبری کے اصحاب نے اسی کی حکایت کی۔" (الاشباہ والنظائر، الفن الثانی، کتاب الفرائض، جلد2، صفحہ: 132)

جواب دینے والا یہ فقیر کہتا ہے کہ اس کو بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب کرنے پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خط، علماء کی جانب سے وضاحت کردہ چند مخصوص صورتوں کے سوا قابل عمل نہیں ہوتا، جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، کیونکہ مفتی کا خط، انہی مخصوص کردہ صورتوں میں شامل ہے۔

علامہ حموی شرح احکام الکتابۃ میں بحوالہ غمز العیون والبصائر لکھتے ہیں:

(یجوز الاعتماد علی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علی اشارتہ فالکتابۃ اولی)

"یعنی مشائخ کے اس قول کا اعتبار کرتے ہوئے، مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے کہ مفتی کے اشارے پر اعتماد جائز ہے، تو تحریر تو زیادہ قابل اعتماد ہوگی۔"

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، احکام الکتابۃ، جلد 2، صفحہ: 198)

ہاں یہ اعتراض بجا ہے کہ اس میں کہنے والا غیر معلوم ہے (لہٰذا بات قابل اعتماد نہیں)؟ تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہ تمام مشائخ، اپنے فن میں ماہر وہ لوگ ہیں کہ جن کے قول کو بطورِ سند پیش کیا جاتا ہے، تو اب ان میں سے کسی کا غیر معلوم ہونا، (کسی دلیل کی قوت کے لئے) مضر نہیں۔ جیسا کہ بہت سے مسائل میں (باقاعدہ کسی کا نام ذکر کئے بغیر) کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ جائز ہے اور بعض نے کہا کہ نہیں جائز ہے۔ اور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اگر اس اعتراض کو تسلیم کر بھی لیا جائے، تو ہم کہیں گے کہ ہم نے جس پر اعتماد کیا ہے، وہ جید وعلم کے سمندر علماء کے اقوال ہیں۔

پس اس روایت اور ائمہ کی تقریر وافتاء وحکایت کی بناء پر بیٹی کا وراثت کے حق سے باہر ہونا صحیح اور جائز وواقع ہوا اور صاحبزادی صاحبہ کو والد کے انتقال کے بعد، دعوی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں رہتا۔

ہاں اگر ہماری ذکر کردہ یہ روایت، کم مشہور ہونے اور علت ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہ مانی جائے، تو وراثت سے خارج ہونے کا یہ معاملہ ضرور باطل قرار پائے گا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

وارث ہونے سے انسان ترکے کا مالک ہو جاتا ہے، چاہے ہزار بار کہہ چکا ہو کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(فان الارث سبب ضروری للملك حتی ان الوارث یرث ویملك سهمه ولو قال الف مرة انی ترکت حقی والمسئلة فی الاشباه وغیرها)

"یعنی اس لئے کہ وارث ہونا، ملک کے لئے ایک لازمی سبب ہے، یہاں تک کہ وارث اپنے حصے کا وارث ومالک بن جاتا ہے، اگرچہ ہزار بار کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اور یہ مسئلہ اشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔" [2]

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 309

[2] الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، احکام النقد، جلد 2، صفحہ: 160 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 311) (نوٹ: یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب اس سے پہلے والے مسئلے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مرض الموت، جس میں شرعاً مریض کے مالی تصرفات نافذ نہیں ہوتے، وہ ہے کہ جس میں موت کا خوف غالب ہو۔ نیز ایسے امراض کہ جن میں موت کا خوف ہوتا ہے، جب طویل ہوجائیں، تو مرض الموت نہیں رہتے۔

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں اس کی تحقیق ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

جمہور ائمہ کے نزدیک فالج وٹی بی وغیرہا امراض، جب ایک سال تک طویل ہو جائیں، تو مرض الموت نہیں رہتے اور ایسے مریض کے تمام تصرفات، شرعاً، تندرست وصحت مند شخص کی طرح نافذ ہوں گے۔

یہاں تک کہ علامہ محمد بن عابدین شامی (رحمۃ اللہ علیہ) نے متون وشروح کے اطلاق وعموم پر نظر فرما کر، درمختار کی شرح میں وضاحت کردی ہے کہ اگر فالج وغیرہ امراض مذکورہ، ایک سال کے بعد، انسان کو بستر پر رہنے پر مجبور کردیں اور مریض چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہوجائے، جب بھی اسے مرض موت نہ کہا جائے گا، کیونکہ مرض ایک سال تک طویل ہوگیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

(قال فی المعراج وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت فقال اعتماد نافی ذٰلك علیٰ ان یقدر ان یذهب فی

» کے مطابق، وارث کے اپنی مرضی سے حصہ چھوڑ دینے کی بناء پر حق سے محروم ہوجانے والی روایت درست قرار نہ دی جائے۔ لیکن ایک اور فتوے میں آپ نے صراحۃً ذکر فرمایا، حتی کہ خود وارث کو اختیار نہیں کہ وراثت کے حق سے دستبردار ہو)۔ ۱۲ منہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حوائج نفسه خارج الدار۱ ہ اقول والظاهرانه مقید بغیر الامراض المزمنة الی طالت ولم یخف منه الموت کالفالج ونحوه وان صیرته ذافراش ومنعته عن الذهاب فی حوائجه فلایخالف ماجرٰی علیه اصحاب المتون والشرح)

''یعنی معراج (کتاب) میں فرمایا، صاحبِ منظومہ سے مرض الموت کی حد کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اعتماد اس مسئلے میں اس بات پر ہے کہ مریض اپنی حاجات کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے الخ۔ میں کہتا ہوں، بظاہر یہ حکم دیر تک رہنے والی بیماریوں کے علاوہ بیماریوں کے ساتھ خاص مقید ہے (یعنی) جو لمبی ہو جاتی ہیں اور ان میں موت کا خوف نہیں ہوتا، جیسے فالج وغیرہ، اگرچہ وہ مریض کو بستر والا بنادیں اور اسے حاجات کے لئے نکلنے سے روک دیں۔ یہ بات اس کے مخالف نہیں، جس پر اصحاب متون اور شارحین قائم ہوئے۔'' (ردالمحتار، کتاب الوصایا، جلد5، صفحہ:423)

(اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ) موت کے خوف سے تو کوئی مفلوج وٹی بی والا کبھی خالی نہیں ہوتا، اگرچہ سالہا سال گزر جائیں، پھر اس قید کے لگانے سے کیا فائدہ ہوگا؟ (تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مطلقاً نہیں) بلکہ اعلیٰ درجہ کا خوف واندیشۂ شدید درکار ہے۔

ردالمحتار میں بحوالہ کفایہ ہے:

(ثم المراد من الخوف الغالب منه لانفس الخوف)

''یعنی پھر خوف سے مراد اس کا غلبہ ہے، نہ کہ محض خوف۔''

(کتاب الوصایا، جلد5، صفحہ: 423)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی وغیرہ علماء نے اس خوف کی یوں تفسیر کی کہ جب ان امراض سے یہ نوبت پہنچے کہ اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے، تو اس وقت خوفِ موت کہا جائے گا۔

تنویر الابصار میں ہے:

(من غالب حاله الهلاك بمرض اوغيره بان اضناه مريض عجزبه عن اقامة مصالح خارج البيت)

''یعنی بیماری یا اس کے علاوہ کسی چیز سے (اس مریض کی) غالب حالت، ہلاکت (کے قریب) ہو، اس طور پر کہ بیماری نے اسے اس قدر کمزور کر دیا ہو کہ جس کی بناء پر، وہ گھر کے باہر اپنے معاملات وضروریات قائم رکھنے سے عاجز ہو گیا ہو۔'' (كتاب الطلاق، باب طلاق المريض، جلد1، صفحه: 235)

اور اس قید کے لگانے کے بعد بھی امام شامی فرماتے ہیں:

(فان قلت ان مرض الموت هو الذى يتصل به الموت بما فائدة تعريفه بماذكر قلت فائدته ان قد تطول سنة فاكثر كمايأتى فلايسمى مرض الموت وان اتصل به الموت)

''یعنی اگر تم کہو کہ مرض الموت تو وہ ہے کہ جس کے ساتھ موت ملی ہوئی ہو۔ پھر مرض الموت کی یہ تعریف جو ذکر کی گئی اس کا کیا فائدہ ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ بیماری کبھی سال یا اس سے زائد عرصہ تک لمبی ہو جاتی ہے، جیسا کہ آگے اس کا بیان آرہا ہے، تو اس بیماری کو مرض الموت نہیں کہا جاتا، اگرچہ اس کے ساتھ موت متصل ہو جائے۔'' (ردالمحتار، كتاب الطلاق، جلد2، صفحه:520)

خلاصہ یہ کہ علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ صرف خوف ہی کافی نہیں، بلکہ اس قسم کا خوف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہونا چاہئے، جسے موت کے لئے گھڑیاں گنتا کہتے ہیں۔ وہ مرض، مرض الموت گنا جائے گا اور یہ بات اسی وقت ہوگی کہ جب وہ بستر سے نہ اٹھ سکے یا گھر سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رہے، مثلاً: عالم ہوتو مسجد تک نہ جاسکے۔

ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ کے حوالے سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے:

(من به بعض مرض يشتكى منه وفى كثير من الاوقات يخرج الى السوق ويقضى مصالحه لايكون به مريضا مرض الموت وتعتبر تبرعاته من كل ماله واذاباع لوارثه اووهبه لايتوقف على اجازة باقى الورثة)

"یعنی وہ شخص کہ جسے کچھ بیماری ہواور وہ اس کا اظہار بھی کرتا ہو، لیکن (اس کے باوجود وہ) اکثر بازار چلا جاتا ہے اور اپنے تمام کام پورے کرتا ہے، تو اس سے وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے کل مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے، اور جب وہ کسی وارث سے بیع کرے یا اس کو کچھ ہبہ کرے، تو یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔"

(كتاب الاقرار، باب اقرار المريض، جلد4، صفحه:161)

اور فتاویٰ خیریہ میں ہے:

(حيث كان بالوصف المذكور وهوانه اى المرض لايمنع الخروج لقضاء حوائجه فهبته لاحداولاده وبيعه لبقيتهم بالغين مطلقا صحيح نافذ باجماع علمائنا صرحوابه فى كل مرض يطول كالدق والسل والفالج)

"یعنی جب وہ شخص ذکر کردہ وصف کے ساتھ ہواور وہ یہ ہے کہ وہ مرض، اسے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس کی ضروریات کی ادائیگی سے نہیں روکتا، تو اس کا اپنی اولاد میں سے کسی کے لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کیلئے بیع کرنا مطلقاً بالاتفاقِ علماء صحیح اور نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح فرمائی۔ جیسے دِق، سل (ٹی بی) اور فالج وغیرہ۔''[1] (کتاب البیوع، جلد1، صفحہ: 228)

آپ نے فرمایا:

(وان لم یکن واحد منهما بان لم یطل مدته بان مات قبل سنة اوخیف موته بان یزداد یوماً فیوماً)

''یعنی اور اگر ان مریضوں میں سے کوئی اس حال میں نہ ہو کہ اس کے مرض کی مدت طویل ہوگئی ہو، اس صورت کے ساتھ کہ وہ سال گزرنے سے پہلے مر گیا ہو یا اس کو موت کا خوف لاحق ہو، اس طور پر کہ دن بدن بیماری بڑھ رہی ہو۔''[2]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مریض اپنے مرضِ موت میں، اپنی کسی چیز کو اس کی قیمت سے کم پر بیچے، تو اس کا یہ تصرف نافذ نہیں مانا جائے گا۔

پوچھا گیا:

ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپیہ کی قیمت تھی، چھ سو روپے میں اپنے شوہر اور بیٹی کو بیچ دی اور پندرہ روز کے بعد مر گئی، تو اس

---

① نوٹ: امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ آگے، ایک دوسرے فتوٰی میں، غلبہ خوف کے لئے مرض کی روز بروز ترقی کو بھی علامت قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: اور فاضل قہستانی نے یوں وضاحت کی ہے کہ اگر روز بروز اس کا حال بدتر اور مرض ترقی پذیر ہوتا جائے، تو اسے مرض الموت کہیں گے۔

② ماخوذ از فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 319

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

پوچھی گئی صورت میں بیع صحیح نہیں، کیونکہ مرض موت میں کسی چیز کو کم قیمت میں بیچنا امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اور وارث کو تو برابر برابر قیمت میں بھی، دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر بیچنا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

تلویح میں ہے:

(لوباع من احد الورثة عينا من اعيان التركة بمثل القيمة فلايجوزعندابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ)

''یعنی اگر کسی وارث کے ہاتھ ترکہ کی کوئی معین شے، اس کی برابر قیمت کے ساتھ بیچی، تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔''[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

ورثاء کے حق میں ترکے کی وصیت، بعض صورتوں میں درست قرار دی جاسکتی ہے۔ لیکن کسی کو محروم کرنا جائز نہیں۔

پوچھا گیا:

ایک شخص، موت کے قریب زبانی وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو میرا مال ملے اور فلاں وارث کو نہ ملے، یہ وصیت درست ہے یا نہیں؟

[1] التوضیح والتلویح، فصل فی الامور المعترضه علی الاهلیة سماویة الخ، صفحه: 663 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 331)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

اگر وصیت مذکورہ کو میت کے وارثوں میں سے کوئی عاقل بالغ جائز نہیں رکھتا، تو وہ اس وارث کے حصے میں باطل ہو گئی کہ جس کے لئے وصیت کی گئی۔

اور ان وارثوں میں کوئی مجنوں یا نابالغ اجازت کو جائز رکھتا ہے، تو اس کی رضا شرعاً قابل اعتبار نہیں۔

ہاں اگر تمام ورثاء جائز رکھتے ہیں اور وہ سب عاقل بالغ ہیں، تو وصیت مذکورہ، وصیت کیئے گئے وارثوں کے حق میں مکمل طور پر جائز و نافذ ہو جائے گی۔ چنانچہ اس صورت میں اگر میت پر کچھ قرضے ہوں، تو پہلے وہ ادا کیئے جائیں گے، پھر کل مال یا بعض، جس قدر کی وصیت کی ہے، اس وصیت کیئے گئے وارث کو دیا جائے گا۔

اور اگر ان میں سے بعض جائز اور بعض نا جائز رکھتے ہوں، تو جو جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں، تو ان کے حصوں کے بقدر وصیت نافذ ہو جائے گی اور جتنے عاقل و بالغ اجازت نہ دیں ان کے، نیز بچوں اور پاگلوں کے حصوں کی مقدار، چاہے اجازت دے بھی دیں، وصیت باطل ہو گی، گویا وہ تھی ہی نہیں۔

اور میت کا یہ کہنا کہ فلاں وارث کو میرا مال نہ ملے محض بیکار ہے۔ کیونکہ ترکے کا وارث قرار دینا، بحکم شرع ہے کہ کسی کے باطل کرنے سے اس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ خود وارث کو اختیار نہیں کہ حق وراثت سے دستبردار ہو جائے۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ

اگر مرنے والے نے اپنے مال اور نابالغ بچوں کی حفاظت و دیکھ بھال کے لئے کسی کو

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 332

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مقرر نہیں کیا، تو لوگوں کی عادت و رسم و رواج کو بنیاد بناتے ہوئے، بڑا بھائی وصی (یعنی ان امور کی دیکھ بھال کے لیے مقرر شدہ) قرار پائے گا اور اس کے لئے اس مال میں کچھ شرائط کے ساتھ تصرف کرنا جائز ہوگا۔

پوچھا گیا:

زید نے جائیداد اور چند اولاد نابالغ اور ایک جوان بیٹا، جو لائق و نیک اطوار ہے، چھوڑا۔ اس نے والد کے بعد اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو مثل اپنے بچوں کے پرورش کیا، ان کے مال کی نگہداشت اور ان کی فکر میں جان و دل کے ساتھ مصروف رہا۔ مگر زید نے اپنے بچوں یا ان کے مال کی نسبت، کسی کو وصیت نہیں کی تھی، اس صورت میں ہمارے یہاں شہروں میں بڑا بیٹا، ان نابالغوں کے اموال میں دیانت و امانت کے ساتھ تصرفاتِ جائزہ و شرعیہ کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ اور وہ ایسا شخص متصور ہوگا کہ جس کے بارے میں وصیت کر دی گئی ہو کہ بعد میں وہ دیکھ بھال کرے گا اور مالی معاملات میں خود مختار ہوگا؟ اگر نہیں، تو ان اولاد و جائیداد کا اختیار کسے دیا جائے گا؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

ہمارے اطراف میں جبکہ یتیموں پر نہ باپ یا دادا کی جانب سے وصی (یعنی دیکھ بھال کرنے والا کوئی شخص) مقرر ہو، نہ حقیقی دادا، تو اُن کا حقیقی جوان بھائی، اگر لائق و امین ہو، تو (دادا یا وصی کی) مثل سمجھا جائے گا اور امانت و دیانت اور بچوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ، جن تصرفات کا شرعاً وصی کو اختیار ہوتا ہے، اسے بھی ہوگا، اگرچہ زبان سے ذکر کے ساتھ باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو، کیونکہ یہاں لوگوں کی عادت و رسم و رواج کے اعتبار سے، غیر واضح طور پر وصی بنانا ثابت ہے۔ ہمارے اطراف کے شہروں میں عموماً یہی عادت جاری ہے کہ باپ کے بعد جوان بیٹے، اموال و جائیداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں۔ لوگ اگر نابالغ بچوں کے ساتھ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہیں، تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کی خبر گیری کرنے والا موجود ہے، جب کہ صرف نابالغ ہی بچے ہوں، تو محزون و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کرے گا۔ لوگوں کی یہ جاری عادت، غیر واضح طور پر مال میں تصرف کی اجازت ہے۔ (والثابت عرفا کالثابت شرعا) ''جو لوگوں کی عادت و رسم و رواج کے اعتبار سے ثابت ہو، وہ ایسا ہی ہے جیسے شرع کے اعتبار سے ثابت ہو۔''

فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے:

(لوان رجلا من اهل السكة تصرف فى مال الميت من البيع و الشراء ولم يكن له وارث ولا وصى الا ان هذا الرجل يعلم انه لورفع الامرالى القاضى فان القاضى ينصبه وصيا فاخذ هذا الرجل المال ولم يرفع الامرالى القاضى وافسده حكى عن ابى نصرالدبوسى رحمه الله تعالىٰ انه كان يجوزتصرف هذا الرجل)

''یعنی گلی والوں میں سے کوئی شخص میت کے مال میں تصرف کرتا ہے، جبکہ اس میت کا کوئی وارث اور وصی نہیں، مگر یہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے، تو قاضی اس شخص کو میت کا وصی مقرر کردے گا، چنانچہ اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور معاملہ قاضی کے پاس نہ لے گیا اور مال کو خرچ کردیا، ابو نصر دبوسی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا تصرف کرنا جائز تھا۔''

(الفن الثانی، کتاب الوصایا، جلد4، صفحہ: 854)

میں کہتا ہوں کہ وصی نہ ہونے کے باوجود، اس شخص کے، مال غیر میں تصرف کا جائز ہونا، اس بنیاد پر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے، تو وہ اسی کو متولی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مقرر کردے گا، چنانچہ یہ محض قاضی کے پاس اجازت کے اختیار پر بھروسہ کرتے ہوئے ہے، باوجودیکہ وہاں اجازت کا ملنا، یقینی طور پر ثابت نہیں، تو پھر خود مورث کی اجازت پر بھروسا کرنا، جو کہ عرف وعادت کی دلالت کی بناء پر واقع وثابت ہے، اولیٰ اور زیادہ لائق ہے۔

اور بلاشبہ قطعاً اس بات کا علم حاصل ہے کہ جو لوگ مال اور چھوٹی بڑی اولاد رکھتے ہیں، اپنے اطراف میں لوگوں کی عام طور پر حالت دیکھ کر خوب سمجھتے ہیں کہ یوں ہی ہمارے بعد بھی بڑا بیٹا، جائیداد کی دیکھ بھال اور پرورش اولاد میں ہمارا قائم مقام ہوگا، بلکہ اس امر کی آرزو وتمنا رکھتے ہیں اور یقیناً اس پر راضی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر ان سے کہا جائے کہ تمہارے بعد تمہاری جائیداد اور چھوٹے چھوٹے بچے ان کے سگے اور مہربان یعنی تمہارے بیٹے سے چھین کر ایک اجنبی کو سپرد کر دیئے جائیں، جسے نہ مال کا درد ہو، نہ بچوں پر ترس، تو ہرگز ہرگز اس امر کو قبول نہ کریں گے۔

تو خلاصہ کلام یہ کہ لوگوں کی عادت ورسم کی بناء پر، غیر واضح طور پر اجازت اور دیکھ بھال کے معاملے کی سپردگی ثابت ہے۔

اور بیشک اگر نظر فقہی سے کام لیجئے، تو اس مشہور ومعروف طریقے سے کسی کو وصی قرار دینے کا اعتبار کرنے کی شدید ضرورت ہے، جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اگر اس کو باطل قرار دیا جائے، تو مقاصدِ شرع کی بالکل مخالفت، بلکہ مقصود ومراد کا بالکل الٹ معاملہ ہوگا۔

غمز العیون والبصائر میں ہے:

(روی ان جماعة من اصحاب محمد بن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجوا فمات واحد فاخذوا ماکان معه فباعوه فلما وصلوا الی محمد سألهم فذکروا له ذٰلك

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فقال لولم تفعلوا ذٰلك لم تكونوا فقهاء وقرأ والله يعلم المفسد من المصلح)

''یعنی مروی ہے کہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے حج کیا۔ ان میں سے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا، تو انہوں نے اس کے پاس موجود اس کا مال ومتاع، فروخت کر دیا۔ جب وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے، تو امام صاحب نے ان سے پوچھا، انہوں نے یہ واقعہ آپ کو بتایا، جس پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرتے، تو تم فقہاء نہ ہوتے۔ اور پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی، اور اللہ عزوجل فساد کرنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے۔''

(الفن الثانی، کتاب الغصب، جلد2، صفحہ: 99)

میں کہتا ہوں، جب راستے میں قاضی کی طرف رجوع میسر نہ ہونے کی صورت میں ایک ہمسفر کو مال میں تصرف کی اجازت ہے، تو بھائی، جو کہ لوگوں کی عادت ورسم ورواج کی بناء پر دلالۃً اجازت یافتہ ہے اور قاضی شرع بھی بالکل نہیں پائے جاتے، تو اس کو تو بطریق اولیٰ تصرف کی اجازت ہوگی۔

فتاویٰ کبریٰ، پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(اذا تصرف واحد من اهل السكة فى مال اليتيم من البيع والشراء ولا وصى للميت وهويعلم ان الامرلورفع الى القاضى حتى ينصب وصياوانه ياخذ المال ويفسده افتى القاضى الدبوسى بان تصرفه جائز للضرورة قال قاضى خان وهذا استحسان وبه يفتى)

''یعنی گلی والوں میں سے کسی نے یتیم کے مال میں خرید وفروخت وغیرہ کا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تصرف کیا، جبکہ میت کا کوئی وصی نہیں اور وہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے، تو وہ اسے ہی متولی مقرر کردے گا، تو وہ اس کا مال لے اور خرچ کرے۔ قاضی دبوسی نے فتویٰ دیا ہے کہ بوجہ ضرورت اس شخص کا تصرف کرنا جائز ہے۔ اور قاضی خان نے فرمایا: یہ استحسان ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔"

(فتاویٰ عالمگیری۔کتاب الوصایا۔الباب التاسع۔جلد6۔صفحہ 155)

فصول عمادی، پھر جامع الرموز، پھر درمختار میں ہے:

(لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیه الفتوی)

"یعنی (مال کی ہلاکت کے) غلبۂ خوف کے وقت، غیر وصی کے لئے تصرف کرنا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔"

(درمختار، الفن الثانی، کتاب الوصایا، باب الوصی، جلد2، صفحہ:338)

درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

(انما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارة الی جواز تصرف غیره کما اذا خاف من القاضی علی ماله ای مال الصغیر فانه یجوز لواحد من اهل السکة ان یتصرف فیه ضرورة استحسانا وعلیه الفتوی)

"یعنی تصرف کو وصی میں منحصر نہ کرنے میں اشارہ ہے کہ وصی کے غیر کا تصرف بھی جائز ہے، جیسے قاضی کی طرف سے نابالغ یتیم کے مال پر (ہلاکت کا) خوف ہو، تو گلی والوں میں سے کسی کو اس کے مال میں بوجہ ضرورت تصرف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کرنا، بطور استحسان جائز ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بڑا بھائی، والد کے انتقال کے بعد، چھوٹے بہن بھائیوں پر جو کچھ خرچ کرتا ہے، بعض صورتوں میں کل مال متروکہ میں سے اسے وصول کرسکتا ہے اور بعض میں نہیں۔

پوچھا گیا:

زید ایک زوجہ، ایک بالغ لڑکا، ایک بالغ لڑکی اور دو نابالغ لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوا۔ نابالغ بہنیں، جوان بھائی کی پرورش میں رہیں۔ بالغ ہوئیں، تو بھائی نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کردیں۔ یہ تمام خرچہ مال متروکہ، جو سب میں مشترک تھا، سے کیا گیا۔ بالغ لڑکی کی شادی زید نے خود اپنی زندگی میں کردی تھی، چنانچہ اس کی پرورش یا شادی کا خرچہ، بھائی نے نہ کیا۔ کیا اس صورت میں بھائی، ان بہنوں کے ترکے کے حصے میں سے پرورش اور شادی بیاہ کا خرچ کم کرسکتا ہے؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

یہاں تین چیزیں ہیں:

① پرورش کا خرچ۔ ② شادی کے جہیز کے علاوہ دیگر اخراجات، جیسے برات کا کھانا، خدمت کرنے والوں کا انعام، سمدھیانے کے جوڑے، دولہا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیہ وغیرہ ذٰلک۔ ③ دلہن کا جہیز۔

اللہ عزوجل کی توفیق کے سبب، ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم یہ ہے۔

---

① ردالمحتار، الفن الثانی، کتاب الوصایا، باب الوصی، جلد 5، صفحہ: 456 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 333)

خرچ پرورش

بیشک بحکم دیانت، وصی (یعنی پرورش و مالی خرچ کے لئے مقرر شدہ شخص) کے نہ ہونے کی صورت میں، بالغ وارثوں کا، چھوٹے نابالغ وارثوں کی پرورش کرنا، ان کے لئے کھانے، پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بغیر کسی فضول خرچی کے استعمال کرنا، شرعاً جائز ہے۔ جب کہ وہ بچے ان کے پاس ہوں، اگرچہ انہیں، ان بچوں کے وصی یا مالی نگہبان ہونے کا اختیار حاصل نہ ہو۔

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

(جاز شراء مالا بد للصغير منه (كالنفقة والكسوة واستئجار الظئر) وبيعه اى بيع مالابد للصغير منه لاخ وعم وام وملتقط هوفى حجرهم اى فى كنفهم والالا)

"یعنی نابالغ کے لئے ضروری چیزیں خریدنا (جیسے نفقہ، لباس اور دودھ پلانے والی کو اجرت پر حاصل کرنا) جائز ہے۔ اسی طرح نابالغ کی خاطر ضروری اشیاء فروخت کرنا بھائی، چچا، ماں اور اس بچے کو کہیں سے اٹھانے والے کے لئے جائز ہے، بشرطیکہ وہ نابالغ ان کی زیر پرورش اور زیر نگرانی ہو، ورنہ نہیں۔"

(درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، جلد2، صفحہ: 246)

علامہ شامی، کتاب درمختار میں موجود قول:

(لايجوز التصرف فى مال غيره بلا اذنه ولا ولايته الا فى مسائل)

"یعنی غیر کے مال میں اس کی اجازت وولایت کے بغیر تصرف کرنا سوائے

چند مسائل کے ناجائز ہے۔"(کتاب الغصب۔جلد2۔صفحہ 207)
کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

(کذا لو انفق بعض اهل المحلة علی مسجد لا متولی له من غلته لحصیر و نحوه او انفق الورثة الکبار علی الصغار ولا وصی لهم فلا ضمان فی کل دیانة)

"یعنی اسی طرح بعض اہل محلّہ کا ایسی مسجد کے فنڈ میں سے اس کی چٹائیوں وغیرہ پر خرچ کرنا کہ جس کا کوئی متولی نہیں یا بالغ وارثوں کا ایسے چھوٹے نابالغ وارثوں پر خرچ کرنا، جس کا کوئی وصی نہیں (جائز ہے)، ان سب پر دیانۃً (اس مال کو خرچ کرنے کی بناء پر) کوئی تاوان لازم نہیں۔"

(ردالمحتار، کتاب الغصب، جلد2، صفحہ: 207)

پس جو کچھ اس بڑے بھائی نے ان بچیوں کی پرورش میں خرچ کیا، اگر اس کے سلسلے میں اتنے خرچے کا ہی مطالبہ کرسکتا ہے، جو مثلی (یعنی جو عموماً وہاں کے اطراف میں بچوں پر خرچ کیا جاتا ہے) ہو، تو بیشک دیانۃً ترکے میں سے اتنا حصہ پائے گا۔

اور مثلی نفقہ کے یہ معنی ہیں کہ اتنی مدت میں، ایسے بچوں پر، اتنا مال رکھنے والے، جو مال درمیانے طریقے سے یعنی بغیر تنگی اور فضول خرچی کے خرچ کرتے ہیں، بڑا بھائی اُتنا ہی خرچہ وصول کرسکے گا۔

عالمگیری میں ہے:

(نفقة المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط)

"یعنی مثلی نفقہ وہ ہے، جو فضول خرچی اور ضرورت سے کمی کرنے کے درمیان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہو۔محیط میں یونہی ہے۔"(كتاب الوصايا، الباب التاسع، جلد 6، صفحه: 155)

اوراس مثلی نفقے کے حصول کی اجازت اس لئے ہے کہ اسے، اس مسئلے میں شریعت کی طرف سے اجازت دی گئی تھی۔ لہٰذا وہ ضامن نہیں، بلکہ امین ہوگا۔اس کا (خرچے وغیرہ کے سلسلے میں) قول قبول ہوگا، جب تک وہ کسی ایسی بات کا دعویٰ نہ کرے کہ جسے وہاں کے ظاہری حالات جھٹلاتے ہوں (مثلاً: مثلی نفقے سے زیادہ کا مطالبہ کرنا)۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدرمختار میں بحوالہ فصول ہے:

(ورثة صغار وكبار وفى التركة دين وعقار فهلك بعض المال وانفق الكبار البعض على انفسهم وعلى الصغار فماهلك فهو على كلهم وما انفقه الكبار ضمنوا حصة الصغار ان كانوا انفقوا بغير امر القاضي اوالوصي وما انفقوه بامر احدهما حسب لهم الى نفقة مثلهم)

"یعنی کسی کے ورثاء چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی، نیز ترکے میں دَین اور جائیداد ہے، پھر کچھ مال ہلاک ہوگیا اور کچھ، بڑوں نے اپنے آپ پر اور چھوٹوں پر خرچ کیا۔ جو ہلاک ہوا وہ تو سب پر ہے اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا، اگر وہ قاضی یا وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا، تو وہ چھوٹوں کے حصے کے ضامن ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا، تو ان کے لئے مثلی نفقہ میں شمار کرلیا جائے گا۔"(الفن الثاني، كتاب الوصايا، جلد4، صفحه: 345)

معلوم ہوا کہ چھوٹوں کے حصے کا ضامن ہونا، یقیناً اسی صورت میں ہے کہ جب وصی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

موجود ہو اور جو کچھ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، وہ وصی کے موجود نہ ہونے کی صورت میں ہے، لہٰذا وہاں بالغ شخص ضامن بھی نہ ہوگا۔

پس ہمارے اس زیرِ بحث مسئلے میں شریعت کی طرف سے اذن پایا گیا ہے، اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے نہیں پایا گیا، کیونکہ وہ دونوں یہاں بالکل مفقود ہیں۔ نیز ہمارے شہروں میں ہمارے اس زمانے میں بڑا بیٹا نابالغ اولاد پر باپ کے وصی کے قائم مقام ہوتا ہے، باوجودیکہ اس کے وصی ہونے کو واضح طور پر بیان نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کے لئے اجازت اور معاملات کی سپردگی پر، لوگوں کی عادت و رسم و رواج بطورِ دلالت موجود ہوتے ہیں۔

مصارف شادی

سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں چھوٹی لڑکیاں، شادی کے وقت جوان تھیں اور سائل نے پوچھنے پر بذریعہ تحریر اظہار کیا کہ شادی کے دیگر اخراجات اور جہیز سب، بڑے بھائی نے محض اپنی رائے سے کئے۔ والدہ کا انتقال ان بچیوں کی شادی سے پہلے ہو چکا تھا اور بہنیں، اپنی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہوئیں، نہ ان سے شادی کے اخراجات کے بارے میں کوئی سوال کیا گیا، نہ ان کی جانب سے کوئی اجازت تھی، نہ بچیوں کے سامنے اس بات کی وضاحت کی گئی کہ ہم یہ خرچہ تمہارے حصہ سے کر رہے ہیں یا یہ جہیز تمہارے ترکے کے حصے کے طور پر دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں شادی کے خرچے، کنواریوں سے پوچھ کر نہیں ہوتے، نہ ان سے اس سلسلے میں کوئی اجازت لی جاتی ہے۔ پس اگر سائل کا بیان صحیح ہے، تو جو کچھ جہیز کے علاوہ، اضافی خرچے ہوئے، وہ دلہن کے حصے میں سے نہیں لئے جاسکتے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ردالمحتار میں عنایہ کے حوالے سے ہے:

(انهم (يعنى الورثة الكبار) اذا كانوا حضور اليس للوصى التصرف فى التركة اصلا الا اذا كان على الميت دين)

''یعنی جب بڑے ورثاء حاضر ہوں، تو وصی کو ترکے میں تصرف کا بالکل اختیار نہیں، مگر جب کہ میت پر قرض ہو'' (الفن الثانی، کتاب الوصایا، جلد 5، صفحہ: 454)

اس مسئلے میں اگرچہ بڑا بھائی وصی نہیں تھا، لیکن اسے عرف کی دلالت کی بناء پر اختیار حاصل ہوگیا تھا، جو بہنوں کے بالغ ہونے کے بعد پھر ختم ہوگیا تھا۔ چنانچہ ان مصارف میں جو کچھ بکر نے خرچ کیا، بہنوں کے ساتھ صرف احسان کی ایک صورت قرار دیا جائے گا، لہٰذا ترکے میں سے اتنا مال وصول نہیں کرسکتا، بلکہ سب صرف اسی کے حصے کا مانا جائے گا۔ دوسرے ورثہ، جنہوں نے نہ خود خرچ کیا، نہ اس کی واضح اجازت دی، بری رہیں گے، اگرچہ انہوں نے یہ خرچہ ہوتے دیکھا اور خاموش رہے ہوں۔ کیونکہ صرف کسی کے خاموش رہنے کو، اس کی جانب سے بولنا یا اجازت دینا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

اشباہ میں ہے:

(لورأى غيره يتلف ماله فسكت لايكون اذنابا تلافه)

''یعنی اگر کسی نے دیکھا کہ کوئی غیر اس کا مال ضائع کر رہا ہے اور یہ چپ رہا، تو یہ (اس کی جانب سے) مال ضائع کرنے کی اجازت شمار نہ ہوگی۔''

(الفن الاول، القاعدة الثانية عشر، جلد 1، صفحه: 185)

خصوصاً اگر اُن میں اس وقت کوئی نابالغ ہو کہ نابالغ کی تو اجازت بھی معتبر نہیں۔ کیونکہ وہ ابھی کسی پر احسان ونفلی صدقہ کرنے کا اہل نہیں، اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ

kutubistan.blogspot.com

اس کے مال میں یہ امور کرے۔

بزازیہ و بحر الرائق ورد المحتار و تنویر الابصار و سراج وہاج وغیرہ میں ہے:

(الھبة والقرض وما کان اتلافا للمال او تملیکا من غیر عوض فانه لایجوز ما لم یصرح به نصا)

"یعنی تحفہ، قرض اور جس صورت میں مال کو ضائع کرنا یا بغیر عوض کے مالک بنانا پایا جائے، جائز نہیں، جب تک صراحۃً (زبان یا تحریر) سے اس کی اجازت نہ دی گئی ہو۔"

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

(التجهيز لا يدخل فيه الجمع والموائد فالفاعل لذٰلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه ويكون متبرعاً وكذا ان كان اجنبيا)

"یعنی لوگوں کا اجتماع اور ان کے کھانے کا اہتمام، شادی کی تیاری میں داخل نہیں، ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہو، تو وہ خرچ کرنا، خود اس کے اپنے حصے سے شمار کیا جائے گا اور وہ اس خرچ میں احسان کرنے والا مانا جائے گا اور ایک اجنبی کی مثل ہی ہوگا۔" (الفن الثانی، کتاب الفرائض، جلد 4، صفحہ: 367)

دلہن کا جہیز

اگر یہ بڑے بھائی نے بعد میں ترکے سے کاٹ لینے کی نیت سے دیا تھا، تو یہ نیت دو صورتوں میں مؤثر ہو سکتی تھی:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

① اگر پہلے ہی بہن سے صراحۃً طے ہو جاتا کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصے کے معاوضہ میں دیتا ہوں اور اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا۔

② جتنا بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکنے والا سامان تھا، تمام ورثاء کی رضامندی سے، اس کی ہر جنس جدا جدا کر کے، ہر چیز سے جس قدر دلہن کا حصہ بنتا ہے نکال کر، ایک ذرہ کی بھی کمی بیشی کئے بغیر جدا کر لیا گیا ہوتا اور پھر وہی اس کے جہیز میں دیا ہوتا۔

لیکن یہاں ایسا کچھ نہ ہوا، پس بڑے بھائی نے جہیز دیتے وقت اپنے دل میں سوچ لیا کہ ہم بعد میں اس کا حساب کرلیں گے اور صرف یک طرفہ اتنا سمجھ لینا، کوئی عقد شرعی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ عقد تو ربط کا نام ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

نیز اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ لڑکی اپنے حصے کے بارے میں صلح کرلے اور معاف کر دے۔ کیونکہ مذکورہ صورت میں جہیز کا حساب کرتے وقت لڑکی کے حصے کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن ہے، بلکہ غالب گمان یہی ہے کہ بعد میں اختلاف واقع ہوگا۔ اور صلح کا مقصود تو یہی ہے کہ جھگڑا ختم ہو اور یہاں اس کا ختم ہونا ممکن نہیں، چنانچہ صلح بھی مؤثر نہ ہوگی۔

درمختار میں ہے:

(الصلح شرعا عقد يرفع النزاع ويقطع الخصومة)

''یعنی صلح، شرع میں ایسے معاملے کو کہتے ہیں، جو جھگڑے کو رفع کرے اور خصومت کو ختم کرے۔'' (کتاب الصلح، جلد2، صفحہ: 141)

نہایہ میں ہے:

(جهالة تفضى الى المنازعة تمنع جواز الصلح)

''یعنی ایسی جہالت جو جھگڑے کا باعث ہو، وہ جوازِ صلح سے رکاوٹ ہے۔''

(فتاویٰ عالمگیری بحوالہ نہایہ، کتاب الصلح، الباب الاول، جلد4، صفحہ: 231)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور اگر بیچ کا معاملہ دیکھیں، تو اسے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اگر وہ واضح ایجاب وقبول کے ساتھ ہوتی، مثلاً: بڑا بھائی کہتا، میں نے یہ جہیز، ترکے کی ان اشیاء کے بدلے بیچا، جو تیرے حصے میں آئیں اور لڑکی ہاں کہہ دیتی، تب بھی فاسد ہوتی، کیونکہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی، نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء دلہن کے حصے میں آئیں گی، بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا، صرف بکر نے ایک معاملہ طے کرنے کی نیت سے جہیز سپرد کیا اور یہ بھی خبر نہیں کہ اس وقت لڑکی کے قلب میں کیا نیت تھی، تو کیونکر اسے ایک عقد شرعی قرار دیا جا سکتا ہے؟

اب معرفتِ مالک درکار ہے، جو چیزیں عین متروکہ تھیں، مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہ کہ مورثوں نے چھوڑے اور بعینہ جہیز میں دئے گئے، وہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں، اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کر دیں، وہ سب مطلقاً ملک بکر کی تھیں اور اب بھی خاص اسی کی ملک پر باقی رہیں گی، اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں۔ ہاں مال مشترک سے خریدنے کی بناء پر بڑا بھائی، باقی ورثہ کے حصوں کا ذمہ دار ہوگا۔

پھر دوسری قسم یعنی بڑے بھائی کی ملک والے سامان پر دلہن کا قبضہ، امانت متصور ہوگا، کیونکہ یہ مالک کے مسلط کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

پس جس جس چیز کو دلہن نے خود ہلاک نہ کیا، بلکہ بغیر اس کے فعل کے مثلاً: چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی، تو اس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا، ہاں جو چیزیں اس کے فعل اور زیادتی کی بناء پر ہلاک ہوئیں، ان کی قیمت، بڑے بھائی کے لئے دلہن کے ذمے واجب ہوگی، کیونکہ امین جب امانت میں زیادتی کرے، تو وہ ضامن ہوتا ہے اور جو باقی ہو، وہ بعینہ بکر کو واپس دے۔

اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا، اس پر دلہن کا ہاتھ، دستِ ضمان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہو جائے، مطلقاً تاوان آئے گا۔

یہ حکم اس لئے ہے کہ بڑے بھائی نے شرکاء کے حصوں میں زیادتی کرتے ہوئے مال مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر اس کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کو پہنے، استعمال کرے اور تصرف میں مستقل ہو جائے اور ہر قبضہ، جس کی بنیاد دستِ ضمان پر ہو، وہ دستِ ضمان ہوتا ہے۔

پس باقی ورثاء جنہوں نے اجازت نہ دی تھی، اس بات کا اختیار رکھیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا، اس میں سے اپنے حصوں کا تاوان چاہے بڑے بھائی سے لیں، کیونکہ وہ غاصب ہے۔ اور چاہے دلہن سے، کیونکہ وہ غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

(الیـد المترتبة علی ید الضمان یدضمان فلرب البهیمة ان یضمن من شاء)

"یعنی جس قبضے کی بنیاد، دستِ ضمان پر ہو، وہ دستِ ضمان ہوتا ہے، لہٰذا چار پائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے ضامن ٹھہرائے۔"

(کتاب الهبة، جلد2، صفحه: 112)

اور وہ ورثاء، بڑے بھائی یا دلہن، جس سے بھی ضمان لیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے اس تاوان کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

بڑا بھائی اس لئے نہیں کہ وہ غاصب ہے اور دلہن نے اس کے مسلط کرنے سے مال پر قبضہ کیا تھا اور دلہن اس لئے نہیں کہ اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے، بڑے بھائی کے لئے نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(وهب الغاصب المغصوب اوتصدق اواعار وهلك في ايديهم وضمنوا للمالك لايرجعون بماضمنو اللمالك على الغاصب لانهم كانوا عاملين في القبض لانفسهم بخلاف المرتهن والمستاجر والمودع فانهم يرجعون بما ضمنوا على الغاصب لانهم عملوا له)

"یعنی غاصب نے مغصوب چیز کسی کو ہبہ کر دی یا صدقہ کر دی یا عاریت پر دے دی اور وہ چیز ان لوگوں کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی اور وہ (تحفۃً یا عاریۃً وصدقۃً چیز لینے والے) اصل مالک کے ضامن ہوگئے (یعنی اصل مالک نے ان سے تاوان وصول کرلیا)، تو اب یہ لوگ (تحفہ دینے والے) غاصب سے اس مال کا مطالبہ نہیں کر سکتے، جو بطورِ تاوان انہوں نے مالک کو دیا، کیونکہ وہ مغصوبہ شے میں اپنے لئے عمل کرنے والے ہیں (نہ کہ غاصب کے لئے)، بخلاف مرتہن (رہن رکھنے والے)، مستاجر (جسے اجرت پر رکھا گیا) اور اس شخص کے کہ جس کے پاس غاصب نے مغصوب چیز ودیعت رکھی کہ یہ لوگ اگر بصورتِ ہلاکتِ مال، مالک کو تاوان ادا کریں، تو اس کے لئے غاصب سے مطالبہ کر سکتے ہیں، کیونکہ انہوں نے غاصب کے لئے عمل کیا۔"

(كتاب الغصب، جلد5، صفحه: 126)

اور جو مال ابھی تک باقی ہوں، وہ دلہن سے واپس لے کر اللہ عزوجل کی جانب سے بیان کردہ تقسیم کے مطابق، ورثاء کو دے دیے جائیں۔

یہ سب احکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطورِ تحفہ نہ دیا ہو، بلکہ اس نیت سے دیا ہو کہ بعد میں دلہن کے مال سے وصول کرلوں گا۔ اور بیشک اس معاملے میں کہ اس نے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تحفے کی نیت کی تھی یا بعد میں دلہن کے حصے میں سے وصول کرنے کی، قسم کے ساتھ اسی بڑے بھائی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ دینے والا ہے، لہٰذا وہ اپنی دینے کی نیت کو زیادہ بہتر جانتا ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاویٰ خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے۔

میں عرض گزار ہوں کہ بھائی، جب بہنوں کے لئے جہیز بنائیں، جبکہ وہ بہنیں مال دار ہوں اور بھائیوں کے قبضے میں موجود ترکے میں شریک ہوں، تو ایسا کوئی عرف ہمارے شہروں میں جاری وساری نہیں، جو اس کو تحفہ قرار دے، بخلاف ماں باپ کے، تو واجب کے باقی رہتے ہوئے اس کا احسان کا ارادہ رکھنا کیسے ظاہر ہوگا؟ بلکہ یہاں ظاہر یہ ہی ہے کہ بھائی، اس مال کو بہنوں کے حصوں میں سے شمار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔

اسی طرح اگر بڑے بھائی نے دل میں تحفے کی نیت کی، مگر دلہن نے تحفہ سمجھ کر قبضہ نہ کیا، بلکہ مثلاً اپنے حصے کا معاوضہ یا حصے میں سے کٹوتی سمجھ کر لیا، تو بھی بعینہ یہی احکام ہوں گے، کیونکہ اس صورت میں دلہن کی طرف سے قبول ہبہ نہ پایا گیا، کیونکہ قبول، علم کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ جب اس خاتون نے اس کو ہبہ سمجھا ہی نہیں، تو اس کا ہبہ کو قبول کرنا کیسے متصور ہوگا؟

بحر الرائق میں ہے:

(وکذا بقوله اذنت الناس جمیعا فی ثمر نخلی من اخذ شیئا فهوله فبلغ الناس من اخذ شیئا یملکه کذا فی المنتقی وظاهره ان من اخذه ولم یبلغه مقالة الواهب لایکون له کمالایخفی)

''یعنی اور اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھل کے بارے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں تمام لوگوں کو اجازت دے دی ہے، پھر لوگوں کو یہ خبر پہنچ گئی، تو جس نے جو کچھ لے لیا ہے، وہ اسی کا ہے ایسا ہی منتقی میں ہے، اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس شخص تک واہب کی یہ بات نہیں پہنچی، اس نے جو کچھ لیا، وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔" (كتاب الهبة، جلد7، صفحه: 284)

میں عرض گزار ہوں کہ اسی کی مثل خلاصہ کے حوالے سے فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

(رجل سيّب دابته فاصلحها انسان ثم جاء صاحبها واراد اخذها واقر وقال قلت حين خليت سبيلها من اخذ فهي له اوانكر فاقيمت عليه البينة اواستحلف فنكل فهي للآخذ سواء كان حاضرا سمع هذه المقالة اوغاب فبلغه الخبر)

"یعنی ایک شخص نے اپنے چارپائے کو چھوڑ دیا اور کسی انسان نے اس کو پکڑ کر سنبھال لیا، پھر اس چارپائے کا مالک آیا اور اسے واپس لینے کا ارادہ کیا، اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت کہا تھا کہ جو اس کو پکڑ لے، یہ اسی کا ہے یا اس نے انکار کیا، مگر اس بات پر گواہ قائم کر دیئے گئے یا اس سے قسم طلب کی گئی اور اس نے انکار کر دیا۔ ان تمام صورتوں میں وہ چوپایہ، پکڑنے والے کا ہوگا، چاہے وہ خود حاضر تھا اور اس نے مالک کی یہ بات سنی تھی یا غائب تھا اور اس تک اس کی خبر پہنچی تھی۔" (كتاب الهبة، جلد4، صفحه: 382)

تو اس صورت میں بھی وہ تمام اشیاء، حسبِ سابق اصل مالک کی ملک پر باقی رہیں گی، چاہے وہ اصل مالک بڑا بھائی ہو یا سب شرکاء اور گزشتہ بیان کردہ تمام احکامِ سابقہ، عود کریں گے۔

ہاں اگر بکر کا تحفہ دینے کا ارادہ قولی یا عملی طور پر یا کسی اور علامت کے ذریعے ظاہر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہوگیا، جس کے سبب دُلہن نے اُسے تحفہ ہی سمجھ کر قبضے میں لیا، تو ضرورا یجاب وقبول، دونوں ثابت ہوگئے، کیونکہ بطور ہبہ قبضہ کرنا، قبول ہے۔

ولوالوجیہ میں ہے:

(القبض فی باب الهبة جارمجری الرکن فصار کالقبول)

''یعنی ہبہ کے باب میں قبضہ کرنا رکن کے قائم مقام ہے، لہٰذا یہ قبول کی مثل ہوگیا۔''(ردالمحتار بحواله ولوالجیه، کتاب الهبة، جلد4، صفحه:508)

پس جو اشیاء بڑے بھائی نے خرید کر جہیز میں دیں، اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں، دلہن ان کی مستقل مالک ہوگئی اور بھائی پر، اس مال مشترک اوران ورثہ کے حصوں کا تاوان لازم آیا، جن کی اجازت کے بغیر یہ بیع واقع ہوئی، یہاں تک کہ خود اس دلہن کے حصے کا بھی تاوان لازم ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ دلہن تک اس کے حصے کا بدلہ پہنچ گیا، لیکن اس خرید وفروخت کا نافذ ہونا، بڑے بھائی کی طرف سے ہوا، چنانچہ اسی کے لئے ملک ثابت ہوگی اور (دوسروں کے مال سے بیع کرنے کی بناء پر اسی کے اوپر) مکمل تاوان لازم ہوگیا اور اس بیع کے بعد مال کا دلہن کو دینا، اس کے اپنے مال سے واقع ہوا، لہٰذا صرف اس دے دینے سے دلہن کے حصے کا تاوان معاف نہ ہوسکے گا۔

اور جو کچھ تحفے، بعینہ ترکے کے مال سے دیئے گئے، وہ باقی ورثہ کی طرف سے بالکل شمار نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے واضح طور پر اجازت ہے اور نہ ہی اس اجازت پر کوئی علامت ونشانی ثابت ہے۔ تو اُن کے حصے تو ہر حال میں دلہن کے قبضے میں اس طرح رہیں گے اگر ہلاک ہوجائیں، تو تاوان لازم ہوگا اور اس تاوان کا وہی حکم ہے کہ انہیں اختیار ہے، چاہیں بڑے بھائی سے وصول کریں یا دلہن سے اوران (بڑے بھائی اور دلہن) میں سے کوئی بھی تاوان ادا کرکے، دوسرے فریق سے وصول نہیں کرسکتا، جیسا کہ بزازیہ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رہا بڑے بھائی کا اپنا حصہ، تو جہیز میں جو مال قابل تقسیم تھا یعنی اگر اس کے حصے کیے جائیں اور ہر جزو سے وہی فائدہ حاصل ہو سکے، جو قبل از تقسیم ملتا تھا، جب تو بکر کے حصے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہوا، کیونکہ یہ قابل تقسیم چیز میں، تقسیم سے قبل، ہبہ ہے۔ اس صورت میں جہیز کا یہ مال، پہلے کی طرح تمام شرکاء میں شریک رہے گا اور جو کچھ دلہن کے پاس کسی بھی طرح ہلاک ہو، اس میں بڑے بھائی کے حصے کا تاوان، خاص دلہن کے ذمے لازم ہوگا۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

لا تصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لا یملکه فیکون مضمونا علیه)

"یعنی ایسی غیر منقسم چیز کا ہبہ صحیح نہیں، جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو۔ اور ظاہر الروایہ (یعنی امام محمد کی مرتب کردہ 6 کتب) کے مطابق، یہ تحفہ دینا (سامنے والے کو) مالک بنانے کا فائدہ نہ دے گا۔ امام زیلعی نے کہا، اگر غیر منقسم حالت میں اس کو سونپ دیا، تو ملک ثابت نہ ہوگی، چنانچہ اس دینے والے پر ضمان آئے گا۔"

(کتاب الهبة، جلد2، صفحه: 112)

اسی طرح اگر مال ناقابل تقسیم ہو، مگر دلہن کو معلوم نہ ہو کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے، جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعدِ ہلاکتِ مال، وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان، دلہن پر آئے گا۔

بحر الرائق میں ہے:

(یشترط فی صحة هبة المشاع الذی لا یحتملها ان یکون قدرا معلوما حتی لو وهب نصیبه من عبد ولم یعلمه

kutubistan.blogspot.com

به لم یجز)

"یعنی نا قابل تقسیم چیز کے، تقسیم سے قبل، تحفۃً دیئے جانے کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو، یہاں تک کہ اگر کوئی غلام میں اپنے حصہ کو ہبہ کردے، حالانکہ اسے اپنا حصہ معلوم نہیں، تو یہ جائز نہیں۔"

(کتاب الهبه، الباب الثانی، جلد7، صفحه: 286)

محیط امام سرخسی میں ہے:

(واذا علم الموهوب له نصیب الواهب ینبغی ان تجوز عندابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ)

"یعنی جب موہوب لہ (یعنی جس کو تحفہ دیا گیا) کو واہب (یعنی تحفہ دینے والے) کے حصہ کا علم ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو جائز ہونا چاہئے۔" (فتاویٰ عالمگیری بحواله محیط امام سرخسی، کتاب الهبه، جلد4، صفحه: 378)

جامع الفصولین میں فتاویٰ امام فضلی سے ہے:

(اذاهلك افتیت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذ الفاسدة مضمونة)

"یعنی اگر (تحفہ) ہلاک ہو جائے، تو میں ذی رحم محرم کو، فاسد تحفہ دینے والے سے تاوان لینے کا فتویٰ دوں گا، کیونکہ ہبۂ فاسدہ کی صورت میں ضمان آتا ہے۔" (الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدة الخ، جلد2، صفحه: 57)

اور اگر دلہن کو معلوم تھا، تو مال کی اتنی مقدار کا تحفہ دیا جانا، صحیح و نافذ و مکمل و لازم ہو گیا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اوران اشیاء میں دلہن، اپنے اور بکر دونوں کے حصوں کی مالک ہوگئی۔

لیکن باقی ورثہ کے حصے بدستور دلہن کے قبضے میں تاوان کے حکم پر ہیں، جن کا حکم بارہا گزرا۔

اور اول سے آخر تک تمام صورتوں میں جو مشترک چیزیں دلہن کے ہاتھ سے ضائع وہلاک ہوئیں، ان میں دلہن اپنے حصے کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اس کا مال اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا اور بڑے بھائی نے اس کے حصے پر کوئی زیادتی نہ کی۔ کیونکہ اس نے، ایسے کے ہاتھ میں دے دیا تھا، جو اس کا مالک ہو گیا۔ چنانچہ جو دلہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوا، تو اسی کا اپنا ہلاک ہوا، جس کی ذمہ داری اسی پر تھی۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

قابل تقسیم شے کا، تقسیم سے پہلے تحفہ دیا جانا جائز نہیں۔ مریض نے تیماردار کی جانب سے اپنی ذات پر خرچے کو قرض قرار دیا ہو، تو خاص شرائط کے ساتھ، تیماردار اس کی موت کے بعد اس کے مال کو بیچ کر یا ورثہ سے وصول کر سکتا ہے۔

پوچھا گیا:

مجید اللہ خاں نے اپنی موروثی جائیداد، بطورِ مہر زوجہ امیر بیگم کو دے دی۔ پھر شوہر کا انتقال ہو گیا۔ مجید اللہ خاں کی ایک لڑکی تھی، امیر بیگم نے اس کی شادی کر دی اور نصف جائیداد اس کے نام کر دی۔ پھر لڑکی کا انتقال ہو گیا، مگر امیر بیگم نے وہ جائیداد واپس نہیں لی، بلکہ ان کا داماد ہی اس پر قابض رہا۔ پھر جس وقت امیر بیگم بیمار تھی، تو اس وقت اس نے اپنے داماد کو وصیت کی کہ میری تیمارداری کرو اور بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو اور جو کچھ

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 339

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تیمارداری میں خرچ ہو، وہ تمام روپیہ، میرے نام باقی نصف جائداد سے وصول کر لینا، ورنہ میں حشر میں دامن گیر ہوں گی اور جو جائداد میں نے اپنی بیٹی کے نام کی تھی، وہ میں تم کو بخوشی بخشتی ہوں، کیونکہ تم نے میری خدمت، بالکل ایک بیٹے کی طرح کی ہے اور کر رہے ہو۔ وصیت کے بعد امیر بیگم کا انتقال ہو گیا۔ داماد نے قرض شمار کرتے ہوئے تجہیز و تکفین کی اور تیمارداری پر بھی خرچ کیا۔ امیر بیگم کے وارث یہ ہیں۔ دو چچازاد بھائی اور شوہر کی دو بہنیں حیات ہیں۔ مذکورہ جائیداد کی تقسیم کیسے ہوگی اور داماد نے جو کچھ خرچ کیا، کس طرح وصول کرے؟

امام ''احمد رضا'' خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

بیان کردہ صورت میں امیر بیگم کا بیٹی کے نام جائیداد کرنا باطل ہے، کیونکہ زمین اس وقت تک تقسیم نہ ہوئی تھی اور غیر منقسم زمین کا ہبہ و تحفہ، محض باطل ہے۔

تتمۃ الفتاویٰ، مشتمل الاحکام اور فتاویٰ خیریہ میں ہے:

(هبة المشاع باطلة وهو الصحيح)

''یعنی غیر منقسم شے کا ہبہ، باطل ہے اور یہی صحیح ہے۔'' (كتاب الهبه، جلد2، صفحه: 113)

اور چونکہ جائیداد نام کرنے کے کاغذات کی بنیاد، ایک باطل معاملے پر ہوئی، لہٰذا وہ خود بھی باطل و بے اثر ہیں۔

اسی طرح امیر بیگم کا بیٹی کی جائیداد کے بارے میں داماد کو کہنا کہ میں نے تجھ کو بخوشی بخشی، تو یہ بھی ہبہ کرنا ہے اور ناقابل تقسیم شے کے ہبہ کرنے کی بناء پر یہ بھی باطل۔

فتاویٰ شامی یعنی ردالمحتار میں امام قاضی خان کے حوالے سے ہے:

(هبة المريض هبة حقيقة وان كانت وصية حكما)

''مریض کا ہبہ، درحقیقت ہبہ ہے، اگرچہ حکماً وصیت ہے۔''

(کتاب الوصایا، باب العتق فی المرض، جلد5، صفحہ: 435)

پس وہ زمین مکمل طور پر امیر بیگم کی ملکیت اور اس کا ترکہ ہے، جس میں ان کی بیٹی کے ورثاء یا خواہران شوہر کا بالکل حق نہیں۔ صرف امیر بیگم کے دونوں چچازاد بھائی، وراثت اور ان کے وارث بننے کی راہ میں کسی قسم کی رکاوٹ کے نہ ہونے کے باعث اس کے مستحق ہیں۔ چنانچہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پوری کرنے کے بعد، آپس میں نصف نصف کرلیں۔

امیر بیگم کے داماد نے جو کچھ اس پر اس کی بیماری و تیمارداری میں خرچ کیا، وہ امیر بیگم پر قرض ہے، چنانچہ ترکۂ امیر بیگم سے لے سکتا ہے۔

کیونکہ جب اس نے مرحومہ کے حکم سے خرچ کیا اور اس نے اس خرچے کے واپس لے لینے کی واضح طور پر اجازت دے دی تھی، تو یہ احسانا خرچ کرنے والا نہ ہوا۔

اسی طرح جو کچھ کفن ودفن میں خرچ کیا، اگر بالکل سنت کے مطابق کفن دینے میں خرچ کیا ہو، تو وہ بھی اس کا قرض ودین ہے، بشرطیکہ امیر بیگم کے حال کے مناسب، عرف وعادت کے لحاظ سے جس قیمت کا کفن دینا چاہئے تھا، اس سے زیادہ قیمت نہ دیا ہو، ورنہ کفن کی قیمت، بالکل نہیں لے سکتا۔

تنویر الابصار و درمختار وردالمحتار میں ہے:

(لوزاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة ای الا اذا اوصی بها وکانت تخرج من الثلث وفی القیٰمة وقع الشراء له لانه متعد فی الزیادة وهی غیر متمیزة فیکون متبرعا بتکفین المیت به رحمتی)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

''یعنی اگر وصی نے باعتبارِ تعداد کے، میت کے مثل کفن میں زیادتی کی، تو زائد کا ضامن ہوگا، یعنی جب اس کو اس زیادتی کی وصیت کی گئی ہو اور وہ ترکے کے ایک تہائی سے پوری ہو سکتی ہو اور اگر باعتبارِ قیمت کے زیادتی کی، تو یہ خریداری وصی کے لئے واقع ہوگی، کیونکہ وہ قیمت کی زیادتی میں حد سے بڑھنے والا ہے اور وہ زیادتی غیر ممتاز ہے، لہٰذا وہ میت کے لئے کفن کی خریداری میں احسان کرنے والا شمار ہوگا (لہٰذا اس کا بدلہ نہ پائے گا)۔'' (درمختار، کتاب الوصایا، باب الوصی، جلد2، صفحہ: 337)

اسی طرح جو کچھ کفن دفن کے سوا فاتحہ، درود و سوم، چہلم، عورتوں کے جمع ہونے اور ان کے پان چھالیہ، کھانے پینے وغیرہ معمولی باتوں میں صرف ہوا، اس کا ایک پیسہ بھی ترکے میں سے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ امیر بیگم کا کہنا کہ ''بعدِ انتقال کے جو کچھ خرچ ہو'' یہ وصیت بھی مہمل و باطل ہے، جس کا بالکل نفاذ نہیں ہوگا۔

علامہ سائحانی، تنویر الابصار وغیرہ کتبِ فقہ میں درج مسئلے (اوصی بان یتخذ الطعام بعد موته للناس ثلثة ایام فالوصیّة باطلة) ''یعنی کسی نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد تین دن لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، تو یہ وصیت باطل ہے۔'' (درمختار، کتاب الوصایا، جلد2، صفحہ: 322) کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(انها وصية للناس وهم لايحصون كما لوقال اوصيت للمسلمين وليس فى اللفظ مايدل على الحاجة فوقعت تمليكا من مجهول فلم تصح)

''یعنی کیونکہ یہ وصیت لوگوں کے لئے ہے، جن کا شمار نہیں ہو سکتا جیسا کہ اگر وہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کہے کہ میں نے مسلمانوں کے لئے وصیت کی ہے، حالانکہ الفاظ میں ایسی کوئی چیز نہیں، جو حاجت پر دلالت کرے، تو یہ غیر معلوم افراد کی ملک کرنا واقع ہوا، لہٰذا صحیح نہیں۔" (ردالمحتار بحوالہ سائحانی، کتاب الوصایا، جلد5، صفحہ: 426)

پھر امیر بیگم کے ذمے میں اس کا جتنا بھی قرضہ ثابت ہوا، اسی کے مطابق زمین کا ٹکڑا بیچ کر اپنا قرض وصول کرسکتا ہے یا امیر بیگم کے وارث، اپنے پاس سے اس کا دین ادا کر کے، زمین اپنے لئے خالص کرلیں۔

ردالمحتار کے باب الوصی میں ہے:

(اذاکان علی المیّت دین اواوصی بوصیة ولم تقض الورثة الدیون ولم ینفذ واالوصیة من مالهم فانه یبیع الترکة کلهاان کان الدین محیطاوبمقدارالدین ان لم یحط وله بیع مازاد علی الدین ایضا عندابی حنیفة خلافا لهما قال فی ادب الاوصیاء وبقولهما یفتی کذا فی الحافظیة والقنیة وسائرالکتب)

"یعنی جب میت پر قرض ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہو اور ورثاء نے اس کا قرض اپنے مال سے ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کی وصیت کو نافذ کیا، تو اگر قرضہ تمام ترکے برابر ہو، تو وصی کل ترکے کو بیچ سکتا ہے، ورنہ جتنا قرضہ ہو، اتنا ترکہ فروخت کرے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرض سے زائد ترکے کو بھی بیچ سکتا ہے، بخلاف صاحبین کے۔ ادب الاوصیاء میں کہا کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جائے گا۔ ایسا ہی حافظیہ، قنیہ اور دیگر کتابوں میں ہے اور اسی کی مثل

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بزازیہ میں ہے۔"[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

بعض صورتوں میں مردوں اور عورتوں، دونوں کو وصیت میں سے برابر حصہ ملے گا۔

پوچھا گیا:

اگر حصوں کے اعتبار سے مال کی مقدار کا ذکر کیے بغیر، کچھ مردوں اور عورتوں کے لئے وصیت کی گئی، تو کیا ان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کے لئے مؤنث سے دوگنا ہوگا؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جب واضح طور پر یا اشارۃً، کسی قسم کی تفصیل موجود نہیں اور نہ ہی ایک جنس کی دوسری جنس پر کوئی فضیلت سمجھی جا رہی ہے، تو ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا، کیونکہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہ ہوگی۔

لہٰذا مثال کے طور پر اگر کوئی زید کی اولاد کے لئے وصیت کرے (یعنی یوں کہے کہ میرا یہ مال زید کی اولاد کو دے دینا) اور اولاد میں بیٹے اور بیٹیاں ہوں، تو حصہ حاصل کرنے کے اعتبار سے یہ سب برابر ہوں گے (کیونکہ کسی ایک جنس کو دوسری پر فوقیت کی کوئی دلیل موجود نہیں)۔

ہاں اگر کوئی زید کے ورثاء کے لئے وصیت کرے، تو اس صورت میں مذکر کا حصہ، دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ اس لئے کہ لفظِ ورثاء کے ساتھ وصیت کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے وراثت کی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ اب وہ وراثت کے حساب

---

[1] کتاب الوصایا، باب الوصی، جلد 5، صفحہ: 454 (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 355)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے حصہ پائیں گے۔[1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

وصیت میں ذکر کردہ تمام امور کالحاظ رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔

پوچھا گیا:

ایک شخص نے کسی کو لکھ کر وصیت کی کہ یہ کچھ میرے روپے ہیں۔ میرے مرجانے کے بعد جب بھی کوئی موسم کا نیا پھل آیا کرے، تو اس پر میری فاتحہ دلوا کر تقسیم کر دیا کرو۔ وصی نے مذکورہ وصیت پر عمل کے ساتھ ساتھ اس مال سے کسی دینی غریب طالب علم کو کتاب دلوادی اور دسویں چالیسویں میں مساکین کو کھانا بھی۔ نیز اس شخص کے مرنے کی خبر سن کر جو دو ایک جگہ سے آدمی آئے تھے اور اس شخص کا کوئی ولی نہ تھا، جو ان کی مہمانی کرتا، ان کی مہمانی میں بھی مذکورہ روپیہ سے کچھ صرف ہوا۔ اب کیا یہ سب اخراجات، نذر کے قاعدے کے مطابق کہ اس میں جگہ، وقت، مال اور خرچ وغیرہ کی قید پر نظر رکھنا واجب نہیں ہے، جائز ہوئے یا نہیں؟ وصی نے ان سب کو مصرف خیر سمجھ کر صرف کر دیا کہ میوہ جات کی فاتحہ سے مقصود ایصال ثواب ہی تھا اور وہ ہو گیا۔ اب جو دس بیس روپے باقی ہیں، اس کا ارادہ ہے کہ مدرسے میں دے دوں، آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

امام ”احمد رضا“ خان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وصیت کے ان الفاظ میں کہ ”تقسیم کر دیا کرو“ نہ کسی قسم کے مخصوص افراد کے لئے وصیت ہے اور نہ ہی یہ الفاظ کسی حاجت کو ظاہر کرنے والے ہیں، چنانچہ بظاہر وصیت باطل ہے۔ جیسا کہ وصیتوں کے بارے میں مشہور ضابطے کا تقاضا ہے۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 358

درمختار میں فرمایا:

(والاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیٔ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعها لله تعالی وهو معلوم وان کان لاینبیٔ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت)

''یعنی ضابطہ یہ ہے کہ وصیت جب کسی ایسے لفظ کے ساتھ واقع ہو، جو (کسی حاجت مند کی) حاجت کی خبر دے، جیسا کہ فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے، تو یہ وصیت صحیح ہوگی، اگرچہ جن کے بارے میں وصیت کی گئی، ان کی تعداد کی کوئی حد نہ ہو، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ عزوجل کے لئے واقع ہوئی۔ اور یہ معلوم ہے۔ اور اگر وصیت کسی ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو، جو حاجت کی خبر نہ دیتا ہو، تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی، اگر ان کی تعداد بیان کر دی گئی، تو وصیت صحیح ہوگی اور اس وصیت کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ لاتعداد ہیں، تو وصیت باطل ہوگی۔'' (کتاب الوصایا، باب الوصیة للاقارب، جلد2، صفحہ: 330)

مگر اس کا کہنا ''میری فاتحہ دلا کر'' خبر دے رہا ہے کہ مساکین پر تقسیم کروانا مقصود ہے، چنانچہ لفظ میں حاجت کی علامت موجود ہے، گویا یوں کہا کہ ہر موسم میں اس کا میوہ خرید کر لوجہ اللہ مساکین پر تقسیم کر دیا کرو، اور یہ قطعاً درست و جائز وصیت ہے۔

اور مذہب صحیح اور مفتی بہ میں موصی (یعنی وصیت کرنے والا) مساکین کے لئے جس چیز کی وصیت کرے، وصی (یعنی جسے وصیت نافذ کرنے کیلئے مقرر کیا گیا) کو اختیار ہے کہ وہ نہ دے، بلکہ اس کی قیمت صدقہ کر دے، یونہی برعکس، یعنی روپے خیرات کرنے کی وصیت

ہو، تو چیز خرید کر صدقہ کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں فتاویٰ قاضی خان کے حوالے سے ہے:

(رجل اوصی بان یتصدق عنه بالف درهم فتصدقوا عنه بالحنطة اوعلی العکس قال ابن مقاتل یجوز ذٰلك وقال الفقیه ابواللیث وبه ناخذ ولواوصی بان یباع هذاالعبد ویتصدق بثمنه علی المساکین جازلهم ان یتصدقوابنفس العبد ولوقال اشترعشرة اثواب وتصدق بهافاشتری الوصی عشرة اثواب له ان یبیعهاویتصدق بثمنها)

"یعنی ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہزار دراہم صدقہ کر دیے جائیں، تو انہوں نے اس کی طرف سے گندم صدقہ کر دی یا برعکس معاملہ ہوا۔ ابن مقاتل نے کہا، یہ جائز ہے۔ فقیہ ابواللیث نے کہا، ہم اسی سے (حکم شرعی) حاصل کرتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ دیا جائے اور اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے، تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کو صدقہ کر دیں اور اگر کہا دس کپڑے خرید و اور ان کو صدقہ کر دو۔ پھر وصی نے دس کپڑے خرید لئے، تو اسے اختیار ہے کہ وہ ان کپڑوں کو بیچ دے اور ان کی قیمت صدقہ کر دے۔" (کتاب الوصایا، الباب الثانی، جلد6، صفحہ: 134)

یونہی اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس صدقے کو چند موسموں میں تھوڑا تھوڑا کر کے خرچ کرنے کی وصیت کی ہے۔ لیکن اس کا پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے، چنانچہ وصی کو اختیار ہے کہ ایک وقت میں تمام روپیہ صدقہ کر دے۔

فتاویٰ عالمگیری میں قاضی خان سے ہی منقول ہے:

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

(فیھا عنھا لو قال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنة مائة درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنة الاولیٰ ولا یوزع علی السنة) ''یعنی اگر کہا، میں نے وصیت کردی کہ میرے ترکے کے تیسرے حصے سے ہر سال سو درہم صدقہ کئے جائیں، تو اس صورت میں (جائز ہے کہ) وصی پہلے ہی سال کل تیسرے حصے کو صدقہ کردے اور اس کو کئی سالوں پر تقسیم نہ کرے۔'' (کتاب الوصایا، الباب الثانی من مسائل شتی، جلد 6، صفحہ: 135)

فتاویٰ عالمگیری میں ہی ہے: (لو اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز) ''یعنی اگر وصیت کی کہ دس دنوں میں صدقہ کیا جائے اور وصی نے ایک دن میں صدقہ کردیا، تو جائز ہے۔'' (کتاب الوصایا، الباب الثانی من مسائل شتی، جلد 6، صفحہ: 135)

پس وصی نے جو کتاب اس مال سے خرید کر مسکین کو دی یا مساکین کو کھانا کھلایا، سب جائز و بجا واقع ہوا۔ یونہی اب جو روپیہ باقی ہے جائز ہے کہ مدرسے کے مساکین طلبہ کو نقد یا کپڑا یا کھانا یا کتابیں خرید کر دے دے، چاہے مساکین طلبہ کے لئے جو وظائف مقرر ہوں، اس میں صرف کردے۔ غرض جس قدر صدقے کی صورتیں ہوسکتی ہیں، وہ ان سب میں خرچ کا اختیار رکھتا ہے۔ رہا وہ کھانا کہ اہل تعزیت کو کھلایا، اگر وہ صدقے کے مستحق تھے اور انہیں بطور تصدق ہی کھلایا، تو جائز ہوا۔ لیکن اگر وہ لوگ مال دار تھے، تو ناجائز۔ اس صورت میں اتنے روپے کا تاوان، اس وصی کے ذمے لازم ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں بحوالہ تاتارخانیہ ہے: (سئل عن رجل اوصی بثلث ما له للفقراء فاعطی الوصی الاغنیاء وھو لایعلم قال محمد رحمه الله

تعالیٰ لایجزیه والوصی للفقراء ضامن فی قولهم جمیعا) ''یعنی اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے فقیروں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وصی نے لاعلمی میں اغنیاء کو دے دیا، امام محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ یہ کفایت نہ کرے گا۔ اور تمام ائمہ کے قول کے مطابق وصی فقیروں کے لئے ضامن ہوگا۔'' (کتاب الوصایا، الباب الثانی من مسائل شتی، جلد 6، صفحہ: 138)

ہاں اگر اس صورت میں اسے دھوکا ہوا ہو یعنی اس نے انہیں مساکین تصور کر کے صدقہ کیا اور بعد میں ظاہر ہوا کہ غنی و مالدار تھے، تو اب تاوان لازم نہیں۔

اسی طرح اگر اس نے ان مہمانوں کو کھانے کا مالک نہ بنایا تھا، بلکہ جس طرح دعوتوں میں صرف کھانے کی اجازت دی جاتی ہے، اس طرح تھا، یعنی کھانے والوں کو طعام کا مالک نہیں کیا جاتا، بلکہ مالک کی ملک پر باقی رہتا ہے، مہمان اس کی اجازت سے تصرف کرتے ہیں، تو بھی ناجائز اور تاوان لازم ہوگا۔ کیونکہ وصی کو صدقہ کا حکم دیا گیا تھا اور صدقہ بغیر مالک بنائے، نہیں ہوسکتا۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

صدقے کے لئے دیا گیا مال، کب ورثاء کی اجازت سے ہی صدقہ کیا جاسکتا ہے اور کب اس کی ضرورت نہیں؟

پوچھا گیا: ایک شخص نے کچھ روپے اور بعض چیزیں، اپنی بہن کو دے کر وصیت کی کہ انہیں اپنے پاس رکھو، میں وقتاً فوقتاً تم سے لے لیا کروں گا اور اگر میرا انتقال ہوگیا، تو تم انہیں میری طرف سے صدقہ کردینا۔ مجھے تم پر یقین ہے، بخلاف باپ کے کہ ان سے اُمید

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 359

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہیں۔ پھر اس شخص کا کچھ دن بعد انتقال ہو گیا۔ اب ورثاء میں اس کی زوجہ اور اس کا باپ ہے، تو بہن حسبِ وصیت ان روپوں اور چیزوں کو وارثوں کو بتائے بغیر صدقہ کر دے یا ان کے حوالے کر دے، چاہے وہ صدقہ کریں یا نہ کریں، جب کہ امید ہے صدقہ نہیں کریں گے۔

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اگر بہن کے پاس رکھوایا جانے والا وہ مال، مہر اور دیگر قرض ادا کرنے کے بعد کل متروکہ مال کے تیسرے حصے سے زیادہ نہیں، تو مذکورہ وصیت، ورثہ کی اجازت کے بغیر ہی نافذ ہو جائے گی، چنانچہ وہ وصیہ بہن، بلا اطلاع ورثہ، صدقہ کر سکتی ہے۔ اور اگر زائد ہے، تو صرف تیسرے حصے کے بقدر بلا اجازت صدقہ کر سکتی ہے، زیادہ میں اجازتِ ورثہ کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اجازت نہ دیں، تو جتنا زائد ہے، انہیں واپس کر دے۔ اور اگر مہر یا اور کوئی قرض، کل ترکے کو گھیرے ہوئے ہے، تو ایسی صورت میں وصیت بالکل نافذ نہیں ہو گی، چنانچہ سب مال قرض میں دیا جائے گا۔ مثلاً مرحوم بھائی نے، تین سو روپے کا مال بہن کے پاس رکھوایا اور بقیہ ترکے کی مالیت، سات سو روپے ہے، اس طرح کل ہزار روپے ہوئے اور اس شخص پر مہر وغیرہ کسی قسم کا قرضہ بھی نہیں، تو ظاہر ہے کہ تین سو روپے، ہزار روپے کے تیسرے حصے سے کم ہیں یا بالفرض اس صورت میں سو روپے کا مہر وغیرہ قرض بھی ہے، تب بھی ہزار میں سے قرض کے سو روپے نکالے جائیں، تو نو سو روپے باقی رہیں گے اور یہ تین سو روپے، ہزار کے تہائی حصے سے زائد نہیں، تو ان دونوں صورتوں میں پورا تین سو کا مال بہن صدقہ کر سکتی ہے۔ اور اگر مہر وغیرہ قرضوں کی مقدار چار سو روپے ہے، تو قرض ادا کرنے کے بعد، چھ سو بچیں گے۔ اس صورت میں بہن کے پاس موجود تین سو میں سے سو روپے، تیسرے حصے سے زائد ہوئے، لہٰذا دو سو صدقہ کرے اور سو کا صدقہ کرنا، ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر ہزار روپے یا اس سے زائد مقدار، مہر و قرض ہے، تو کچھ صدقہ نہیں کرے گی، بلکہ سب کا سب

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ان کی ادائیگی میں صرف کیا جائے گا۔ یہ تمام احکام فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہیں۔ [1]

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مورث کے مرجانے پر اس کی امانت، ورثاء کے حوالے کرنا واجب ہے۔ بلا وصیت، ورثاء کی اجازت کے بغیر اس پر فرض کردہ کسی عبادت کا فدیہ وغیرہ نہیں دیا جا سکتا۔ نیز عورت کا دوسری شادی کر لینا، اسے مہر و وراثت سے محروم نہیں کروا دیتا۔

پوچھا گیا: بکر کے کچھ پیسے، زید کے پاس بطورِ امانت تھے۔ پھر بکر مر گیا، اس کے وارثوں میں ایک زوجہ ہے، جس نے دوسرا نکاح کر لیا ہے، ایک سگا بھائی اور دو چچا زاد بھائی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اس میں سے کس قدر حصہ ملنا چاہئے؟ نیز بکر پر حج فرض ہو چکا تھا، لیکن اس نے مرتے وقت اس کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی تھی، تو اس صورت میں زید اگر چاہے تو، اس کی طرف سے حج بھی کرا سکتا ہے یا نہیں؟

امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: زید کو اس روپے میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔ کیونکہ وہ صرف ایک امانت دار تھا، چنانچہ اب اس امانت کے مالک، بکر کے وارثان ہوئے۔ زید پر واجب ہے کہ سب روپے انہیں واپس دے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ﴾ "یعنی بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں، ان کے اہل تک پہنچا دو۔" (النساء: 58) امانت والے یہ روپے اور اس کے علاوہ جو بھی بکر کا ترکہ ہو، مذکورہ ورثہ میں تقسیم ہوگا، بشرطیکہ وراثت سے محروم رکھنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ چنانچہ قرضوں، مہر کی ادائیگی اور وصیت (اگر کی ہو) پوری کرنے کے بعد، مال کے چار حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ زوجہ اور تین، حقیقی بھائی کو ملیں گے۔

---

[1] ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 372

چچازاد بھائیوں کا اس میں سے کوئی حصہ نہیں۔ نیز زوجہ کا دوسرا نکاح کر لینا، اسے مہر یا میراث سے محروم نہ کروائے گا۔ ①

کیا آپ کو معلوم ہے کہ؟

مورث زندگی میں، اپنے کسی مقروض وارث کو قرض کی بناء پر، وراثت سے محروم نہیں کرسکتا، پوچھا گیا: زید نے وقتِ وفات، کہا، میرا کچھ قرض میری بہنوں پر آتا ہے، وہ میں انہیں ان کے ترکے میں بننے والے حصے کے بدلے میں معاف کرتا ہوں، لہٰذا اب میرے وارثوں میں میری صرف دو بیٹیاں ہیں۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا، تو اب ان چاروں وارثوں میں ترکہ کس طرح منقسم ہوگا؟ امام "احمد رضا" خان رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: ترکے کے بارے میں، کسی کو کسی مالی معاملے سے خارج کرنا وغیرہ کوئی ایجاب وقبول، مورث کی زندگی میں، درست تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ زید کا یہ قول گویا کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب اگر بہنیں اس کی اس بات پر راضی ہیں کہ قرض کے بدلے میں ترکے سے دست بردار ہو جائیں، تو کل ترکہ نصف نصف اس کی بیٹیوں کو ملے گا اور بہنیں محروم ہو جائیں گی۔ اور اگر وہ راضی نہ ہوں، تو سوال کرنے والے کے سچ کہنے کی صورت میں، کل ترکے میں سے پہلے مرحوم پر کوئی قرض ہو، تو وہ ادا کیا جائے گا۔ پھر اگر کوئی مالی وصیت کی تھی، تو اسے پورا کرنے کا حکم ہوگا۔ اس کے بعد اگر کسی وارث کو وراثت سے محروم کروا دینے والی کوئی رکاوٹ نہ ہو، تو کل مال کے 6 حصے کیے جائیں گے۔ دو، دو حصے بیٹیوں اور ایک، ایک حصہ بہنوں کو ملے گا۔ ②

❀❀❀

---

① ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 373

② ماخوذ از فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد 25، صفحہ: 374

kutubistan.blogspot.com

برکت والی کتاب

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے بارے فرماتے ہیں

"یہ رسالہ برکت والا مشہور ہے اور جس گھر میں یہ ہو گا وہاں کوئی آفت نہ آئے گی"۔

نیز اس کے بارے میں کہا گیا ہے "اَلرِّسَالَۃُ الْمُبَارَکَۃُ" "یہ رسالہ برکت والا ہے"۔

رتبہ مصنف کتاب

۱۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا ذکر کشف المحجوب میں اس طرح فرمایا کہ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ پتھر اٹھاتے تو وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں گوہر بن جاتا۔

۲۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ اگر آپ کا وعظ پتھر سے ٹکراتے تو وہ بھی نرم ہو جائے۔

۳۔ اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں شیطان کو باندھ دیا جائے تو وہ تائب ہو جائے۔

۴۔ بعد از وصال آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے
أَنَا فِي أَطْيَبِ عَيْشٍ وَأَكْمَلِ رَاحَةٍ میں پاکیزہ عیش اور کامل راحت میں ہوں

مضامین کتاب

صوفیائے کرام کا تعارف، ان کے عقائد اور تعلیمات ان کے احوال واقوال
نیز کرامات اولیاء اور مرشد اور مرید کی ذمہ داریوں کا تفصیلاً بیان۔
تفصیل کیلئے کتاب پڑھیے۔